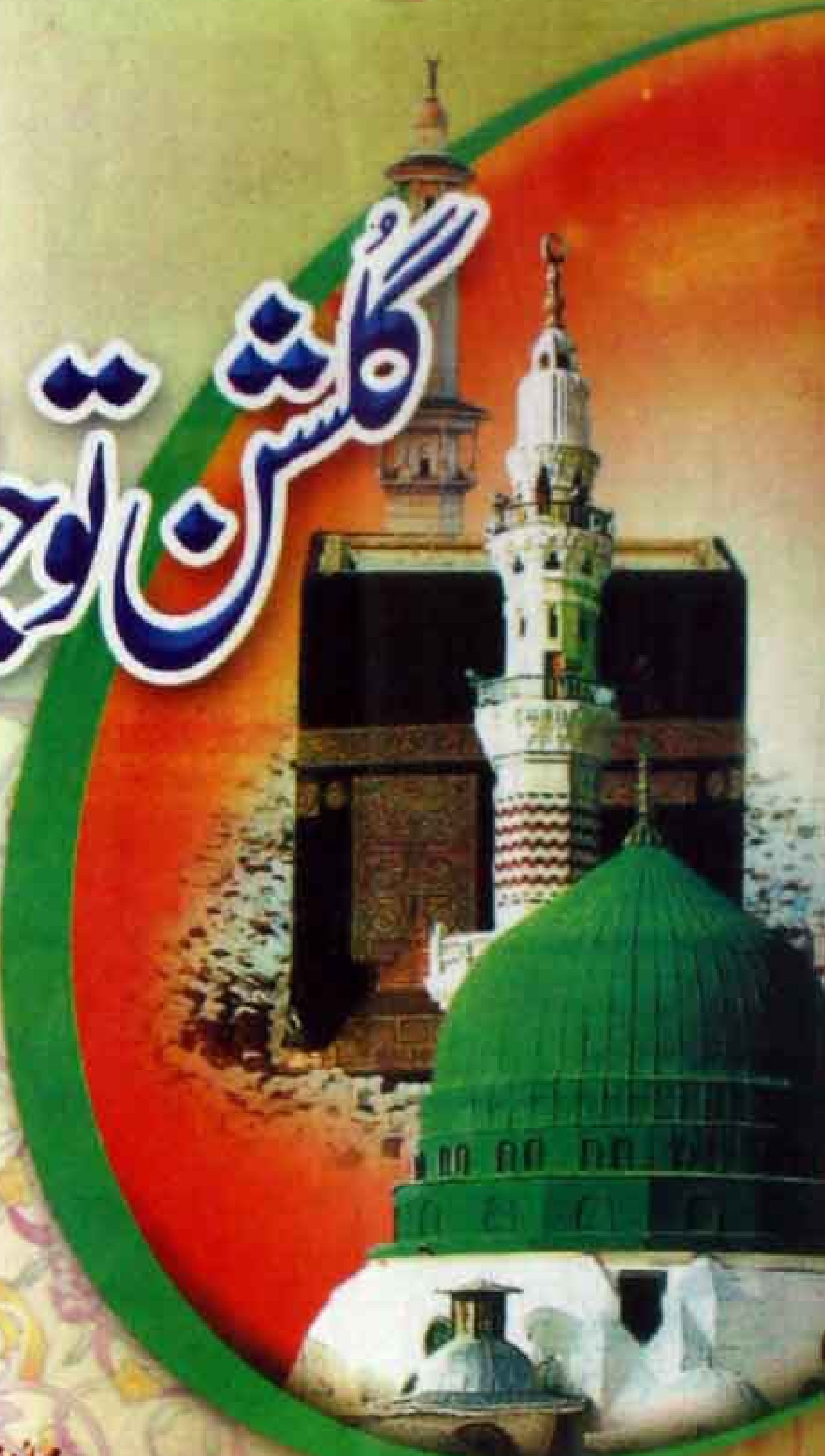
گلشن توحید و رسالت

جلد دوم



امام المناظرین شرف العلماء علامہ ابوالحسنات
محمد اشرف سیالوی زید مجدہم

اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

گلشنِ توحید و رسالت

بجواب

جلد دوم

گلدستۂ توحید

— از —

امام المناظرین شرف العلماء علامہ ابو الحسنات

محمد اشرف سیالوی زید مجدھم

ناشر

اہل السنۃ پبلی کیشنز دینہ پاکستان

نام کتاب — گلشن توحید و رسالت (جلد دوم)

مصنف — اشرف العلماء شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی

تزئین و اہتمام — محمد ناصر الہاشمی

اشاعت بار سوم — فروری 2008ء

تعداد — 1100سو

قیمت — 200روپے

ملنے کے پتے

جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام کالج روڈ سرگودھا فون نمبر:0451-724695

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور فون نمبر:042-7221953

مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرک اے فیصل آباد فون نمبر:041-626046

فرید بک سٹال 38 اردو بازار لاہور فون نمبر:042-7312173

مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ لاہور فون:042-7324948

احمد بک کارپوریشن راولپنڈی فون نمبر:051-5558320

مکتبہ المجاہد بھیرہ شریف فون نمبر:048-6691763

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم نے پچھلی جلد میں ضرورت کتاب کے تحت عرض کیا تھا کہ کچھ لوگوں نے عقائد اہلسنت کو غلط ثابت کرنے کیلئے لایعنی کوشش کی اور آئے دن اس موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا اور کہا جاتا رہا ہے۔ اس بات کی ضرورت تھی کہ کوئی محقق شخصیت اس موضوع پر لکھے تاکہ اس کا حق ادا ہو۔ جب بھی نگاہ اٹھتی تو امام العصر علامہ محمد اشرف سیالوی دامت برکاتہم العالیہ کا اسم گرامی سامنے آتا اور یہ بندہ ہی کی رائے نہیں بلکہ ہم یہاں ایک ایسی شخصیت کی رائے نقل کر رہے ہیں جو ہم سب کی مسلمہ ہیں اور وہ ہے مفسر قرآن حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ العزیز' انہوں نے ہمارے ممدوح کی خدمت میں ایک اور دو بھرا خط تحریر فرمایا جو من و عن ہم قارئین کی نظر کر رہے ہیں۔

ذوالمجد الاثیل والفضل العزیز حضرت علامہ شیخ الحدیث صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ نے بڑا کرم فرمایا' بھیرہ میں قدم رنجہ فرما کر اپنے حکیمانہ مواعظ سے ہماری کشت ایمان کو سیراب کیا۔ مصروفیت کی وجہ سے میں خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ ورنہ بہت سی باتیں کرنا تھیں اور بہت سے مشورے کرنے تھے۔

آج ایک ضروری کام کے لئے یہ چند سطور رقم کر رہا ہوں۔

ہمارے اہل سنت کی محرومیوں کا دائرہ بڑا وسیع اور فہرست بڑی طویل ہے۔ لیکن سب سے زیادہ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ عوام اہل سنت بلکہ خواص اہل سنت کو بھی اپنے عقائد کا صحیح علم نہیں۔ ہم میں سے اکثر کو یہ بھی خبر نہیں کہ کون سے ایسے عقائد ہیں' جن پر ایمان و کفر کا دارومدار ہے۔ کون سے ایسے عقائد ہیں' جن کا شمار مندوبات یا مباحات میں ہوتا ہے' اس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے علماء جب تقریر کرتے ہیں' تو وہ بھی اس امتیاز کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے۔

ہماری ہمعصر پود نے بزرگوں کے ساتھ حسن عقیدت کی بناء پر جوں توں کرکے وقت گزار لیا' لیکن آنے والی نسل کا معاملہ بڑا مختلف ہے۔ جب تک ہم بچوں' بچیوں کو اپنے عقائد کے بارے میں واضح طور پر اور مدلل طور پر نہیں بتائیں گے' اور اپنے صحیح نظریات کو ان کے لوح قلب پر نقش نہیں کریں گے' وہ الحاد و بے دینی کے سیلاب کا مقابلہ کرنا تو بڑی دور کی بات ہے' مختلف فرقوں کے اٹھائے ہوئے شکوک و شبہات کا شکار ہو کر رہ جائیں گے۔

میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے' لیکن یہ عرض کر رہا ہوں' آپ کی ذات کے بغیر کہیں دل

مطمئن نہیں ہوتا کہ افراط و تفریط سے دامن بچاتے ہوئے اہل سنت کے معتقدات کو آسان اور دل نشین اسلوب اور مدلل طور پر بیان کر سکے' جس پر ہم اور ہماری آنے والی نسلیں یقین کے ساتھ قائم رہ سکیں۔

مجھے جناب کے مصروفیات کا بخوبی علم ہے لیکن یہ موضوع بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں' اگر جناب اپنی نادر صلاحیتوں اور اپنے قیمتی وقت کے کچھ لمحات کو اس کام کے لئے وقف کر دیں' تو اہل سنت ایک بہت محرومی سے بچ جائیں گے۔ کم از کم اپنے عقیدے کے بارے میں تو وہ کسی شک وشبہ میں مبتلا نہ رہیں گے۔

دین کے قصر رفیع کی بنیاد اگر مضبوطی سے قائم ہو گئی تو عمارت بنانے والے کئی آگے آئیں گے۔ امید ہے میری ان گزارشات کو توجہ کے لائق سمجھیں گے۔ اس کے بارے میں کوئی منظم اور مربوط لائحہ عمل مرتب کر کے اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جناب کو صحت کاملہ عاجلہ اور عمر دراز عطا فرمائے اور آپ کے فیوضات و برکات سے ملک و ملت فیض یاب ہوتی رہے۔

والسلام!

مخلص خادم: محمد کرم شاہ

آپ کے بارے میں پیر صاحب قبلہ نے جو لکھا ہے یہی ہر اہل علم کے دل کی آواز ہے یہاں اس طرف بھی متوجہ ہونے کی ضرورت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس قدر اعلیٰ استعداد کی شخصیات عطا کی ہیں تو ہمارے فرائض کیا ہیں؟ کیا ہمارے صاحب ثروت لوگوں کا یہ فرض نہیں بنتا کہ ایسے لوگوں کو معاشی حوالے سے فارغ کر کے دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیں تاکہ وہ پہلے سے بھی بڑھ کر اسلام کی خدمت کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے صاحب منصب اور صاحب ثروت لوگوں کو اس مسئلہ پر متوجہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

دُعاؤں کا طالب

محمد خان قادری

خادم کاروان اسلام

۷ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ بروز جمعرات

فہرست

مولوی اسمٰعیل دہلوی اور سیّد احمد بریلوی کی شہادات)

حدیث قدسی کنت سمعہ الذی یسمع بہ کی تاویل اور اس کا
رد علامہ سرفراز کے اکابر کی زبانی۔ ۲۴۲

علامہ سرفراز دیوبندی کی تاویل کا عقلی ونقلی وجوہ سے بطلان۔
کیا حدیث قدسی کی توضیح میں لوہے اور آگ کی تمثیل فریقِ مخالف
کی طرف سے ہے؟

کیا حدیث قدسی کے بیان کردہ معنیٰ سے بندۂ محبوب میں
اللہ تعالیٰ کا حلول لازم آتا ہے؟ ۲۴۷

دوسرے علماء تو درکنار صرف سرفراز ہی کفر کا فتوےٰ لگا
کر دکھائیں۔

فناء فی اللہ اور بقا باللہ کی تحقیق حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت
شاہ عبدالعزیز رحمہما اللہ تعالیٰ کی زبانی۔ (ب-ج)

معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیاء کے اختیاری ہونے پر
حدیث قدسی اور اقوال اکابر کی شہادات۔ (الف) ۲۵۷

گیارہویں دلیل: معجزہ کی تعریف ہی اس کے اختیاری ہونے
کی دلیل ہے۔ ۲۵۸

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ اور چیلنج سے
معجزہ کے اختیاری ہونے پر استدلال۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پتھر پر عصا مار کر چشمے جاری کرنے
سیّدِ عالم علیہ السلام کے اُنگلیوں سے چشمے جاری کرنے، اور
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روزانہ مریضوں اور اندھوں کو
شفایاب اور بینا کرنے سے استدلال۔ (ب)

عجیبہ: علماءِ دیوبند عوام کے حق میں معتزلہ اور انبیاء و اولیاء
کے حق میں جبریہ کے عقیدہ پر ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معجزات کا انبیاء علیہم السلام
کے کسب و اختیار میں ہونا۔ (ب)

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کے نزدیک ہندو جوگیوں کا خوارق
عادات میں مختار ہونا اور دُوسروں کے لیے افاضہ پر قادر ہونا

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک اولیاءِ
کاملین کی تاثیر اور افادہ و افاضہ کے اقسام۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی نانبائی کو توجہ اتحادی
سے اپنی مثل بنا دینا۔

علماءِ دیوبند کا منشاء غلط اور تمام معجزات و کرامات کو غیر اختیاری
قرار دینے کی جسارت۔

علامہ سرفراز صاحب کا چند جزئیات سے حکم کُلّی لگا دینا
وجوہِ استدلال میں سے کوئی وجہ بھی نہیں۔

معجزہ وکرامت کا نبی وولی کے قصد وارادہ سے صادر ہونا دلالت النص کے طور پر ثابت ہے۔

یہ سراسر ابلیسی توحید ہے کہ شیاطین اور جوگی تو با اختیار ہوں، مگر انبیاء واولیاء بے اختیار ہوں۔

۲۷۴ جمہور علماءِ اسلام کا مذہب مختار یہی ہے کہ معجزہ وکرامت قصد اور اختیار سے بھی صادر ہوتے ہیں۔

(امام رازی، علامہ تفتازانی، علامہ آمدی اور علامہ پرہاروی اور میر سید شریف اور دیگر اکابرِ ملت کی شہادت علماءِ دیوبند انبیاء واولیاء کے اختیار اور قصد وارادہ کی نفی کرکے کس کی شان بڑھا رہے ہیں؟

۲۸۰ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا فیصلہ کہ خوارق عادات اختیاری بھی ہوتے ہیں اور حدیث قدسی کی توضیح۔ ۲۸۳

بارہویں دلیل: نورِ فراست اور نورِ خداوند تعالیٰ سے منور حضرات کا علم وادراک میں امتیاز واختصاص۔(الف۔ب ج د) ۳۰۲

(علامہ ابن قیم، علامہ شہاب خفاجی، علامہ علی قاری، امام ابن حجر عسقلانی، شیخ عبدالاول، شیخ محقق عبدالحق کی شہادات) ھ

ارواح کے لیے قرب اور بُعد یکساں ہوتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز علامہ محمود آلوسی، علامہ ابن القیم، رشید احمد گنگوہی، اور حسین احمد مدنی کی شہادات ۳۲۰

[1] صلی اللہ علیک یا حبیب اللہ۔ [2] علیہ السلام۔

؎ رضی اللہ عنہ۔

کتابت: خطاط العصر احمد علی بھٹہ تلمیذ جناب حافظ محمد یوسف سدیدی رحمہ اللہ۔ لاہور
۱۴۲۱ھ

بابِ یازدہم

گلدستۂ توحید

کیا مشرکین غیر اللہ کو مستقل اور کُلی مختار سمجھ کر پکارتے تھے؟

آپ کو یہ معلوم ہو چکا کہ مشرکینِ عرب غیر اللہ کو پکارتے تھے اور ان سے نفع و ضرر کی اُمیدیں وابستہ کرتے تھے تو ممکن ہے کسی کو یہ شبہ ہو کہ خدا تعالیٰ سے بالکل نظریں ہٹا لیا کرتے تھے یا ان کو ہی مستقل بالذات سمجھ کر پکارتے تھے یا ہمیشہ غیر اللہ کو پکارا کرتے تھے اور کبھی بھولے سے بھی خدا تعالیٰ کو یاد نہ کرتے تھے لہٰذا وہ مشرک تھے۔

لیکن کلمہ پڑھنے والوں کے دل میں تو خدا تعالیٰ کی ذات ہی ہوتی ہے وہ کسی کو مستقل بالذات با اختیار نہیں سمجھتے اور وہ اللہ تعالیٰ کو بھی پکارتے ہیں تو اس کا جواب قرآن و حدیث سے سُن لیجیے۔

۱۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (سورہ یونس آیت ۱۸)

اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ورے اس چیز کی جو نہ نقصان

پہنچا سکے اور نہ نفع پہنچا سکے اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالےٰ کے پاس تو کہہ کیا بتلاتے ہو اللہ تعالیٰ کو وہ چیز جو اس کو معلوم نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جسکو وہ شریک ٹھہراتے ہیں

۲۔ قال تعالیٰ :

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ (سورہ زمر آیت ۳)

اور جنہوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے حمایتی کہتے ہیں ہم تو انکو پکارتے ہیں اس واسطے کہ وہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچا دیں درجہ میں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین جو غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے یا ان کو پکارتے تھے تو نہ ان کو مستقل سمجھتے تھے اور نہ خدا بلکہ ان کو خدا تعالےٰ کے تقرب کا ذریعہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے کام اور ہماری حاجتیں خدا تعالیٰ کے پاس پیش کرتے ہیں اور ہماری سفارشیں کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس ما فوق الاسباب سفارش (غائبانہ) کو بھی شرک کہا ہے۔ پہلی آیت میں عَمَّا یُشْرِکُوْن میں اس کو صاف شرک سے تعبیر کیا ہے۔

گلشنِ توحید و رسالت

علامہ سرفراز صاحب کا سطحیت کا مظاہرہ یا فریب کاری کی ناپاک کوشش

علاّمہ سرفراز صاحب نے اس باب میں انبیاء و رسل علیہم السلام اور اولیاء و اصفیاء کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا شفیع اور سفارشی ماننے اور اس کے حضور

تقرب اور حصول درجات کا ذریعہ ماننے کو شرک ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے لیکن اس میں بھی سطحی ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے یا پھر دیدہ دانستہ فریب ہی سے کام لیا ہے کیونکہ مشرکین صور و تماثیل اور بے جان مجسموں کی عبادت کرتے تھے خواہ نام ان کو جس قسم کا بھی دیتے تھے اور انہیں بے جان مورتیوں کو اپنے آلہہ اور خدا کہتے تھے اور انہیں کے خلاف حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام نے بلکہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو فہمائش کی مگر وہ اسی ضد پر قائم رہے اور اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کو ترک کرنا گوارا نہ کیا اور یہی صورتِ حال اہلِ مکہ کی تھی اس لیے انہوں نے

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ○

(سورہ صٓ آیت ۵)

کہہ کر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ماننے سے انکار کیا۔

مشرکین کی بے جا وکالت

۱۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ مشرکین غیر اللہ کو خدا نہیں مانتے تھے؟ تو آخر آلہہ کا ترجمہ اور ہے کیا وہ تو از اوّل تا آخر ان صور و تماثیل اور اصنام و اوثان کو آلہہ کہیں اور ان کا صدیوں نہیں ہزاروں سال سے اس پر اجماع و اتفاق ہو مگر ان کے وکیل کہیں کہ وہ ان کو خدا نہیں مانتے تھے تو یہ وکیل موکلین کو جھٹلا کر اپنے آپ کو منصبِ وکالت کے لیے نااہل ثابت کر چکا لہٰذا اسے وکالت کا کیا حق رہے گا!

۲۔ نیز اللہ تعالیٰ کو جھٹلایا اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت ہود علیہم السلام کو بھی جھٹلایا کیونکہ یہ سبھی مقدس لوگ ان کو لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کی دعوت دیتے رہے اور اللہ تعالےٰ نے ان کو اس دعوت کے لیے مبعوث فرمایا تو گویا اللہ تعالیٰ نے بھی مشرکین کے نظریہ وعقیدہ کو نہ سمجھا اور نہ انبیاء علیہم السلام نے تو جو شخص اللہ تعالےٰ اور انبیاء علیہم السلام کو جھٹلائے وہ ان کا ترجمان بھی نہیں ہوسکتا تو ہم نہیں سمجھ سکے کہ علامہ صاحب کن لوگوں کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

۳۔ کیا آلہہ کا ترجمہ خدا کرنا علامہ صاحب کی لغت میں غلط ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا کیونکر صحیح ہوا کیونکہ غیر سے الٰہ ہونے کی نفی کی گئی اور اللہ تعالیٰ میں اس کا حصر کیا گیا اور صرف ایک الٰہ ثابت کیا گیا تو کیا یہ کہنا غلط ہوگا، کہ صرف ایک خدا ثابت کیا گیا؟

۴۔ نیز مشرکینِ عرب آپ کہیں گے کہ ہم ان اوثان واصنام کو اللہ تعالےٰ کے برابر سمجھتے تھے اور اللہ عالم الغیب ان کے اس اقرار و اعتراف کو بیان فرما رہا ہے:

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(سورہ شعراء آیت ۹۷)

بخدا ہم کھلی گمراہی میں تھے جبکہ ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہراتے تھے

اور قولِ باری تعالیٰ:

هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآىِٕنَا ج (سورہ انعام آیت ۱۳۶)

میں عبادت مالی میں مساوات اور برابری تو خود علامہ صاحب بھی تسلیم کر چکے لیکن اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے اپنے خداؤں اور شریکوں کی ترجیح بھی بیان فرمادی کہ جو ان کے خداؤں کا حصہ ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جاسکتا لیکن جو اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف جاسکتا ہے۔

کما قال تعالیٰ:

فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ (سورہ انعام آیت ۱۳۶)

اگر وہ غیر اللہ کو صرف سفارشی سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف صرف قربت اور نزدیکی کا ذریعہ تو پھر تسویہ اور برابری کیسے پائی گئی اور مالی عبادت میں یہ تقسیم کیوں پائی گئی؟ بلکہ اس میں بھی ان معبودات کو ترجیح کیوں دی گئی؟ پھر ان کو شرکاء سے تعبیر کرنے کا کیا مطلب ہوا؟ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے ان کا ہی قول نقل فرمایا، هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا۔

۵۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو ان کے معبودات کو سب و شتم سے منع فرمایا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کو سب و شتم نہ کرنے لگ جائیں۔

لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (سورہ انعام آیت ۱۰۸)

تو کیا سفارشی لوگوں کی عزت و تکریم اتنی زیادہ ہوتی ہے اور قرب و وصل کے ذرائع اور اسباب کو مقصود اصلی سے زیادہ محبوب سمجھنا درست ہوتا ہے؟ بلکہ ذرائع اور وسائل سے چڑھ کر مقصود اصلی کو گالیاں دینا کونسا دانشمند گوارا

کرسکتا ہے؟

۶۔ نیز اگر ان کو اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی لگاؤ تھا تو اللہ تعالےٰ کی عبادت سے نبیِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور صحابہ کرام کو منع کیوں کرتے تھے۔

قال تعالیٰ:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰىۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰىؕ (سورہ علق آیت ۹-۱۰)

اور دوران سجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر اونٹ کا شکنبہ کس لیے رکھوایا گیا تھا؟

۷۔ نیز مشرک اگر مستقل مؤثر اور مدبر و متصرّف صرف اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھتے تھے تو انہوں نے کیوں کہا؟

وَمَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُۚ (سورہ جاثیہ آیت ۲۴)

ہمیں صرف اور صرف گردشِ زمانہ اور اختلافِ لیل و نہار ہلاکت میں ڈالتا ہے؟

کیا اپنے طور پر شفیع اور وسائل بنا لینا درست ہے؟

علاّمہ سرفراز صاحب نے ان کا شفعاءنا عند اللہ اور لیقربونا الی اللہ کا قول دیکھ لیا اور اہلِ اسلام اور اہل السُنّت پر شرک کا فتوےٰ لگانے کے لیے باہم برابری سمجھ لی اور ماضی و حال کے شرک اور قدیم و حدیث شرک میں ذرّہ بھر فرق نہیں کی رٹ لگانی شروع کر دی۔ مگر یہ نہ سوچا کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں اپنے طور پر کسی کو سفارشی اور شفیع فرض کر لینا جائز

اور صحیح نہیں ہے اور خود بخود ذرائع قربت اور وسائل وصل بنا لینا جائز نہیں ہے؟ نبی و رسول علیہم السلام ہدایت کا وسیلہ اور ذریعہ ہوتے ہیں تو کیا اپنے طور پر کسی کو نبی و رسول مان لینا اور اسکی اطاعت شروع کر لینا جائز ہے؟ اگر کسی درخت اور دریا یا پتھر کو قربت کا ذریعہ سمجھ لیا جائے اور اس کو پوجنا شروع کر دیا جائے تو کیا یہ صورت جائز ہے؟ جب یہ جائز نہیں اور بالکل جائز نہیں اور بالخصوص ایسی چیزوں کے متعلق جن کا اللہ تعالیٰ سے کوئی دوستی و محبت اور ولایت و تقرب والا علاقہ و تعلق ہی نہ ہو تو اس پر نبی کریم علیہ السلام کے غلاموں کا اور مسلّم اولیاء کرام کے محبوں کا قیاس کرنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ شرک اور اہلِ اسلام کے درمیان اس تعظیم و تکریم اور توسل و تقرب میں فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

(مرقات ص ۳۲۵ ج ۵)

لا یظن بارباب العقول ولو کانوا کفاراً ان یعتقدوا ان الحجر ینفع ویضر بالذات وانما کانوا یعظمون الاحجار او یعبدونها معللین بان هؤلاء شفعاءنا عند الله ومقربونا الی الله زلفی فهم کانوا یمسحونها ویقبلونها تبركا للنفع وانما الفرق بیننا و بینهم انهم کانوا یفعلون الاشیاء من تلقاء انفسهم ما انزل الله بها من سلطان بخلاف المسلمین فانهم یصلون الی الکعبة

بنا علیٰ ما امر اللہ ویقبلون الحجر بناء علیٰ
متابعۃ رسول اللہ والا فلا فرق فی حد الذات
ولا فی نظر العارف بالموجودات بین بیت وبیت
ولا بین حجر وحجر فسبحٰن من عظم ما شآء
من مخلوقاتہ من الافراد الانسانیۃ کرسول اللہ
والحیوانیۃ کناقۃ اللہ والجمادیۃ کبیت اللہ
والمکانیۃ کحرم اللہ والزمانیۃ کلیلۃ القدر و
ساعۃ الجمعۃ وخلق خواص الاشیاء فی
مکتوباتہ وجعل التفاوت والتمایز بین اجزاء ارضہ
وسماواتہ۔

ارباب عقول اور اصحابِ دانش اگرچہ کفار ہی کیوں نہ ہوں ان کے متعلق یہ ظن و گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وُہ یہ عقیدہ رکھیں کہ پتھر بذاتِ خود نفع اور نقصان دیتا ہے اور مشرکین ان احجار و اصنام کی تعظیم کرتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے تو صرف اس علت کے پیشِ نظر کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفیع ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب تر کرنے والے ہیں۔ پس وُہ ان کو ہاتھ لگاتے تھے اور بوسے دیتے تھے تو نفع حاصل کرنے کے اسباب و ذرائع سمجھتے ہوئے۔

اور ہمارے اور ان کے درمیان صرف یہ فرق ہے کہ وُہ لوگ ان اشیاء کو اپنی طرف سے کرتے تھے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل و حجت

نازل نہیں فرمائی بخلاف اہلِ اسلام کے (کہ وہ اپنے طور پر کسی شے کو معبود و مسجود بناتے ہیں اور نہ مستحقِ تعظیم و تکریم سمجھتے ہیں بلکہ) وہ کعبہ کی طرف نماز میں مُنہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کی بنا پر اور حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہیں تو متابعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بنار پر ورنہ فی حد ذاتہ بھی اور موجودات کے ساتھ صحیح عرفان رکھنے والے کی نظر میں بھی ایک مکان کا دُوسرے مکان کے ساتھ اور ایک پتھر کا دُوسرے پتھر کے ساتھ کوئی تفاوت اور تمایز نہیں ہے۔

پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوقات میں سے جس کو چاہا عزت وعظمت عطا فرما دی، افرادِ انسانیہ میں سے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور افرادِ حیوانیہ میں سے جیسے ناقۃ اللہ (صالح علیہ السلام کی اُونٹنی) کو اور افراد جمادات میں سے جیسے بیت اللہ کو اور مکانات کے افراد میں سے جیسے حرم اللہ کو اور زمانہ کے افراد و اجزار میں جیسے لیلۃ القدر، ساعۃ جُمعہ اور اپنے مکتوبات میں خواص اشیار کو تخلیق فرمایا اور زمینوں اور آسمانوں کے اجزا میں باہم تفاوت اور امتیاز پیدا فرمایا۔

لہٰذا کفار قریش اور مشرکینِ عرب اپنے طور پر اصنام و احجار کو قرب و وصل کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اپنے طور پر ہی ان کو شفیع اعتقاد کرتے تھے اور پھر ان کی عبادت بھی کرتے تھے جبکہ اہل اسلام غیر اللہ کی عبادت کو نہ صرف حرام بلکہ شرک سمجھتے ہیں اور اپنے طور پر بھی کسی کو شفیع اور وسیلہ نہیں قرار دیتے جبتک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف سے کوئی سند اور وثیقہ اور دلیل و حجت موجود نہ ہو۔ اس لیے علامہ صاحب کا اہل السنت کو اور مشرکین عرب کو ایک فتوے سے نوازنا اور دونوں کو ایک جیسا مشرک قرار دینا سراسر ظلم و ستم اور تعدی و طغیان ہے اور آیات و احادیث کی بھی کھلی خلاف ورزی اور مخالفت ہے بلکہ حق یہ ہے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے منصبِ شفاعت عطا فرمایا ہے انہیں شفیع نہ ماننا کفر ہے اور جنہیں نہیں بنایا انہیں اپنے طور پر بلا دلیل محض شفیع فرض کر لینا حرام اور کفر اور پھر ان کی عبادت کرنا کفر بالائے کفر ہے۔

علامہ سرفراز صاحب کا اعتراف

اپنے حسینی المشرب پیر بھائیوں کی زبانی یہی دلیلیں ذکر کر کے علامہ صاحب نے جو جواب دیا ہے۔

اس سے علامہ صاحب نے اپنی تردید آپ کر دی ہے اور اپنے نظریات میں ناپختہ ہونے اور تضاد و تناقض کا شکار ہونے کا اظہار کر دیا ہے —

(منکرینِ سماع) کہتے ہیں اس آیتِ کریمہ سے عند القبور استشفاع اور علی الخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر مغفرت کی سفارش کرنا ممنوع ثابت ہو رہا ہے کیونکہ یہی صورت اس منہی عنہ حکم میں داخل ہے

الجواب: اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں ایک تو یہ کہا گیا ہے کہ اس سے بت (اصنام و اوثان) مراد ہیں جیسے کہ تفسیر خازن جلد ثالث صفحہ نمبر ۱۸۰ معالم التنزیل جلد ثالث صفحہ ۲۸۰ — تفسیر مظہری جلد ۵ صفحہ ۱۶ اور روح المعانی ص ۵۵ ج ۱۱

وغیرہ تفاسیر میں مذکور ہے۔ اس تفسیر پر تو قطعاً کوئی اعتراض اور اشکال وارد نہیں ہوتا۔ (سماع موتی ص۲۴۹)

مگر جب آپ کا دعوٰی ہی یہ ہے کہ اصنام و اوثان صرف ان انبیاء و رسل اور ملائکہ علیہم السلام اور اولیاء کرام کے لیے قبلۂ توجہ تھے حقیقی معبود و مسجود وہ تھے ہی نہیں اور کوئی باہوش انسان اینٹ پتھر وغیرہ کی پوجا کر کیسے سکتا ہے؟ تو جب یہ پتھر اور بے جان مجسمے ان کے معبود ہی نہیں تھے تو وہ شفیع کیسے ہو گئے کیونکہ وہ تو شفاعت کے لیے ہی عبادت کرتے تھے تو جو معبود ہوں گے انہیں کو شفیع بھی سمجھیں گے اور وہی تقرب الی اللہ اور وصول کا ذریعہ و وسیلہ بھی ہوں گے لہٰذا معبود اگر انبیاء و رسل اور ملائکہ و اولیاء تھے تو شفیع بھی وہی ہوتے اور ذریعہ تقرب بھی وہی ہوتے تو یہ جواب لغو اور باطل اور یہ تفاسیر بھی لغو اور باطل اور اگر تفاسیر صحیح ہیں تو پھر ان اصنام و اوثان کو صرف قبلۂ توجہ قرار دینا لغو اور باطل بلکہ یہ تسلیم کرنا لازم اور ضروری ٹھہرا کہ یہی اصنام و اوثان اور صور و تماثیل ہی ان کے آلہہ اور معبودات تھے۔

نوٹ: ہم قرآن مجید کی قطعی آیات سے اصنام و اوثان کا معبود ہونا قبل ازیں ثابت کر چکے ہیں لہٰذا یہ تفسیر فی الواقع برحق ہے اور اس آیت کریمہ سے انبیاء کرام اور اولیاء کرام مراد لینا قطعاً درست نہیں ہے۔

اصنام کو شفیع ماننے کے وجوہات اور پس منظر

علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

والظاهر ان المراد ههنا الاصنام لان العرب انما کانوا یعبدونها وکان اهل الطائف یعبدون اللات واهل مکۃ العزّٰی ومناۃ واساف و نائلۃ وھبل ۔ (روح المعانی جلد ۱۱ ص ۹۷)

اور یقینی بات یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں یعبدون من دون اللہ الآیۃ سے مراد اصنام و اوثان ہیں کیونکہ عرب انہیں کی عبادت کرتے تھے اور اہل الطائف "لات" کی عبادت کرتے تھے اور اہل مکہ عزّیٰ، مناۃ، اساف و نائلہ اور ھبل کی عبادت کیا کرتے تھے۔

اخرج بن ابی حاتم عن عکرمۃ قال لکان النضر بن الحارث یقول اذا کان یوم القیٰمہ شفعت لی اللات والعزّٰی وفیہ نزلت الآیۃ والظاہر ان سائر المشرکین کانوا یقولون ھٰذا القول۔

(روح المعانی ص ۹۷ ج ۱۱ وکذا فی الدر منثور)

ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نضر بن الحارث کہتا تھا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو لات و عزّیٰ میری شفاعت کریں گے اور اسی کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور جزمی اور حتمی امر یہ ہے کہ تمام کافر یہی قول کرتے تھے اور اسی عقیدہ کا اظہار کرتے تھے۔

نسبۃ الشفاعۃ الی الاصنام قیل باعتبار السببیۃ وذٰلك لانهم کما ھو المشهور وضعوها علٰی صور

رجال صالحین ذوی خطر عندهم و زعموا انهم متی اشتغلوا بعبادتها فان اولئك الرجال یشفعون لهم و قیل انهم کانوا یعتقدون ان المتولی لکل اقلیم روح معین من ارواح الافلاك فعینوا لذلك الروح صنما من الاصنام واشتغلوا بعبادتها قصداً الیٰ عبادة الکواکب وقیل غیر ذلك والحق ان من الاصنام ما وضع علی الوجه الاول ومنها ما وضع لکونها کالهیاکل للروحانیات ملخصاً

بتوں کی طرف شفاعت کی نسبت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

کہ یہ نسبت کی بنا پر ہے کیونکہ مشہور امر یہی ہے کہ انہوں نے اصنام و اوثان کو نیک اور اہل مرتبت لوگوں کی صورت پر بنایا تھا اور یہ باطل گمان کیا کہ جب ہم ان اصنام کی عبادت کریں گے اور اس میں مشغول رہیں گے تو وہ لوگ ہمارے لیے شفاعت کریں گے اور کہا گیا ہے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہر اقلیم کی تدبیر ارواح فلکیہ میں سے ایک معین روح کے ساتھ متعلق ہے لہٰذا انہوں نے ہر روح کے لیے صنم اور مخصوص ہیکل متعین کیا اور اس کی عبادت میں مصروف و مشغول ہو گئے ان ارواح اور کواکب کی عبادت کے قصد و ارادہ پر اور اس کے علاوہ بھی قول کیے گئے ہیں اور حق یہ ہے کہ بعض اصنام صالحین و متقین کے صور و اشکال پر تھے اور بعض کواکب اور روحانیات کے ہیاکل اور مظاہر کے طور پر بنائے گئے تھے۔

الغرض چونکہ ان اصنام کی عبادت کو وہ رجال صالحین اور کواکب و رُوحانیات کی شفاعت کا سبب سمجھتے تھے تو اس سببیت کے لحاظ سے ان اصنام و اوثان کو شفعا کہہ دیا گیا ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا مشرکین کے ساتھ مناظرہ و مکالمہ اور بُتوں کے ساتھ مکالمہ :

اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝

(سورہ صٰفّٰت آیت ۹۱ - ۹۲)

اور مشرکین کا قول :

مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ (سورہ انبیاء آیت ۵۹) اور قولِ باری تعالیٰ

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ط

(سورہ انبیاء آیت ۹۸)

اور پھر رجال صالحین کی بجائے ان اصنام و اوثان کا جہنم میں پھینکا جانا اس امر کی بیّن برہان اور واضح دلیل ہے کہ بالآخر ان کی نظر و فکر اور ایمان و عقیدہ اسی میں منحصر ہو گیا کہ یہی اصنام و اوثان ہی شفیع ہیں اور یہی معاون و مددگار ہیں لہٰذا صرف سببیت کے لحاظ سے یہ نسبت نہیں بلکہ حقیقت کے لحاظ سے ہے اسی لیے حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

نام نامِ اولیا. بود وحقیقت حقیقت شیطان -

حافظ عماد الدّین ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

قال بن عباس رضی اللہ عنہ کان بین اٰدم ونوح عشرۃ قرون کلھم علی الاسلام ثم وقع الاختلاف بین

الناس وعبدت الاصنام والانداد والاوثان فبعث الله الرسل بآیٰته وبینٰته وبحجه البالغة وبراهینه الدافعه

(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۲ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس قرون تھے جو سبھی اسلام پر تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور اصنام و انداد اور اوثان کی عبادت شروع کر لی گئی تب اللہ تعالیٰ نے رسل کرام علیہم السلام کو آیات اور معجزات کے ساتھ اور کامل دلائل اور فیصلہ کن براہین کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

اقول: جب معبود یہی اصنام اور اوثان ہیں تو شفیع بھی وہی ٹھہرے اور ذریعۂ تقرب بھی وہی تو ان کا اس امر میں رد کرتے ہوئے فرمایا:

ینکر تعالیٰ علی المشرکین الذین عبدوا مع اللہ غیرہ ظانین ان تلک الاٰلھة تنفعھم شفاعتھا عند اللہ فاخبر تعالیٰ انھا لا تضر ولا تنفع ولا تملک شیئًا

(سورہ آیت)

یعنی اللہ تعالیٰ انکار فرماتا ہے ان مشرکین پر جنہوں نے اللہ تعالےٰ کے ساتھ دوسروں کی عبادت کی یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ آلہہ ان کی شفاعت کر کے نفع پہنچائیں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ نہ ضرر دیں گے اور نہ ہی نفع اور نہ وہ کسی چیز کے مالک ہیں۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں:

بقول تعالیٰ :

ذکرہ ویعبد ھٰؤلاء المشرکون الذین وصفت لک یا محمد صفتھم من دون اللہ الذی لا یضرھم شیئاً ولا ینفعھم فی الدنیا ولا فی الاٰخرۃ وذٰلک ھو الاٰلھۃ والاصنام التی کانوا یعبدونھا ویقولون ھٰؤلاء شفعاء نا عند اللہ یعنی انھم کانوا یعبدونھا رجاء شفاعتھا عند اللہ ۔ (ص ۶۹ ع ۱۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ مشرکین جن کی حالت وکیفیت میں نے تمہارے سامنے بیان کر دی ہے یہ اللہ تعالےٰ کے علاوہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچا سکتیں اور نہ دُنیا و آخرت میں کسی قسم کا نفع ان کو دے سکتی ہیں اور وہ ہیں آلہہ واصنام جن کی پُوجا کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفیع ہیں یعنی وُہ ان کی عبادت ان کی شفاعت کی اُمید پر کیا کرتے تھے۔

علامہ نظام الدین نیشاپوری فرماتے ہیں :

یعبدون من دون اللہ ما لا یضرھم ان لم یعبدوہ ولا ینفعھم ان عبدوہ ومن حق المعبود ان یکون مثیبا معاقباً وفیہ اشعار بانھا جماد والمعبود لا بد ان یکون اکمل من العابد واذا کان المضار والمنافع کلھا من اللہ فلاتلیق العبادۃ الا لہ ویقولون

هٰؤُلاء شفعاءنا عند الله (الى) ثم بين ان عبادة الاصنام بدعة وان الناس يعنی العرب او البشر كلهم كانوا على الدين الحق فاختلفوا (الى) و المقصود ههنا تقبيح صورة الشرك و عبادة الاصنام من دون الله فی اعينهم و تنفير طباعهم عن مثل هٰذا الامر المستحدث الفظيع ۔

یعنی وُہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں کہ اگر عبادت نہ کریں تو ان کو ضرر نہیں دے سکتیں اور نہ نفع دے سکتی ہیں اگر عبادت کریں تو جبکہ معبُود کا حق یہ ہے کہ وُہ ثواب عطا کرنے والا اور عتاب فرمانے والا ہو اور اسمیں اس امر پر دلالت ہے کہ وُہ معبُودات جماد اور بے جان مجسمے ہیں جبکہ معبُود کے لیے ضروری ہے کہ وُہ اپنے عبادت گزاروں سے کامل تر ہو اور جب نقصانات اور منافع سبھی صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں تو عبادت بھی فقط اسی کے لیے زیبا ہے اور وُہ کہتے ہیں کہ یہ (جمادات اور اصنام) اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفیع ہیں (تا) پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا، کہ بُت پرستی بدعت ہے اور پہلے لوگ یعنی عرب فقط یا تمام بنی نوع انسان صرف دینِ حق پر تھے پس باہم مختلف ہوگئے (تا) اور یہاں پر مقصود شرک اور عبادت اصنام کی بُرائی اور قباحت بیان کرنا ہے ان کی نظروں میں اور ان کی طبیعتوں کو نفرت دلانا مقصود ہے اس نئے حادث و بدعت اور رسوا کن امر سے

(صفحہ ۹۶ جلد ۱۰)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں :

یعنی الاصنام فانہا جمادات لا تقدر علی نفع ولا ضرر والمعبود ینبغی ان یکون مثیبا ومعاقبا حتی یعود عبادتہ بجلب نفع او دفع ضرر ویقولون ہؤلاء الاصنام شفعاءنا عند اللہ یشفع لنا فیما یہمنا من امور الدنیا وفی الاخرۃ ان یکن بعث۔ (ص۱۹ ج۵)

قولِ باری تعالیٰ یعبدون من دون اللہ سے مراد اصنام ہیں کیونکہ وُہ جمادات ہیں نفع رسانی یا ضرر رسانی پر قادر نہیں ہیں حالانکہ معبُود کے لیے زیبا اور شایانِ شان یہ ہے کہ ثواب دینے والا اور عتاب کرنے والا ہوتا کہ اس کی عبادت کا ثمر نفع کا حصُول یا ضرر کی دُوری بن جائے اور وُہ کہتے ہیں کہ یہ بُت ہمارے شفیع ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے اہم دنیوی امور میں ہماری شفاعت کریں گے اور آخرت میں بھی اگر قیامت قائم ہُوئی تو۔

الغرض مفسّرین کرام اور علماء اعلام نے اس آیتِ کریمہ کا مصداق اصنام و اوثان کو بنایا ہے اور وُہ مصروف بھی انہیں کی پُوجا میں تھے اگرچہ انبیاء و اولیاء کا نام ان پر اطلاق کر رکھا تھا یا کواکب و رُوحانیات کیلئے ان کو ہیاکل اور مظاہر قرار دے رکھا تھا اور بقول علامہ سرفراز صاحب کے اس تفسیر پر کوئی اشکال و اعتراض بھی لازم نہیں آتا تو پھر اس سے عدول کی ضرورت کیا ہے۔ اگر ہماری مخالفت مقصُود ہُوئی تو اس مضمون کی آیات کا مصداق فقط انبیاء و اولیاء اور ملائکہ کو بنا لیا اور کہہ دیا کہ کوئی باہوش ان کفار و مشرکین

کے متعلق یہ باور ہی نہیں کر سکتا کہ وہ پتھر وغیرہ کو پوجیں اور جب سماعِ موتی کے منکرین سے بحث و نزاع ہو تو کہہ دیا اس کا مصداق اصنام و اوثان ہیں۔ آخر اس دوعملی اور دوغلی پالیسی کا فائدہ کیا؟ اور اپنے آپکو نشانۂ تضحیک واستہزاء بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

مشرکین کا عقیدۂ شفاعت

علامہ صاحب نے مشرکین کے بارے میں یہ تاثر دیا کہ وہ بھی اپنے معبودات کو نہ مستقل سمجھتے تھے اور نہ ہی ان کو خدا سمجھتے تھے بلکہ ان کو خدا تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے کام اور ہماری حاجتیں خدا تعالیٰ کے پاس پیش کرتے ہیں اور ہماری سفارشیں کرتے ہیں لیکن اللہ تعالےٰ نے اس ما فوق الاسباب سفارش (غائبانہ) کو بھی شرک کہا۔ لیکن علامہ صاحب نے یہاں بھی دھوکہ دہی سے کام لیا ہے۔

ا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کفّار کا نظریہ ہی یہ تھا کہ وہ اکیلا اتنی بڑی کائنات کا نظام نہیں چلا سکتا تو پھر اس کے ساتھ معاون و مددگار اور ہاتھ بٹانے والوں کا اعتبار کرنا لازم اور ضروری ٹھہرا اسی لیے انہوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا انکار کر دیا تھا اور کہا:

اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝

(سورہ صٓ آیت ۵)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابُوالشیخ روایت کردہ اند کہ چوں آیتِ کریمہ والٰھکم اللہ واحد در مدینہ نازل شد کافرانِ مکہ ایں را شنیدہ خیلے تعجب کردند گفتند ۔

کیف یسع النّاس اللہ واحد وان محمّدًا یقول الٰھکم اللہ واحد فلیاتنا بأیة ان کان من الصّٰدقین

(منثور ج ۱)

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابُوالشیخ نے روایت کیا ہے کہ آیتِ کریمہ الٰھکم اللہ واحد مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تو کفّارِ مکہ نے سُن کر بہت تعجب کیا اور کہا تمام لوگوں کو ایک الٰہ کیونکر کفایت کر سکتا ہے اور محمّد (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کہتے ہیں کہ تمہارا الٰہ صرف ایک ہے تو ہمارے سامنے اس پر کوئی دلیل پیش کریں ۔

الغرض جب کفّارِ مکہ نے اپنے معبُودات کو اللّٰہ تعالیٰ کے معاون و مددگار سمجھ رکھا تھا اور اللّٰہ تعالیٰ کو ان کا محتاج سمجھا ہُوا تھا تو اندریں صورت یہ شفاعت بطورِ دُعا اور سفارش کیونکر متصوّر ہو سکتی ہے تو لامحالہ یہ شفاعت بالجبر اور شفاعت بالقہر ہوگی جس کو کوئی اہلِ اسلام بالعموم اور اہل السنّت بالخصوص تسلیم نہ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں تو اس آیتِ کریمہ کو ہمارے خلاف پیش کرنے کا قطعاً کوئی جواز نہ رہا ۔

۲ ۔ علاوہ ازیں اللّٰہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس دعوے کا رَد فرمایا ہے تو اس میں شفاعت بالاذن کا ذکر تو فرمایا ہے قریب اور بعید، غائبانہ اور

شاہانہ کا تعرقہ نہیں فرمایا، قال تعالیٰ:

۱- مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط

(سورہ بقرہ آیت ۲۵۵)

کون ہے جو اس کے ہاں شفاعت کرے مگر اس کی اجازت سے۔

قال تعالیٰ:

۲- مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِہٖ ط (سورہ یونس آیت ۳)

۳- یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ

(سورہ طٰہٰ آیت ۱۰۹)

وغیر ذلک من الآیات۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل علیہم السلام کی شفاعت بالدعاء والالتجاء کی نفی نہیں فرمائی بلکہ جبر و قہر اور دھونس و دھاندلی والی شفاعت کی نفی فرمائی اور اپنی شان جبر و قہر اور جلال و کمال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

۴- یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا ڱ لَّا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ○ (سورہ نبا آیت ۳۸)

یعنی اس دن روح الامین اور تمام ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے کلام ہی نہ کر سکیں گے مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور اس کی بات کو پسند کریگا۔

لہٰذا ان آیاتِ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ صرف شفاعت بالاذن پائی جاتے گی دُوسری کوئی شفاعت نہیں پائی جائے گی تو دُوسری شفاعت وہی جبری

اور ٹھہری ہے کہ وُہ معبُودات باطلہ تعاون اور امداد ترک کرنے کی دھمکی دے کر اپنی من مانی کارروائی کرالیں اور اللّٰہ تعالیٰ ان کے سامنے مجبور ہو کر انکی بات مان لے جس کی نفی ولا ھم ینصرون فرما کر بھی کی ہے کہ ان کا کوئی ناصر و مددگار نہیں ہوگا۔

۳۔ کفار و مشرکین قیامِ قیامت کے قائل ہی نہیں تھے بلکہ ان کا دعویٰ ہی یہی تھا

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا (سورہ المؤمنون آیت ۳۷)

بس یہ دنیوی زندگی ہے اور اسی میں زندہ رہیں گے پھر مریں گے۔

وُہ قیامت کے قیام اور حشر و نشر کے انکار پر مُصر تھے اور :

مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ○ (سورہ یٰس آیت ۷۸)

کی رٹ لگائے رکھتے تھے کہ کون ان گلی سڑی ہڈیوں کو زندہ کرے گا تو اندریں صورت روزِ قیامت کی شفاعت تو صرف بطورِ احتمال مُراد ہوگی یعنی بالفرض اگر قیامت قائم ہوئی جیسے تمہارا دعویٰ ہے تو ہمارے یہ معبود وہاں بھی ہماری سفارش کریں گے لیکن دراصل شفاعت دنیوی امور کی مُراد تھی اور اس میں انکا اللّٰہ تعالیٰ کو مجبور و مضطر ماننا پہلے بیان کیا جاچکا ہے تو یہاں پر شفاعت اسی معنیٰ میں ہوگی جس کے تحت انہوں نے ان کی عبادت شروع کی تھی۔ یعنی قبل ازیں ذکر کیا جاچکا ہے کہ عمر بن لحی جب شام کی طرف گیا اور انہیں بُت پُوجتے دیکھا تو دریافت کیا یہ کیسی مُورتیاں ہیں اور ان کی پُوجا پاٹ کس لیے کرتے ہو تو انہوں نے مختلف کام ان کے گنوائے تو اس نے ایک بُت (ہبل) ان سے مستعار لیا اور یہاں آکر اس کی پُوجا شروع کرائی اور اس سے بارشیں اور

نصرت و فتح وغیرہ حاصل کرنے کے لیے اس کی پوجا کرتے تھے نہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں بلکہ اس لیے کہ عبادت سے خوش ہو کر خود بارش دیں، جس طرح کہ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ العزیز کے حوالے سے عرض کیا جاچکا ہے کہ برہمن نے جو کہا ہے کہ جس طرح اہلِ قبور دُعا کے ذریعے تمہاری حاجت کرتے ہیں اسی طرح ہمارے بُت بھی ہماری شفاعت کرکے حاجت برلاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

"دریں کلام ہم دغل و تلبیس ہست زیرا کہ بُت پرستاں ہرگز شفاعت نمی خواہند بلکہ معنیٰ شفاعت را نمی دانند و نہ در دل خود تصور کنند۔"

یعنی برہمن کے اس کلام میں مکر و فریب کاری ہے کیونکہ بُت پرست ہرگز اپنے بُتوں سے شفاعت نہیں چاہتے، بلکہ شفاعت کا معنیٰ بھی نہیں جانتے اور نہ اپنے دل میں اس کا تصور ہی کرتے ہیں کیونکہ شفاعت کا معنیٰ ہے سفارش اور سفارش کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کسی کا مدعا و مقصود دوسرے شخص سے عرض کرکے پورا کرا دے جبکہ بُت پرست اپنے معبودات سے اپنے مطالب و مقاصد کی درخواست کرتے وقت نہ اس امر کا تصور کرتے ہیں اور نہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں سفارش کرو اور ہمارے مطالب اللہ تعالیٰ سے پورے کرادو۔ (فتاویٰ عزیزیہ جلد دوم ص۱۰۸)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس کلام سے واضح ہو گیا کہ مشرک اس شفاعت کا تصور ہی نہیں رکھتے تھے جو اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے اور اس کو انبیاء و اولیاء کے حق میں تسلیم کرتے ہیں بلکہ وہ جبری اور قہری شفاعت کے

قائل تھے اندریں صورت محلِ نزاع سے اس کا تعلق ہی نہیں ہے۔ ورنہ لازم آئیگا کہ حضرت شاہ صاحب کو اس آیتِ کریمہ کا ہی علم نہیں تھا اور یا انہوں نے قرآن میں تحریف کی ہے۔ العیاذ باللہ۔

۳۔ شفاعت بالاذن کا وقوع قیامت میں تو علماءِ دیوبند بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور اگر مشرکین کی مراد بھی یہی روزِ قیامت والی شفاعت تھی تو پھر تینوں فریق یکساں ہو گئے پھر صرف اہل السنت کو الزام دینے کا کیا مطلب؟

۴۔ شفاعت فوق الاسباب غائبانہ کی پھر تب صحیح ہو گی جب وہ غائب اور دُور دراز مکان میں موجود شفعاء کو پکارتے اور ان سے التجا کرتے وہ تو غائب خدا کی پوجا کرنا گوارا نہیں کرتے تھے غائب شفعاء کی عبادت کیوں کر سکتے تھے اور خود آیتِ کریمہ میں اسم اشارہ قریب هٰؤُلَاءِ شفعاء نا عنداللہ اس پر دلیلِ ناطق اور شاہدِ صادق ہے تو اسکو غائبانہ اور فوق الاسباب کیسے فرض کر لیا گیا وہ تو ان کے پاس جا کر ان کے سامنے سربسجود ہو کر ان سے اپنے مطالب کو پورا کرنے کی استدعا کرتے تھے تو پھر نیلوی صاحب کی بات مان لو کہ قریب سے بھی کوئی نہیں سنتا اور نہ ہی کوئی شفاعت کر سکتا ہے، اور قریب سے ہی شفاعت کے لیے عرض کرنا غیر اللہ کی عبادت شمار ہوتا ہے اور شرک بن جاتا ہے کیونکہ بت پرست تو بہر حال غائبانہ وغیرہ کو نہ جانتے تھے اور نہ اس کا قصد کرتے تھے اور نہ اس پر کوئی قرینہ موجود بلکہ اسم اشارہ قریب اس توہم کا ازالہ کر رہا ہے اور اسے بیخ و بن سے اکھیڑ رہا ہے۔

۵ - بالفرض والتقدیر اگر اصنام واوثان کے شفیع ماننے سے قطع نظر کریں اور انبیاء و اولیاء کے حق میں ان کا یہ اعلان تسلیم کریں تو پھر بھی ہمارے مذہب پر اس سے اعتراض کرنا ہرگز درست نہیں ہوگا کیونکہ یہاں شفاعت کے حصول کا ذریعہ عبادت کو قرار دیا گیا ہے جبکہ مقبولانِ بارگاہِ قدس لامحالہ اس پر اُلٹا ناراض اور غضبناک ہوں گے تو اگر یہ لوگ اس غلط روش کی وجہ سے شفاعت سے محروم رہیں اور ان کے لیے کوئی نبی اور ولی اور فرشتہ شفاعت نہ کرے تو اس سے جائز طریقے پر شفاعت طلب کرنے والوں اور جائز شفاعت کا عقیدہ رکھنے والوں پر ردو قدح اور تنقید و انکار کا کیا جواز ہے؟

۶ - اصنام و اوثان کو نہ سلام کرنا جائز نہ کسی طرح ان کا ادب احترام جائز ورنہ ان کی اتباع و اطاعت چہ جائیکہ عبادت کی جائے۔ جبکہ انبیاء و رسل اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کا ادب و احترام اور تعظیم و توقیر لازم اور انکی اتّباع اور اطاعت لازم اور تعظیم و تکریم اور اتّباع و اطاعت اللہ تعالیٰ کے ہاں قربت و وصل کا ذریعہ ہے اور ایمان و ایقانِ کامل کی ضمانت ہے۔

کما قال تعالیٰ:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○

(سورۃ الحج آیت ۳۲)

جو اللہ تعالیٰ کے شعائر اور نشاناتِ عظمت کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے اخلاص اور تقویٰ سے ہے۔ اور فرمان باری ہے کہ مجھ سے ان کی راہ پر گامزن

ہونے کی توفیق طلب کرو۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

(سورہ فاتحہ آیت ۴)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

(سورہ نساء آیت ۶۴)

ہم نے ہر رسول صرف اس لیے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے اذن وامر سے اس کی اطاعت کی جائے۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (سورہ نساء آیت ۸۰)

اور جس نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی تو اس نے فقط اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

اور ارشادِ ایزدی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(سورہ آلِ عمران آیت ۳۱)

فرما دیجیے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے سارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا دائمی رحمت والا ہے۔

لہٰذا اصنام و اوثان کی عبادت کر کے اور اللہ تعالیٰ کا حق ان کو دے کر اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کے حقدار اگر شفاعت کے عقیدہ میں غلطی پر ہیں تو انبیاء و رسل علیہم السلام پر ایمان لانے والے اور ان کی اطاعت و اتباع کرنے والے اس عقیدہ و نظریہ میں غلطی پر کیونکر ہو سکتے ہیں؟

نبیِ مکرّم علیہ السلام کی شفاعت کا برحق عقیدہ

حقیقت یہ ہے کہ رسولِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا وعدہ کر رکھا ہے اور ان کو راضی کرنے کا بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہماری دنیوی زندگی میں سرزد ہو جانے والی کوتاہیوں کے لیے خود بخود سفارش فرماتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان کو یہی حکم ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (سورہ اسراء آیت ۷۹)

آپ تہجد کی نماز پڑھیں جو آپ کے لیے زائد ہے (پانچ نمازوں سے) قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود تک پہنچائے اور مقامِ محمود شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے اور عرش کی دائیں جانب رکھی جانے والی کرسی جس پر آپ کو بٹھا کر محشر والوں کی شفاعت کا اعزاز بخشا جائے گا اور سب کو آپ کا محتاج کرم اور طالبِ نگاہِ لطف بنا دیا جائے گا۔ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں:

ثم اقوم عن یمین العرش مقاما یغبطنی فیہ

الاوّلون والاٰخرون ۔

اللّٰہ تعالیٰ کے حضور اذنِ شفاعت لینے کے لیے سجدہ ریز ہونے کے بعد میں عرش کی جانب اس مقام پر کھڑا ہونگا کہ سب اوّلین و آخرین اس مقام میں مجھے رشک کی نظروں سے دیکھیں گے ۔ اور سجدہ سے اُٹھنے کا حکم دیتے وقت اللّٰہ تعالیٰ یوں فرمائے گا :

یا محمّد ارفع راسك قل تسمع، سل تعط واشفع تشفع (مشکوٰۃ باب شفاعت)

اے قابلِ ستائش ذات سجدہ سے سر اُٹھائیے جو کہو سنا جائے گا، جو مانگو دیا جائے گا، اور جس کی شفاعت کروگے قبول کی جائے گی۔

اور سیدِ عالم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں :

انا اوّل شافع واوّل مشفع ۔

میں ہی سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی۔

۲۔ اللّٰہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے :

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىؕ (سورہ ضحیٰ آیت ۵)

اور البتہ ضرور عطا کرے گا تمہیں تمہارا رب پس تم راضی ہو جاؤ گے۔

حافظ عماد الدین ابنِ کثیر رحمہ اللّٰہ فرماتے ہیں :

ای فی الدار الاٰخرۃ یعطیہ حتّٰی یرضیہ فی امّتہ وفیما اعدہ لہٗ من الکرامۃ ۔ (ص۵۲۲ ج۴)

یعنی دارِ آخرت میں عطا فرمائے گا یہاں تک کہ آپ کو اُمت کے بارے میں بھی راضی کرے گا اور جو انعام و اکرام اور فوقیت و فضیلت کے اسباب آپ کے لیے تیار کر رکھے ہیں ان میں بھی راضی کرے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس رضا کے متعلق یوں منقول ہے:

لا یرضیٰ محمد ﷺ وَاحدٌ من امته فی النار۔

اور دُوسری روایت میں یوں ہے:

من رضا محمد ﷺ ان لا یدخل احد من اهل بیته النار

اور تیسری روایت میں یوں ہے:

رضاه ان تدخل امته الجنة کلهم۔

(درمنثور صـ۳۶۱ ج ۶)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس فرمان کی تلاوت کی۔

من تبعنی فانه منی

اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت فرمائی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ (سورہ مائدہ آیت ۱۱۸)

پھر ہاتھ اُٹھائے اور عرض کیا اے اللہ میری اُمت کی مغفرت فرما، میری اُمت کی مغفرت فرما، اور رونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا جبرئیل اذهب الیٰ محمد ﷺ فقل انا سنرضیك فی امتك ولا نسوءك۔

(صـ۳۶۱ ج ۶)

اے جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ اور کہو ہم تمہیں ضرور بالضرور اُمت کے بارے میں راضی کریں گے اور پریشان اور بے چین نہیں کریں گے اور حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اشفع لامتی حتّٰی ینا دینی ربّی ارضیت یا محمّد

فاقول نعم یاربّ۔

مَیں اپنی اُمت کے لیے شفاعت کروں گا حتّٰی کہ مجھے رَبِ کریم پکار کر فرمائے گا اے محمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کیا تم راضی ہوگئے ہو تو میں عرض کروں گا ہاں اے میرے رَب ۔ (ص ۳۶۱ ج ۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ

(سورہ محمّد آیت ۱۹)

اے محبُوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔

اور کِسی کے لیے مغفرت طلب کرنا بھی شفاعت ہی ہے۔ تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا اور اگر آپ کی یہ شفاعت قبول نہیں کرنی تھی تو حکم ہی کیوں دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس فرمانِ خُداوند تعالےٰ پر صرف دُنیا میں ہی عمل نہیں کیا بلکہ قبرِ انور میں بھی اس پر عمل پیرا ہیں چنانچہ ارشادِ نبوی ہے :

حیاتی خیرلکم و مماتی خیرلکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم۔

(اخرج الحارث فی عندہ وابن سعد والقاضی عن بکر بن عبداللہ المزنی واخرج البزار بسند صحیح عن ابن مسعود شلہ، خصائص کبریٰ ص۲۸۱ ج۲ الوفا ص۸۰۹ ص۸۱۰۔

میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر اور بھلائی پر مشتمل ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوتے رہیں گے جو اچھا عمل دیکھوں گا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لاؤں گا اور بُرا عمل دیکھوں گا تو تمہارے لیے استغفار کروں گا۔ (مواہب مع زرقانی ص۳۳۷ ج۵)

اور قیامت کے دن بھی اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے اُمّت کے لیے شفاعت فرمائیں گے اور آپ ہر ہر اُمتی کو اپنی شفاعت کے ذریعے نجات دلائیں گے اور جنّت کے ابدی راحت والے مقام میں پہنچائیں گے۔ تو اندریں صورت ہم کیوں یہ عقیدہ نہ رکھیں کہ سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہمارے شفیع ہیں۔

اور احادیثِ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مطابق اولیاء کرام علماءِ کرام شہداءِ کرام، حفّاظ کرام حتّٰی کہ کچے گر جانے والے بچّوں کے لیے بھی شفاعت ثابت ہے تو اس کا عقیدہ کیوں نہ رکھیں؟ نابالغ بچّوں اور بچیوں کے جنازے میں ان کے حق یہ دُعائیں کرتے ہیں کہ انہیں ہمارا شفیع بنا، اگر یہ عقیدہ ہی شرک ہے تو پھر شرک کی طلب اور خواہش رکھنے والے اور اس کی دُعا والتجا کرنے والے

تو پکے مشرک ہونے چاہئیں اور جنازے کی دعاؤں میں تو دیوبندی اور بریلوی میں کوئی فرق نہیں تو سبھی علماء، دیوبند اور عوام بھی مشرک ٹھہرے اور اگر اپنے نطفے سے پیدا ہو کر مرجانے والے نادان بچوں کی شفاعت کا اعتقاد شرک و کفر نہیں اور یقیناً نہیں تو باعثِ ایجادِ کائنات اور افضل الخلائق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا عقیدہ کیونکر شرک ہو سکتا ہے؟

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"اہل ملت اجماع دارند برآنکہ فی الجملہ شفاعت واقع شدنی ست معتزلہ درحق غیر صاحب کبیرہ شفاعت جائز دارند واہل السنت درحق صاحب کبیرہ نیز آرے کافر راہیچکس قابل شفاعت نمی دارد"۔ (صـ ۲۲۲ ج ۱)

ملتِ اسلامیہ کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ شفاعت فی الجملہ پائی جانی ضروری ہے البتہ معتزلہ کبائر کے مرتکب لوگوں کے ماسوا کے لیے شفاعت ثابت کرتے ہیں (صاحب کبیرہ کے لیے ثابت نہیں کرتے) جبکہ اہل السنت اہلِ صغائر اور اہلِ کبائر سبھی کے حق میں شفاعت کے قائل ہیں۔ ہاں کافر کے قابلِ شفاعت ہونے کا کوئی شخص قائل نہیں ہے۔

۴۔ الغرض اس مبحث کو کتبِ عقائد میں آیات و احادیث کے ساتھ مدلل اور مبرہن انداز میں بیان کیا جا چکا ہے اور کتبِ تفاسیر اور احادیث و شروح احادیث اس کی تفصیلات سے بھرپور ہیں تو ہم اس کا عقیدہ کیوں نہ رکھیں؟ بلکہ بحیثیت مسلمان ہونے کے سب پر یہ اعتقاد لازم ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○

(سورۃ النسآء آیت ۶۴)

اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم و تعدی کریں پس تمہاری بارگاہ میں حاضر ہوں پھر اللّٰہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور رسولِ محتشم (صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم) بھی ان کے لیے مغفرت طلب کریں تو ضرور اللّٰہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا انعام عطا کرنے والا پائیں گے۔

گناہوں کی معافی بندوں نے مانگنی ہے اور گناہ معاف اللّٰہ تعالےٰ نے کرنے ہیں لیکن یقینی بخشش اور فوری طور پر اس کے حصول بلکہ مزید انعام و اکرام کے حصول کے لیے ان کو درِ مصطفےٰ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم دکھلایا اور وہ بھی خود اللّٰہ تبارک وتعالیٰ نے اندریں صورت آپ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شفاعت سے سرتابی کی مسلمانوں کے لیے کیا مجال ہو سکتی ہے؟

نیز اس آیتِ کریمہ میں ظاہری حیاتِ طیبہ کی کوئی قید نہیں ہے اور حدیثِ رسول صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم ذکر کی جا چکی ہے کہ ہمارے بُرے اعمال پیش ہونے پر سیدِ عالم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم خود بخود بخشش کی دعا فرماتے ہیں تو آپ کی بارگاہ میں عرض کرنے پر وہ کریم مزید کرم نوازی اور رحمتِ عامہ کا ملہ کا اظہار فرما دیں گے اور اس پر اُمّت کا اجماع بھی ہے اسی لیے روضۂ اقدس پر حاضری کے وقت مغفرت و بخشش اور سفارش و شفاعت کے لیے عرض کرنے کا حکم ہے اور اعرابی نے خیر القرون میں بارگاہِ رسالتماب صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم

میں حاضر ہو کر رسمی توسّل اور شفاعت کی درخواست کی تو اس کو کسی صحابی اور تابعی نے منع نہیں کیا بلکہ خود رسُولِ معظّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے عتبیٰ کو اسے یہ بشارت دینے کے لیے حکم دیا کہ مطمئن ہو جا تیری مغفرت و بخشش کا سامان ہو گیا ہے۔

حافظ عماد الدّین ابنِ کثیر فرماتے ہیں :

وقد ذكر جماعة منهم الشيخ أبُو منصور الصباغ فى كتابه الشامل الحكاية المشهورة عن العتبى (الىٰ) فغلبتنى عينى فرءيت النبى صَلَّى اللّٰه عليه وسلّم فى النوم فقال الحق الاعرابي فبشره ان اللّٰه قد غفر له ۔

(صفحہ نمبر ۵۱۹ ج ۱)

لہٰذا اہل السنّت کو کافروں والی آیات کا مصداق بنانا اور انبیاء اور اولیا کو اصنام و اوثان والی آیات کا مصداق بنانا سراسر ظلم و تعدی ہے اور اپنے بد ترین مخلوق ہونے کا اعلیٰ ترین ثبوت مہیا کرنا ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خارجیوں کو اسی لیے بد ترین مخلوق سمجھتے تھے کہ :

انهم انطلقوا الى آيٰت نزلت فى الكفار فجعلوها على المؤمنين ۔ (بخاری شریف باب الخوارج)

انہوں نے کفّار کے حق میں نازل آیات کو مومنین پر چسپاں کر دیا ہے۔

رہا دُور دراز سے پکارنے کا معاملہ تو اس کی بحث آخر میں ذکر ہو گی اور فوق الاسباب اور تحت الاسباب کے فرق کی نوعیت پہلے جلد اوّل صفحہ ۴۸ پر بیان ہو چکی ہے۔

فائدہ: کفار نے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے اوثان واصنام کو شفیع مانا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس منصب کے مالک نہیں ہیں توان کا یہ دعویٰ گویا اللہ تعالیٰ کو غیر معلوم چیز کی اطلاع دینے اور باخبر کرنے کے مترادف تھا اس لیے فرمایا:

قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ

(سورہ یونس آیت ۱۸)

فرما دیجیے کیا تم اللہ تعالیٰ کو خبر دیتے ہو آسمانوں اور زمین میں موجود شے کی جو وہ نہیں جانتا؟

کیونکہ اس کا علم واقع اور حقیقت کے مطابق ہے تو جو شفیع ہیں وہ بھی اسے معلوم اور جو شفیع نہیں ہیں وہ بھی اس کو معلوم توان کے بارے میں شفیع ہونے کا اثبات گویا نامعلوم چیز کا بتلانا ٹھہرا اور یہ باطل ہے اس عالم الغیب والشہادۃ اور علیم بکل شیٔ کے حق میں توان کو شفیع ماننا بھی باطل ہوا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے آخر میں سُبحانہٗ وتعالیٰ عمّا یشرکون فرمایا تو اپنا عبادت کے استحقاق میں تفرد بیان کرنے کے لیے اور کسی کی طرف تدبیر کائنات میں افتقار و احتیاج سے بالاتر ہونے کے لحاظ سے فرمایا ہے نہ اس وجہ سے جو علامہ سرفراز صاحب نے اختراع کی ہے یعنی غائبانہ شفاعت کے لیے ندا و پکار اور استغاثہ وفریاد کیونکہ ان کا اعتقادِ شفاعت ہر حال میں شرک ہے نہ کہ صرف غائبانہ ہونے کی وجہ سے۔ کیا کوئی بتوں کو قریب سے پکارے تو جائز ہے؟ کیا ان کے عابد کرائے تو شریعت مطہرہ اس کو مومن کہے گی؟ کیا وہ قریب سے

اوثان و اصنام کو اللہ تعالیٰ کے معاون و مددگار مانیں اور اس طرح دنیوی امور میں ان سے یہ پجاری لوگ استمداد کریں تو ایسے عقیدہ والوں کو کوئی شرک سے بری سمجھ سکتا ہے! لہٰذا دُور دراز اور غائبانہ کی پکھ یہاں پر سراسر لغو اور بے جواز ہے۔

گلدستۂ توحید

فائدہ: کہیں آپ کو یہ غلط فہمی نہ واقع ہو جائے کہ ان دونو آیتوں میں تو عبادت کا لفظ موجود ہے پکارنے کا تو نہیں لیکن یہ وہم بالکل بیجا ہوگا کیونکہ دعا اور پکارنا خود عبادت ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ

(سورہ مومن آیت ۶۰)

اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو بیشک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری پکار سے وہ عنقریب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دعا اور پکارنے کو عبادت قرار دیا ہے اور جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدعاء هو العبادة ثم قرء قال ربكم ادعونی استجب لكم

الآیہ ترمذی ص ۱۷۳ ج ۲ و ابو داؤد ص ۲۰۸ ج ۱ و ابن ماجہ ص ۲۸۰ وغیرہ۔

پکارنا عبادت ہے پھر آپ نے قرآنِ کریم کی یہی آیت مبارکہ اس پر بطور استشہاد پڑھی کہ پکارنا عبادت ہے۔

بلکہ ایک حدیث میں آتا ہے:

لیس شیئ علی اللہ اکرم من الدعاء۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پکارنے سے بڑھ کر پیاری اور عزیز چیز نہیں ہے۔

اور ایک روایت میں ہے:

اشرف العبادۃ الدعاء۔

تمام عبادتوں سے اشرف اور اعلیٰ عبادت دعا ہے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے:

الدعاء سلاح المؤمن وعماد الدین۔

دعا مومن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون اور اس کی جڑ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

افضل العبادۃ ھو الدعاء۔

ایک اور جگہ ارشاد نبوی ہے:

من لا یدعوا اللہ یغضب علیہ

جو شخص اللہ تعالیٰ کو نہیں پکارتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

آپ پڑھ چکے کہ دعا (پکارنا) عبادت ہے اور مخ العبادت بھی ہے اور اشرف و افضل عبادت بھی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا اور پکارنے سے بڑھ کر کوئی اور مقبول اور عزیز عبادت نہیں ہے مگر کہنے والے کہتے ہیں کہ

خواندن اور ندار نمودن شرک نہیں ہے تعجب اور حیرت ہے ان کی دیانت پر۔

(صفحہ نمبر ۱۲۲ تا صفحہ ۱۲۴)

گلشنِ توحید و رسالت

باطل دعویٰ پر استدلال میں خود اپنی تردید

۱۔ دُعا عبادت اور مغزِ عبادت اور افضل و اشرف عبادت کس وقت ہے اس کے متعلق علّامہ صاحب نے فوق الاسباب اور غائبانہ کی پچر لگا رکھی ہے، حالانکہ ان کی پیش کردہ آیت اور اس کی نبوی تفسیر اور جملہ احادیث و روایات مطلق ہیں اور قرآنِ مجید کے عموم و اطلاق کی تخصیص و تقیید اس کو منسوخ ٹھہرانے کے مترادف ہے تو علّامہ صاحب کو اس تخصیص و تقیید کا اختیار کہاں سے مل گیا؟

۲۔ نیز غیر اللہ کی غائبانہ دُعا و ندار کو شرک کیوں قرار دیا اس لیے کہ اس میں عالم الغیب اور حاضر و ناظر کا عقیدہ غیر اللہ کے حق میں پایا جاتا ہے تو اس طرح شرک بقول ان کے دُعا و ندار نہ ٹھہری بلکہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد کسی غیر اللہ کے حق میں شرک ٹھہرا۔ تو کتنے تعجب کی بات ہے کہ ثابت تو کرنا تھا کہ غیر اللہ کی دُعا و پکار اس کی عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی شرک ہے لیکن نتیجہ یہ نکالا گیا کہ غیر اللہ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر ماننا شرک ہے

۳۔ مولانا صاحب اگر اپنی دیانت و امانت پر قائم ہیں تو انہیں آیت کریمہ اور احادیث و آثار کو اپنے اطلاق پر رکھ کر مطلق دُعا کے شرک ہونے کا فتویٰ صادر

کرنا چاہیے تاکہ سارے جہاں کے موجودہ اور اگلے پچھلے تمام مسلمانوں کو مشرک بنا کر ابلیس سے کامل دادِ تحسین وصول کر سکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد

اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ۔ (سورہ حج آیت ۲۷)

کی تعمیل کرتے ہوئے سب انسانوں کو ندا دی اور پکار کر کہا

ایھا الناس حجّوا بیت ربکم

اے لوگو اللہ تعالیٰ کے گھر کی حج کرو

خواہ سینکڑوں ہزاروں میل دور تھے یا آباؤ اجداد اور امہات و جدات کے اصلاب و ارحام میں تھے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم

ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۶۰)

کے تحت مذبوحہ اور ٹکڑے کیے ہوئے پرندوں کے اجزاء ادھر ادھر پہاڑوں پر پھینکنے کے بعد ان کو پکارا اور کہا تعالین باذن اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے امر سے میرے پاس آجاؤ۔ پہلی نداء بھی غائبانہ اور فوق الاسباب اور دوسری بھی فوق الاسباب اور غائبانہ لیکن حکم اس کا اللہ تعالیٰ نے دیا جو کفر و شرک کا حکم دینے سے پاک اور عمل اس پر حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے کیا جو معصوم اور کفر و شرک اور کبائر وغیرہ سے بھی معصوم اور اوّلین بت شکن اور شرک دشمن نبی ہیں جنہوں نے شرک کی مخالفت میں آگ میں ڈالا جانا بھی گوارا کر لیا۔

۴۔ نیز اہلِ قبور کو خطاب و نداء کی صورت میں سلام دینے کا حکم ہے خواہ

ان کے اجسام گل سڑ چکے ہوں اور اجزاء بدن مٹی سے مل چکے ہوں۔ نماز میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور انشاء سلام پیش کرنے کا حکم ہے اور اس میں نداء و پکار ہے :

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهٗ

تو اس طرح اہلِ قبور کو سلام دینے والوں پر اور ارواح کے اعلیٰ علیین میں ہونے کے باوجود نداء و پکار سُن لینے کا عقیدہ بھی غائبانہ نداء و پکار ہونے کی وجہ سے شرک ہونا چاہیے اور اس قدر طویل مسافت کے باوجود رسولِ معظم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نداء و پکار بھی شرک ہونی چاہیے[1] بنعوذ باللہ تعالیٰ

۵ - اگر یہ استدلال صحیح ہے تو قریب وبعید، تحت الاسباب اور فوق الاسباب اور علمِ غیب اور حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھ کر یا رکھے بغیر ہر حال میں یہ دُعاء و نداء شرک ہونی چاہیے، اور سرے سے غیر اللہ کی نداء و پکار کا باب ہی بند ہو جانا چاہیے۔ اور اگر یہ اطلاق اور عموم قابلِ قبول نہیں تو پھر آیتِ کریمہ بھی مؤول ٹھہری اور احادیثِ نبویہ بھی مؤول ٹھہریں تو پھر قطعیت ختم ہو گئی لہٰذا اس کو بُنیاد بنا کر شرک کے فتوٰی لگانے کا جواز ختم ہو گیا۔

۶ - نیز جو لوگ اہلِ قبور کے پاس قبرستان میں جا کر سلام دینے کا اور سُننے کا عقیدہ رکھنے والوں کو مشرک قرار دیتے ہیں ان کی بُنیاد بھی یہی ہے کہ یہ نداء فوق الاسباب ہے اور غائبانہ ہے لہٰذا اس میں بھی شرک لازم آ جاتا ہے کیونکہ بدن تو مٹی کے ساتھ مل کر مٹی ہو چکا اور حواس اپنے عمل کے قابل ہی نہ رہے اور رُوح لاکھوں میل دُور علیین یا سجین میں ہے تو اس کے متعلق اتنی دُور سے

[1] اور اب اس نداء و پکار کو شریعت میں داخل کرنے والی ہستی کے متعلق اس قسم کے عقیدہ کا مظاہرہ کریں گے؟

سُن لینے کا اعتقاد عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد ہے لہٰذا اس میں بھی شرک ثابت ہو گیا تو جو بُنیاد مسلمانوں کو مشرک قرار دینے کی علاّمہ سرفراز صاحب نے مہیا کی ہے وہی نیلوی وغیرہ نے بیان کی ہے پھر باہمی جنگ وجدال کیسی اور ایک دُوسرے کی تضلیل و تذلیل کا کیا مطلب؟ اور اصلی دیوبندی اور نقلی دیوبندی کے فرق کا کیا مطلب؟

۷۔ اور اگر رُوح کا بدن سے تعلق اللہ تعالیٰ قائم کرتا ہے اور اس قدر مسافت پہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سُنوا دیتا ہے اور ظاہری حواس کے تعطّل کے باوجود ان کا سُننا قدرتِ باری تعالیٰ سے ممکن ہے لہٰذا شرک نہیں تو اپنے بدن کے علاوہ ان رُوحوں کا دُوسروں سے بھی تعلّق ممکن ہے اور نبوّت و ولایت کی نورانیت اور ان کے ارواح کے تجرّد و لطافت کی انتہا پر فائز ہونے کی وجہ سے دُور دراز سے سُن لینا ان کا بھی ممکن اور چونکہ دونوں جگہ یہ قوت وطاقت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مانی گئی ہے لہٰذا کسی جگہ بھی شرک و کفر لازم نہیں آنا چاہیے۔

آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ جس کو ندائے غائبانہ علاّمہ نیلوی سمجھے وہ تو غائبانہ ہونے کے باوجود مدارِ شرک نہ بنے مگر جس کو علاّمہ سرفراز صاحب غائبانہ ندا سمجھیں وہ ضرور ہی شرک کی بُنیاد ہو۔ تف ہے ایسی دیانت و امانت پر۔

صفاتِ واجب اور صفاتِ ممکن کا فرق

حقیقتِ حال یہی ہے کہ صفاتِ الوہیت کے ساتھ موصوف و متصف

مان کر ندا۔ و پکار عبادت ہے اور کسی چیز کے حصول کے لیے ہے تو استعانت ہے مگر صفات الوہیت مانے بغیر قریب سے ہو یا بعید سے بالکل شرک نہیں ہے اور صفات الوہیت نہ عطائی ہیں نہ محدود و متناہی ہیں اور نہ ان میں زوال و عدم کا امکان ہے نہ ان کے متعلقات ان سے متخلف ہو سکتے ہیں اور نہ سہو و نسیان اور ذہول و بے التفاتی کا وہاں امکان ہے جبکہ مخلوق خواہ جس بلند ترین مرتبہ کی مخلوق ہی کیوں نہ ہو اس کی صفات ممکن عطائی محدود و متناہی اور ان کے متعلقات کا ان سے تخلف اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت ممکن لہٰذا اس عقیدہ پر ندائے بعید بھی شرک اور کفر نہیں ہو سکتی۔

تحت الاسباب اور فوق الاسباب کے فرق کی لغویت

عادی اسباب کے متعلق اگر کوئی یہ عقیدہ رکھ لے کہ یہ ناممکن ہے کہ مبصرات کے قبیل سے کوئی شے میری نظر میں نہ آئے اور سننے کے لائق اشیاء سے کوئی شے میرے کان نہ سن سکیں اور معلوم ہو سکنے کے قابل چیز میرے عقل و علم میں نہ آ سکے تو یہ عقیدہ بھی کفر و شرک ہے کیونکہ حواس علم کے اسباب عادیہ ہیں علل تامہ اور حقیقی موثر نہیں ہیں، اس لیے علماء کلام فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے ہمارے سامنے آسمان سے باتیں کرتی بلند و بالا چوٹیوں والے پہاڑ ہوں اور ہم انہیں نہ دیکھ سکیں اور اندلس کے اندھے کو اللہ تعالیٰ چین سے مچھر کا پر بھی دکھلا دے۔

بدر کے میدان میں اہل ایمان اور کفار آمنے سامنے موجود ہیں لیکن

کافروں کو مومنین اپنی تعداد سے دوگنا یعنی دو ہزار نظر آتے تھے :

واخریٰ کافرۃ یرونہم مثلیہم رای العین

(سورہ آل عمران آیت)

اور اہلِ ایمان کو کفار اپنے سے کم تعداد میں نظر آتے تھے یعنی تین سو تیرہ ۳۱۳ سے بھی کم ۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًاؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۠ (سورہ انفال آیت ۴۴)

اس وقت کو یاد کرو جبکہ میدانِ حرب و قتال میں باہم مڈبھیڑ کے وقت اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کافر تھوڑے دکھلاتا تھا اور تمہیں ان کی آنکھوں میں قلیل کر کے دکھلاتا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کر ڈالے وہ کام جس کا فیصلہ ہو چکا اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تمام امور لوٹائے جاتے ہیں۔

یعنی ابتداء میں کفار کو اہلِ ایمان تین سو تیرہ سے بھی کم نظر آتے تھے اور اہلِ ایمان کو کافر اپنے سے کم نظر آتے تھے تاکہ دونو فریق جنگ پر دلیر اور جری ہو جائیں اور جب جنگ شروع ہو گئی تو کافروں کو اہلِ ایمان اپنے سے دو چند نظر آنے لگے تاکہ ان کے حوصلے پست ہوں اور وہ میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ حالانکہ دونو فریق کے حواس درست تھے اور موجود بھی قریب تھے لیکن رؤیت میں اللہ تعالیٰ نے جس وقت جو تصرف

مناسب سمجھا وُہ کر دیا کبھی تھوڑے کو زیادہ کر کے دکھلا دیا اور کبھی زیادہ تعداد کو کمتر گنتی و شمار میں ظاہر فرما دیا لہٰذا ان حواسِ ظاہرہ کو اپنے اپنے دائرۂ کار میں مستقل سمجھنا بھی خلافِ اسلام ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے انوار سے منوّر ہونے کے بعد اور بدنی کثافتوں اور جسمانی ظلمتوں سے منزّہ و مبرّا ہونے کے بعد دُور و دراز سے سُننے دیکھنے کا اعتقاد بھی خلافِ اسلام نہیں اور ان کو صرف نبی و رسُول سمجھ کر اور ولی و محبُوب سمجھ کر پکارنا اور اس لیے پکارنا کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کر کے اور قلبی توجّہات مبذول کر کے مشکلات حل کرا دیں یہ عقیدہ بھی خلافِ اسلام نہیں ہے۔

مزید تفصیل بعد میں عرض کی جائے گی۔

دُعا کے معانی اور اطلاقات اور استدلال میں غلطی

علاّمہ سرفراز صاحب کو جہاں دُعا کا لفظ نظر آیا اس کو ندا و پکار والے معنیٰ پر محمول کرتے ہوئے یہاں پر ذکر کر کے گویا دلائل کا انبار لگا دیا لیکن حقیقت میں

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ (سُورۃ المؤمن آیت ۶۰)

اور احادیثِ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں وارد لفظِ دُعا سوال اور طلب والے معنیٰ پر محمول ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

كان اذا دعا رفع يديه۔

رسُولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جب اللہ تعالیٰ سے دُعا اور سوال کرتے تو اپنے ہاتھ مبارک اُٹھا کر دُعا مانگتے۔

اور اسی مضمون کو ادا کرتے ہوئے فرمایا:

اذا سألتموا اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ۔

(مشکوٰۃ کتاب الدعوات)

جب اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرو تو ہتھیلیوں کے اندرونی حصّوں کے ساتھ سوال کرو۔

اور اس طرح سائل بن کر اور دستِ سوال دراز کر کے بیٹھنے میں کمالِ احتیاج اور غایتِ افتقار اور انتہائی مسکنت و فقر کا اظہار ہے جو کہ رُوحِ عبدیت ہے اس لیے اس کو عین عبادت اور افضل عبادت وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا گیا اور جو شخص ازرہِ تکبّر و بڑائی اس کریم کے جُود و نوال پر دستِ سوال دراز کرنے سے گریز کرتے ہیں تو ان کے حق میں سیدخلون جہنّم داخرین کی وعید سُنائی گئی۔

اس آیتِ کریمہ کے تحت علاّمہ شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں:
بندگی کی شرط ہے اپنے رب سے مانگنا اور نہ مانگنا غرور ہے (تا) بہرحال بندہ کا کام ہے مانگنا اور یہ مانگنا خود ایک عبادت بلکہ مغزِ عبادت ہے۔

حافظ ابنِ کثیر نے کہا کہ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یا من احب عبادہ الیہ من سألہ فاکثر سوالہ
ویا من ابغض عبادہ الیہ من لم یسألہ ۔ (ص۸۵ ج۴)

اے وُہ ذاتِ پاک کہ سَب سے زیادہ محبُوب بندہ اس کے ہاں وہی ہے جو اس سے مانگے اور بہت مانگے اور مبغوض ترین بندہ اس کے نزدیک وُہ ہے جو اس سے نہ مانگے اور رسُولِ معظّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

من لم یسئل اللّٰہ یغضب علیہ۔

اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

من لم یدع اللّٰہ یغضب علیہ۔ (مصنّف ج ۴)

جو اللّٰہ تعالیٰ سے نہ مانگے اور مطالبہ و سوال نہ کرے اللّٰہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

بنی اسرائیل حضرت موسٰی علیہ السّلام سے عرض کرتے تھے:

یٰمُوسٰی ادع لنا ربّک۔

یعنی ہمارے لیے اپنے رَب سے سوال اور مطالبہ کرو۔

جہنّم میں داخل ہونے کے بعد اور عذاب کی شدّت سے تنگ آنے کے بعد جہنّمی لوگ جہنّم کے نگران فرشتوں سے کہیں گے:

ادعوا ربکم یخفف عنا یومًا من العذاب۔

اَپنے رَب سے ہمارے لیے دُعا اور مطالبہ کرو کہ وہ ہم سے عذابِ دوزخ میں تخفیف کر دے اگرچہ ایک دن ہی سہی۔

فرشتے کہیں گے کیا تمہارے پاس رسل کرام آیات و معجزات لے کر نہیں آئے تھے وُہ کہیں گے ہاں آتے تھے تو ملائکہ کہیں گے:

فادعوا وما دعاء الکٰفرین الا فی ضلٰل

ہم تمہارے لیے دُعا نہیں کرتے تم خود ہی دُعا کر لو اور کافروں کی دُعا نہیں مگر بیکار جانے والی وُہ مقبول و مستجاب نہیں ہے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یرد القضاء الا الدعاء

قضاء و تقدیر کو نہیں ٹالتی

مگر دُعا اور ارشادِ مصطفوی ہے:

الدعاء ینفع مما نزل و مما لم ینزل۔

جو مصیبت نازل ہو چکی ہو دُعا اس میں بھی نفع دیتی ہے اور جو ابھی نازل نہیں ہُوئی اس میں بھی۔ (مشکوٰۃ کتاب الدعوات)

لیکن اس اہم ترین عبادت کے لیے بھی علماءِ دیوبند نے پابندی لگا رکھی ہے کہ نمازِ جنازہ کے بعد نہ مانگو، تیجے ساتویں اور چالیسویں میں نہ مانگو، کہیں حکم ہوتا ہے ہاتھ اُٹھا کر نہ مانگو، کہیں ارشاد ہوتا ہے اجتماعی طور پر نہ مانگو، وغیر ذٰلک من الخفوات گویا اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لیے بھی دیوبند کی اجازت ضروری ہے۔

الغرض جب دُعا بمعنیٰ سوال اور طلب حاجات ہے اور دستِ سوال دراز کر کے فقر و مسکنت اور افتقار و احتیاج کا اظہار سراسر عبادت ہے بلکہ مغزِ عبادت اور افضل العبادات ہے تو قولِ باری تعالیٰ

یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ وَلَا یَنْفَعُھُمْ وَیَقُوْلُوْنَ ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ (سورہ یونس)

— میں عبادت کو اس دُعا کے معنیٰ میں لینے پر ان معبوداتِ باطلہ کی شفاعت کا کوئی مطلب نہیں رہ جائے گا کیونکہ مطلوب ومقصود اور حاجت وغرض کا مطالبہ شفیع سے نہیں ہوتا بلکہ اس سے ہوتا ہے جس کے ہاں کسی کو سفارش کے لیے عرض کیا جائے۔ اسی طرح دُوسری آیتِ کریمہ میں بھی ان معبوداتِ باطلہ کی عبادت بھی اگر سوال ومطالبہ اور حاجات ومطالب کو ان سے طلب کرنے کے معنیٰ میں ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عبادت کے ذریعہ قربت ہونے کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ان دونو آیاتِ مبارکہ میں عبادت اپنے معروف معنیٰ یعنی جبینِ نیاز جُھکانے اور سربسجود ہونے کے معنیٰ میں ہے اس سے نہ فقط ندا، پکار مُراد ہے اور نہ سوال اور حل مطالب کے مطالبہ کے معنیٰ میں ہے لہٰذا علّامہ صاحب کی یہ ساری طوالت بے مقصد اور عبث ہے۔

کیا غیر اللہ سے کوئی شئے طلب کرنا جائز ہے؟

رہا یہ امر کہ سوال اور مطالبہ جب عبادت ہے تو غیر سے سوال اور طلب بھی غیر کی عبادت ٹھہری اور شرک جبکہ تم غیر اللہ سے مطالبات کرتے ہو تو شرک پھر بھی لازم آگیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حقیقی مالک اور حقیقی معطی غیر اللہ کو سمجھ کر اس سے سوال کیا جائے تو بیشک شرک ہے اور اگر عطاءِ الٰہی کا مظہر اور خزائنِ الٰہیہ کا قاسم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا میں ماذون سمجھ کر مطالبہ کیا جائے تو بالکل جائز ہے صحابہ کرام علیہم الرضوان

رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ضروریات طلب کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ان سے چندے وغیرہ طلب فرماتے تھے۔

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کو فرمایا :

سل قال اسئلك مرافقتك فی الجنۃ قال او غیر ذٰلك قال ھو ذاك یا رسول اللہ قال فاعنی علیٰ نفسك بکثرۃ السجود۔ (مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف باب السجود وفضلہ)

مجھ سے مانگ! انہوں نے عرض کیا میں آپ سے مانگتا ہوں آپ کی رفاقت جنّت میں، آپ نے فرمایا اس سے بہتر کوئی چیز مانگ لے! اس نے عرض کیا میرا مدعا وہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا تُو اپنے نفس کے خلاف کثرتِ سجود کے ساتھ میری اعانت کرنا۔

اس حدیثِ پاک سے خود نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا اپنے غلام کو آپ سے مانگنے کا حکم ثابت ہے اسی لیے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے جنّت کی رفاقت کا سوال اور مطالبہ کیا اور پھر ان کے اس مطالبہ پر جمے رہنے کی صورت میں نفس کی مخالفت کرکے آپ کی امداد و اعانت کرنے کا حکم دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا حکم دیتے تو وہ یوں عرض نہ کرتے، اَسئلك میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اگر اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کا حکم دیتے اور وہ اللہ تعالیٰ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رفاقت کا مطالبہ کرتے یا کراتے تو پھر آپ کا اس سے بکثرت نفل عبادات کرکے آپ کی امداد و اعانت کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا ؛ کیونکہ جنّت

میں رفیق بنانے کا مطالبہ و سوال جب اللہ تعالیٰ سے ہی ہو تو اس پر سائل اور داعی کی امداد بذریعہ عبادات کرنے کا مطالبہ بالکل بے جوڑ اور بے ربط مطالبہ ہوگا اور اسی معنیٰ کی تصریح علمائے اعلام اور اکابرینِ ملت نے کی ہے۔ علامہ علی قاری علیہ الرحمہ نے سل کا ترجمہ یہی کیا ہے :

اطلب منی حاجة ۔

مجھ سے اپنی حاجت طلب کرو۔

پوری عبارت ملاحظہ فرمادیں اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ جود و نوال کا مشاہدہ کریں:

ای اطلب منی حاجة وقال ابن حجر اتحفك بها فی مقابلة خدمتك لی لان هذا هو شان الكرام ولا اكرم منه صلی اللہ علیه وسلم و یوخذ من اطلاقه صلی اللہ علیه وسلم الامر بالسوال ان اللہ مكنه من اعطاء كل ما اراد من خزائن الحق و من ثم عد ائمتنا من خصائصه صلی اللہ علیه وسلم انه یخص من شاء بما شاء كجعله شهادة خزیمه بن ثابت بشهادتین رواه البخاری و كترخیصه فی النیاحة لام عطیة فی ال فلان خاصة رواه مسلم۔ قال النووی للشارع علیه السلام ان یخص من العموم من شاء و بالتضحیة بالعناق لابی بردة بن نیار وغیره وذكر ابن سبع فی خصائصه وغیره۔

ان اللہ اقطعہ ارض الجنۃ یعطی منہا ماشاء لمن شاء

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۳)

اے ربیعہ مجھ سے اپنی حاجت طلب کر اور ابن حجر نے فرمایا کہ میں تجھے تیری خدمت کے مقابل حاجت پوری کر کے بدلہ اور تحفہ دوں کیونکہ کریم لوگوں کی شان یہی ہے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کوئی کرم گستر نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کو سوال اور مطالبہ میں مطلق امر فرمانے اور رخصت دینے سے یہ مطلب اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے خزانوں سے ہر وہ چیز دینے پر قدرت و طاقت دے دی ہے جس کا آپ ارادہ فرما دیں۔ اور یہیں سے ہمارے آئمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص اور امتیازی اختیارات میں سے اس امر کو بھی شمار کیا ہے کہ آپ جس شخص کو چاہیں جس چیز کے ساتھ چاہیں مخصوص ٹھہرا سکتے ہیں جیسے کہ حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دے دیا جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا اور حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو آل فلاں کے لیے بالخصوص نوحہ کی رخصت دیدی جس کو مسلم نے روایت کیا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شارع علیہ السلام کو حق حاصل ہے کہ عمومات شرع میں سے جس کو چاہیں مستثنیٰ اور مخصوص ٹھہرا دیں۔ اور حضرت ابو بردہ ابن نیار رضی اللہ عنہ کیلئے چھ ماہ کے قریب عمر کا بکرا قربانی میں جائز قرار دے دیا (حالانکہ بالاتفاق اس کی عمر سال بھر ہونی ضروری ہے) وغیر ذالک، اور ابن سبع نے آپ

کے خصائص میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت کی زمین بطورِ جاگیر عطا فرمادی ہے اس میں سے جس کو چاہیں جتنا قدر چاہیں عطا فرمائیں۔

شیخِ محقق شاہ عبدالحق محدث قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

"از اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ وتخصیص نکرد بمطلوب خاص معلوم میشود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہرچہ خواہد و ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد" ہے

اگر خیریت دنیا وعقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہرچہ میخواہی تمنا کن

(اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص۔)

اور بالکل یہی عبارت اور یہی مضمون ومفہوم اس حدیث شریف کا نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے مسک الختام میں ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو:

تنبیہ: شارحینِ کرام کے اقوال محض بطور تائید ذکر کیے ہیں ورنہ حدیث شریف سے ہی یہ مفہوم ومعنیٰ بالکل واضح ہے اور علماءِ دیوبند میں سے اہم ترین مصنف علامہ شبیر احمد نے علی القاری علیہ الرحمہ کے حوالہ سے اس معنیٰ ومفہوم کو ذکر کیا ہے جس سے علماءِ دیوبند اور غیر مقلدین علماء کے ہاں بھی اس مضمون ومفہوم اور معنیٰ ومقصود کی صحت مسلّم ہو گئی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو قاسم ارزاقِ الٰہیہ سمجھ کر اور مظہر عطاءِ الٰہی سمجھ کر آپ سے مانگنا جائز ہے اور صرف دنیوی ضروریات نہیں بلکہ اخروی حاجات ومطالب بھی طلب کرنا

جائز اور صحیح ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عطا کرنے کی نسبت کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ

(سورۃ التوبہ آیت ۵۹)

اور غنی کرنے کی نسبت ان کی طرف فرماتی:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ

(سورۃ التوبہ آیت ۷۴)

جب ان کے لیے دینا اور غنی کرنا ثابت تو ان سے لینا اور غنی کرنے کی درخواست و التجا بھی برحق۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

(سورۃ الحشر آیت ۷)

جو تمہیں میرا رسول دے اس کو مضبوطی سے پکڑو اور جس سے منع کریں یا جو تم سے دور رکھیں اس سے دور رہو۔

اس آیتِ کریمہ میں دین و دنیا دونو لحاظ سے عطا و منع اور امر و نہی کی نسبت نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے لیے عطاءِ الٰہی میں واسطہ و وسیلہ تھے تو انہوں نے ہبہ کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے کہا:

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝

(سورہ مریم آیت ۱۹)۔

اگر ان کا مظہر عطاء الٰہی کے بطور پیدائش بچہ کی نسبت اپنی طرف کرنا جائز ہے تو ہمارا بھی کونین کی نعمتوں کے واسطہ خلق و ایجاد اور سبب حصول وصول یعنی رسولِ معظم علیہ السلام کی طرف برزخیت اور توسط اور مظہریت کے لحاظ سے نسبت کرنا جائز ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر فتح کر لینے کے بعد یہودیوں کو فرمایا

اعلموا انما الارض للّٰہ ولرسولہ وانی ارید ان اجلیکم منہا۔ (بخاری شریف)

یقین جانو کہ یہ زمین اللہ تعالیٰ کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کیلئے ہے اور میں تمہیں اس سے جلاوطن کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

جب انہوں نے منت، اجت کر کے بطورِ اُجرت زمینوں میں کام کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نقرکم ما شئنا۔

جب تک ہم چاہیں گے تمہیں برقرار رکھیں گے پھر نکال دیں گے۔

بہرکیف اگر بطورِ نیابت زمین پر آپ کی ملکیت ثابت ہے تو بطورِ نیابت آپ سے سوال بھی جائز ہے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لے لینا صحیح ہے اور کسی کا قبضہ ختم کرنا صحیح ہے تو آپ کا عطا کرنا اور قبضہ دینا بھی صحیح ہے، وغیر ذٰلک من الدلائل والبراھین۔

طلب میں فوق الاسباب اور تحت الاسباب کے فرق کی لغویت

اہلِ اسلام کو مشرک قرار دینے کے شائقین یہاں بھی تحت الاسباب اور فوق الاسباب کی من گھڑت اصطلاح سے دھوکہ دہی کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ علم و تحقیق کی دُنیا میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ معمولی سے معمولی دنیوی چیز کی طلب میں بھی اگر نظر اللہ کی عطا اور منع سے ہٹ جاتے اور صرف بندے پر نظر رہے تو یہ شرک ہے اور بڑی سے بڑی نعمت کی عطا میں اگر نظر اللہ تعالیٰ کی ذات پر رہے اور غیر کو صرف عطاءِ باری میں واسطہ سمجھ لیا جائے تو یہ کفر و شرک نہیں ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہیں نہیں فرمایا کہ بڑی بڑی چیزیں تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو اور چھوٹی چھوٹی چیزیں غیروں سے مانگا کرو، اس نے بڑی نعمتوں کی عطا کے لحاظ سے اپنا نام رحمٰن رکھا اور چھوٹی نعمتوں کی عطا کے لحاظ سے رحیم یا دُنیا کی تمام چھوٹی اور بڑی اہلِ اسلام اور کفار سبھی کو عطا کرنے کے لحاظ سے اپنا نام رحمٰن رکھا اور آخرت کی عظیم نعمتیں اہلِ ایمان کو عطا کرنے کے لحاظ سے رحیم کہلایا کما فسرھما المفسرون تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے کہیں چھوٹی سی چیز مانگنے پر ناراض نہ ہو جائے۔ اور نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

لیسأل احدکم ربہ حاجتہ کلہا حتی شسع نعلہ۔

چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے رب تعالیٰ سے اپنی ہر ہر حاجت طلب

کرے حتیٰ کہ جوتی کا تسمہ بھی۔

اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی:

یا موسیٰ سلنی حتیٰ ملح قدرك وشراك نعلك

(روح المعانی ص۶۳ ج ۱)

اے موسیٰ مجھ سے مانگ حتیٰ کہ اپنی ہنڈیا کا نمک اور اپنے جوتے کا تسمہ بھی۔

۲ - علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

کل امر ذی بال لا یبدؤ فیہ بسم اللہ فھو ابتر

وعندی ان الاظھر جعل الوصف للتعمیم کما فی قولہ تعالیٰ ولا طائر یطیر بجناحیہ ای کل امر یخطر بالبال جلیلا کان او حقیراً او یبدء بہ الخ وفی ھٰذا غایۃ الاظھار لعظمۃ اللہ تعالیٰ وحث علی التبری عن الحول والقوۃ الا باللہ واشارۃ الیٰ ان قدر العباد غیر مستقلۃ فی الافعال فجمل تبنۃ کحمل جبل ان لم یعن اللہ الملك المتعال۔ (ص۶۳ ج ۱)

اور میرے نزدیک زیادہ ظاہر اور صحیح معنیٰ یہ ہے کہ امر کے بعد ذی بال کی صفت تعمیم کے لیے ہے جیسے کہ طائر کی صفت یطیر بجناحیہ کے ساتھ کرنا بیان تعمیم کے لیے ہے کہ مراد ہر اڑنے والا جانور ہے نہ کہ مخصوص پرندہ اسی طرح

یہاں بھی مُراد یہ ہے کہ ہر کام اور فعل جو دل میں کھٹکے جلیل وعظیم ہو یا حقیر و صغیر اس میں بسم اللہ کے بغیر آغاز کیا گیا تو وُہ خیر و برکت سے خالی ہوگا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا انتہائی درجہ پر اظہار ہے اور بندہ کا اپنی قوت وطاقت سے کامل برأت کا اظہار ہے کہ ہر کام جلیل وحقیر اسکی اعانت اور توفیق سے ہی ہے ورنہ نہیں اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندوں کی قدرتیں اور قوتیں افعال واعمال اور امور کی انجام دہی میں مستقل نہیں ہیں بلکہ گھاس کا تنکا اُٹھانا پہاڑ اٹھانے کے برابر ہے اگر اللہ تعالیٰ کی اعانت اور توفیق شاملِ حال نہ ہو۔

اور اوپر ذکر کردہ دُو حدیثیں نقل کر کے فرمایا:

فی قوله عَلَیْهِ السَّلام ما یدفع عنك توهم عدم رعایة التعظیم فی ذکره عند محقرات الامور وای فرق عند المنصف بین ذکره تعالیٰ عندها وطلبها منه علیٰ ان العارف الجلیل لا یقع بصره علیٰ شیٔ حقیر الخ۔ (ص ۶۳)

ان حدیثوں سے وہم مندفع ہو جائے گا کہ حقیر اور قلیل اشیا کا آغاز اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے نام کی برکت سے کرنے میں اس کی عظمت کی رعایت نہیں پائی جاتے گی کسی بھی انصاف پسند کے نزدیک ایسے امورِ حقیرہ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ان اشیاء کے اللہ تعالیٰ سے طلب کرنے میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا علاوہ ازیں عارفِ جلیل کی نظر کسی حقیر شے

پر نہیں پڑتی یعنی وُہ اس کو ذاتی حیثیت میں نہیں دیکھتا بلکہ اسکو تخلیقِ باری کی حیثیت سے دیکھتا ہے اور اس کے شاہکارِ قدرت کے لحاظ سے اور اس جہت سے کوئی شئے بھی حقیر نہیں رہتی۔

الغرض یہ تفرقہ سراسر غلط ہے کہ چھوٹی چھوٹی اور حقیر اور غیر اہم چیزیں تو غیر اللہ دے سکتے ہیں اور بڑی بڑی اور عظیم و جلیل اشیاء صرف اللہ تعالیٰ دیتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اغیار کو اس عالم کے انتظام و انصرام اور تدبیر و تصرّف میں حصّہ دار صرف کُفّار و مشرکین ہی نہیں تسلیم کرتے تھے بلکہ علماءِ دیوبند نے بھی ان کی شراکت اور حصّہ داری تسلیم کر رکھی ہے۔

۴۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی فرماتے ہیں :

"شیخ سفیان ثوری روزے در نماز شام امامت می کرد چوں اِیّاکَ نعبد و اِیَّاکَ نَستعین گفت بیہوش افتاد چو بخود آمد گفتند اے شیخ ترا چہ شدہ بود گفت چوں اِیَّاکَ نَستعین گفتم ترسیدم کہ مرا بگویند کہ اے دروغ گو چرا از طبیب دارو میخواہی و از امیر روزی و از پادشاہ یاری میجوئی والہذا بعضے از علماء گفتہ اند کہ مرد را باید کہ شرم کند از آنکہ ہر روز و شب پنج نوبت در مواجہہَ پروردگار خود ایستادہ دروغ گفتہ باشد لیکن درینجا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہیکہ اعتماد برآں غیر باشد و او را مظہر عون الٰہی نداند حرام است و اگر التفات محض بجانبِ حق است و او را یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانہَ اسباب و حکمت او تعالیٰ دراں نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید دُور از عرفان نخواہد بود و در شرع نیز جائز و درست و انبیاء و اولیاء ایں

نوع استعانت بغیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لا غیر۔" (ص ۳ ج اوّل)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک نماز شام میں امامت فرما رہے تھے جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا تو بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش بحال ہُوا تو لوگوں نے دریافت کیا اے شیخ آپ کو کیا ہو گیا تھا تو انہوں نے کہا جب میں نے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا تو مجھے یہ ڈر اور خوف لاحق ہُوا کہ مجھے کہیں اسے جھوٹے تُو کیوں طبیب سے دارو طلب کرتا ہے اور امیر سے رزق طلب کرتا ہے اور بادشاہ سے امداد و اعانت طلب کرتا ہے اور اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ آدمی کو شرم کرنی چاہیے اس سے کہ وہ روز و شب میں پانچ مرتبہ اپنے پروردگار کے روبرو کھڑے ہو کر جھوٹ بولے۔

لیکن اس جگہ یہ چیز ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ غیر اللہ سے استعانت ایسے انداز میں ہو کہ اعتماد اور بھروسہ اسی غیر پر ہو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی امداد و اعانت کا مظہر نہ جانے تو بالکل حرام ہے اور اگر التفات و توجہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب ہو اور اس غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی امداد و اعانت کے مظاہر میں سے ایک مظہر سمجھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے کارخانہ اسباب اور اس کی حکمت پر نظر رکھتے ہوئے غیر اللہ سے ظاہری استعانت کرے تو یہ عرفان سے دُوری نہیں ہو گی اور شریعت میں بھی جائز اور درست ہے اور انبیاء و اولیاء نے اس طرح کی استعانت غیر اللہ سے کی ہے اور حقیقت میں اس نوع کی استعانت غیر اللہ سے استعانت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی

بارگاہ سے ہی استعانت ہے۔

۴۔ حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ السلام نے بلقیس کا تخت منگوانے کے لیے اپنے درباریوں سے مدد طلب کی اور فرمایا:

ایھا الملاء ایکم یا تینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین

اے درباریو تم میں سے کون ہے جو اس کا تخت لے آئے قبل اس کے وہ تابعدار بن کر میرے پاس آئیں۔

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں کہ:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ بلقیس پر اپنی خداداد عظمت و قدرت و قوت کا اظہار فرما دیں تاکہ وہ سمجھ لے کہ یہ نرے بادشاہ نہیں، بلکہ کوئی اور مافوق العادت باطنی طاقت بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔

اور تخت اس مقام سے ایک مہینہ کی راہ پر پڑا تھا اور تخت بھی بہت بڑا تھا اور اس پر سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کا جڑاؤ مزید برآں تھا لیکن آپ فوق العادت طاقت اور اسباب عادیہ سے ماوراء قوت و قدرت کے ذریعے اس کو منگوانا چاہتے تھے اور درباریوں سے فرماتے ہیں تم میں سے کون لاتا ہے؟ اور سرکش دیو کہتا ہے میں تمہاری کچہری برخواست ہونے سے پہلے لاتا ہوں اور میں یقیناً اس پر قادر ہوں اور لائق اعتماد:

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ○

(سورۃ النمل آیت ۳۹)

مگر آپ نے اس سے جلد لانے کا مطالبہ کیا تو جن اور دیو خاموش رہے اب قول مختار کے مطابق حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ بولے میں آنکھ جھپکنے سے پہلے لا دیتا ہوں :

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ط (سورۃ النمل آیت ۴۰)

اور اُپنے دعوے کو عملی طور پر پُورا کر کے دکھلا بھی دیا اور یہ حضرت آصف کی کرامت تھی اور ان کے قصد و ارادہ سے اس کا ظہور ہوا کیونکہ اُپنے پیغمبر اور بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے عرض کیا میں لا دیتا ہوں اور آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے لا دیتا ہوں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا مطالبہ بھی درباریوں سے یہی تھا کہ تم میں سے کون لاتا ہے؟ جب پیغمبر علیہ السلام اس کو اپنے درباریوں کا فعل قرار دیں اور سرکش دیو بھی اپنا دائرہَ قدرت و عمل بیان کرے اور حضرت آصف بھی اپنی خُدا داد قُدرت کا کرشمہ بتلائیں کہ مجھے اس کے لانے میں پلک جھپکنے کے وقت کی بھی ضرورت نہیں ہے بلکہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے لا دیتا ہوں۔

الغرض کرامت کا ولی کے قصد و ارادہ سے سرزد ہونا ثابت ہوگیا۔ نیز اولیاء اللہ کی قدرت و طاقت کا جنّات اور شیاطین سے زائد ہونا بھی ثابت ہوگیا اور اسبابِ عادیہ سے مافوق اور ماوراء امور میں پیغمبر علیہ السلام کی طرف سے استمداد و استعانت بھی ثابت ہوگئی اور حضرت آصف کی طرف سے امداد و اعانت بھی۔

۵ - اسی طرح حضرت یُوسف علیہ السّلام نے اپنے والدِ گرامی حضرت یعقوب علیہ السّلام کی بینائی بحال کرنے کے لیے مافوق الاسباب العادیہ امداد و اعانت مہیا فرمائی:

اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ (سورہ یُوسف آیت ۹۳)

میرا یہ قمیص لے جاؤ پس اسے میرے ابا جان کے چہرہ پر ڈالو تو وُہ بینا ہو جائیں گے،

اور حضرت یعقوب علیہ السّلام نے اس امداد و اعانت کو قبول فرمالیا اور اس استمداد و استعانت کو شرک و کفر نہ سمجھا بلکہ بالکل مباح اور جائز سمجھ کر حضرت یُوسف علیہ السّلام کا کُرتہ اپنے چہرہ پر مَلا اور فوری طور پر بینائی بحال ہوگئی:

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ

(سورہ یُوسف آیت ۹۶)

اس سے بھی واضح ہوگیا کہ غیر عادی اسباب سے تمسک جائز ہے اور مقبُولانِ خُداوندِ تعالیٰ نے اس طرح مدد لی بھی ہے اور مدد دی بھی ہے۔

۶ - حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے پاس روزانہ مختلف امراض میں مبتلا لوگ شفا حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتے تھے اور بسا اوقات پچاس پچاس ہزار مریض بھی جمع ہو جاتے تھے اور وُہ سبھی مافوق الاسباب العادیہ آپ سے شفا کے طالب ہوتے تھے نہ کہ عادی اسباب کے تحت جیسے عام اطباء کے

پاس آنے والے مریض اور آپ دعوٰی بھی یہی کرتے ہیں۔

وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ

(سورہ آلِ عمران آیت ۴۹)

میں مادر زاد اندھے کو، برص کے داغوں والے کو، ان عوارض اور بیماریوں سے بری اور شفایاب کرتا ہوں اور مُردوں کو زندہ کرتا ہوں اللہ تعالٰی کے اذن اور توفیق سے۔

اگر اس غیر معتاد طریقہ پر شفا دینے اور زندہ کرنے میں آپ کا عمل دخل نہیں تھا اور آپ کا قصد و ارادہ اس میں اثر انداز نہیں ہوتا تھا تو اپنی طرف ان افعال کی نسبت کرنا ہی غلط ہوتا اور اگر عمل دخل ہوتا تھا اور قصد و ارادہ سے ہاتھ پھیرتے تھے تو ان مریضوں کا آپ سے غیر عادی اور فوق العادۃ طریقہ پر استمداد و استعانت کرنا ثابت ہوگیا اور آپ کا انہیں امداد و اعانت مہیا کرنا ثابت ہوگیا۔

لہٰذا نظر حقیقۃً اللہ تعالٰی کی ذات پر ہو تو صرف نمک اور جُوتے کے تسمہ میں ہی نہیں بڑے بڑے عظیم مطالب و مقاصد میں غیر اللہ سے سوال اور طلب اور استمداد و استعانت جائز ہے اور نظر اللہ تعالٰی سے ہٹ کر صرف اور صرف اسباب پر اور غیر اللہ پر مرکوز ہو جائے، خواہ اسباب عادیہ ہی ہوں تو ناجائز اور حرام بلکہ شرک ہے۔

استقلال اور عدم استقلال اور اللہ تعالٰی اور غیر اللہ پر نظر و اعتماد کا فرق

۱۔ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ العزیز کے حوالے سے پہلے عرض کیا جاچکا

ہے کہ مشرکین کی استعانت اور اہلِ اسلام کی استعانت میں کیا فرق ہے:

"دوم آنکہ بالاستقلال چیزیکہ خصوصیت بجناب الٰہی دارد مثل فرزند یا بارش باراں یا دفع امراض یا طُول عمر و مانند آں چیزہا بے آنکہ دُعا و سوال از جناب الٰہی در نیت منظور باشد از مخلوقے درخواست نمایند ایں نوع حرام مطلق بلکہ کفر است اگر از مسلماناں کسے از اولیاء مذہب خود زندہ یا مردہ ایں نوع مدد خواہد از دائرۂ مسلماناں خارج میشود بخلافِ بت پرستاں کہ ہمیں نوع مدد از معبودان باطل خود میخواہند و آنرا جائز می شمارند۔" (فتاوٰی عزیزیہ ص ۱۰۱ ج ۲)

دُوسری صُورت مدد و اعانت طلب کرنے کی یہ ہے کہ مستقل طور پر ہر وُہ چیز جس کا عطا کرنا اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے مثلاً بیٹا دینا، بارش عطا کرنا، مرض دُور کرنا یا درازیٔ عمر اور اس قسم کی دیگر اشیاء کا عطا کرنا بغیر اسکے کہ اللّٰہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دُعا اور سوال کی نیت ہو مخلوق سے درخواست کرنا ایسی استعانت حرام مطلق بلکہ کفر ہے اور اگر کوئی مُسلمان اولیاء کرام سے خواہ زندہ ہوں یا فوت شدہ ایسی مدد طلب کرتا ہے تو دائرہ مُسلمانی سے خارج ہو جائے گا بخلاف بُت پرستوں کے کہ وُہ یہی استعانت اپنے معبوداتِ باطلہ سے کرتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

۲۔ اور فرماتے ہیں:

بُت پرستان ہرگز شفاعت نمی خواہند بلکہ معنیٰ شفاعت را نمی دانند نہ در دل خود تصوّر می کنند (تا) بلکہ از بتانِ خود درخواست مطلب خودمی کنند

بُت پرست ہرگز بُتوں سے شفاعت اور سفارش طلب نہیں کرتے بلکہ شفاعت

کا معنیٰ بھی نہیں جانتے اور نہ دل میں اس کا تصوّر ہی رکھتے ہیں (تا) بلکہ اپنے بتوں سے ہی اپنے مطالب اور حاجات پورے کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔

الغرض کوئی اولاد کا حصول اور بارش اور درازیٔ عمر اور امراض کے ازالہ اور صحت کے حصول کا سبب عادی یا سبب غیر عادی اطبار و حکماء اور ڈاکٹروں وغیرہ کو سمجھ کر یا انبیاء و رسل علیہم السّلام اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کو سمجھ کر استعانت و استمداد کرے تو نہ ایمان و عرفان سے دُور نہ شرعًا ناجائز اور حرام اور اگر ان کو مؤثر حقیقی اور مستقل معطی سمجھ کرلے تو ایمان و عرفان سے دُور اور شرعًا ناجائز اور حرام اور اس میں زندہ و مُردہ کا فرق بھی لغو و باطل اور اسبابِ عادیہ اور غیر عادیہ کا فرق بھی لغو اور باطل۔

فائدہ: بندہ کی ان گزارشات سے واضح ہو گیا کہ

"ظن ان المیّت یتصرف فی الامور دون اللّٰہ واعتقاده بذٰلك کفر"

(یعنی یہ گمان کہ میّت بغیر اللّٰہ تعالیٰ کے امور میں تصرف کرتا ہے اور ایسا اعتقاد کُفر ہے)

کا قول جو علّامہ سرفراز صاحب نے بحرالرائق اور ردالمحتار کے حوالے سے ذکر کیا ہے اس کا ہمارے مذہب و مسلک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ نبی و ولی کا تصرّف اللّٰہ تعالیٰ کے سوا تسلیم کرنا دعوائے استقلال ہے اور یہ ہمارا مذہب نہیں ہے اور مذہب وہ ہے جو اُوپر بیان ہو چکا اس میں دون اللّٰہ حقیقی

متصرف نہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی حقیقی متصرف ہے لہٰذا اس عقیدہ کا کفر ہونا اس عبارت سے ثابت نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان علما حضرات کو اہل السنت کا عقیدہ معلوم کرنے سے غرض نہیں صرف فتوئی بازی اور فتنہ پردازی کا ذوق و شوق پورا کرنا مقصود ہے اور ؎

دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

کو سچا ثابت کرنے کی سعیِ بلیغ ہی ملحوظِ خاطر ہے۔

نذر و نیاز کی اباحت

صاحبِ رد المحتار علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس عبارت کے بعد یہ بھی فرمایا تھا:

اللّٰھم الا ان قال یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مریضی اورددت غائبی اوقضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباب السیدۃ النفیسہ او الامام الشافعی او الامام اللیث او اشتری حصرًا لمساجدھم او زیتا لوقودھا او دراھم لمن یقوم بشعائرھا الٰی غیر ذٰلک مما یکون النفع فیہ للفقراء والنذرللہ تعالیٰ وذکر الشیخ انما ھو محل لصرف النذر لمستحقیہ القاطنین برباطہ او مسجدہ فیجوز بھٰذا الاعتبار۔

(صفحہ ۱۳۹۔ج ۲)

مگر اس طرح کہے کہ اے اللہ میں نے تیرے لیے نذر مانی اگر تو میرے مریض کو شفا دے یا میرے غائب کو لوٹا دے یا میری حاجت پوری کر دے تو میں ان فقراء کو کھانا کھلاؤں گا جو سیدہ نفیسہ رضی اللہ عنہا یا امام شافعی رحمہ اللہ یا امام لیث رحمۃ اللہ علیہ کے دربار اور درگاہ پر موجود ہیں یا ان کی مساجد کیلئے بوریے اور چٹائیاں خریدوں گا یا ان کی مساجد میں جلانے کے لیے تیل خرید کر دوں گا اور درا ہم دوں گا ان تمام شخصوں کو جو ان کے شعائر کی نگہداشت کرتے ہیں وغیر ذلک جس میں نفع و فائدہ فقراء کے لیے ہو اور نذر اللہ تعالیٰ کے لیے، اور شیخ کا (یا دیگر اکابر کا) ذکر صرف اس نذر کے مستحقین کا مصرف متعین کرنے کے لیے کیا جاتے جو ان کی خانقاہ یا مسجد میں قیام پذیر ہوں تو اس اعتبار سے یہ نذر جائز ہے۔

درِ مختار میں فرمایا:

واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصد واصرفھا لفقراء الانام

(صفحہ ۱۳۹)

جان لیجیے کہ وہ نذر جو فوت شدہ بزرگوں کے لیے اکثر عوام کی طرف سے وقوع پذیر ہوتی ہے اور جو دراہم اور شمعیں اور تیل وغیرہ اولیاء کرام کے مزارات پر لیجائے جاتے ہیں ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے تو وہ

بالاجماع باطل اور حرام ہے جبتک ان اشیاء کو فقراء و مساکین پر صرف کرنے کا قصد و ارادہ نہ کریں۔

حضرت علامہ سیدی عبدالغنی نابلسیؒ "حدیقہ ندیہ" میں اولیاء اللہ کی نذروں کے بارے میں فرماتے ہیں:

والنذر لهم بتعليق ذٰلك علىٰ حصول شفاء اولقدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين بقبورهم

(حدیقہ ندیہ)

اولیاء کرام کے لیے جو نذر مانی جاتی ہے اور اس کو مریض کی شفا یا غائب کی آمد کے ساتھ معلق اور مشروط کیا جاتا ہے تو وہ ان کی قبور کے خادمین پر صدقہ و خیرات سے عبارت ہے بطورِ مجاز (متعارف) کے یعنی اس کا حقیقی معنیٰ جو کہ مالی عبادت ہے وہ مراد نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اپنے رسالہ نذر میں فرماتے ہیں:

نذرے کہ ایں جا مستعمل میشود نہ بر معنیٰ شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگاں میبرند، نذر و نیاز می گویند۔

جو لفظ نذر کا اس جگہ استعمال کیا جاتا ہے وہ اپنے شرعی معنیٰ پر محمول نہیں بلکہ معنیٰ عرفی پر محمول ہے اس لیے کہ جو کچھ بزرگوں کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں اس کو (عرفِ عام والے) نذر و نیاز کہتے ہیں۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں ذکر فرمایا ہے:

الناذر لغير الله ان قصد بالنذر التقرب الى غير الله

وظن انه یتصرف فی الامور کلها دون اللہ تعالیٰ
فنذرہ حرام باطل وارتداده ثابت وان قصد بذلك
النذر التقرب الی اللہ تعالیٰ وایصال الثواب للاولیاء
ویعلم انه لا تتحرك ذرة الا باذن اللہ ویجعل الاولیاء
وسائل بینه وبین اللہ تعالیٰ فی حصول مقاصدہ
فلا حرج فیه وذبیحته حلال۔

غیر اللہ کے لیے نذر ماننے والے نے اگر نذر کے ساتھ غیر اللہ کے تقرب اور اس کی عبادت کا قصد کیا ہے اور یہ گمان کیا کہ وہی تمام امور میں متصرف ہے نا کہ اللہ تعالیٰ تو اس کی نذر حرام اور باطل اور اس کا مرتد ہونا ثابت ہے۔ اور اس نذر کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب اور عبادت کا قصد کرے اور ثواب اولیاء کرام کو پہنچانے کا ارادہ کرے اور اس امر کا یقین رکھے کہ کوئی ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کے امر کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا اور اولیاء کرام کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسائل سمجھے اپنے مقاصد و مطالب کے حصول میں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسکا ذبیحہ حلال ہے

حضرت علامہ احمد المعروف ملا جیون صاحب تفسیرات احمدیہ میں فرماتے ہیں:

ومن ههنا علم ان البقرة المنذرة للاولیاء کما
هو الرسم فی زماننا حلال طیب۔

اور یہیں سے معلوم ہو گیا کہ اولیاء کرام کے لیے نذر کی جانے والی گائے

جیسے کہ ہمارے زمانے میں اس کی رسم و رواج ہے حلال طیب ہے۔

اوّل: زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی مالی عبادت ہے لیکن اس کے مصارف فقراء، مساکین ہیں تو یہ کہنا جس طرح صحیح ہے کہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے، اسی طرح بیانِ مصارف کے طور پر یہ کہنا بھی صحیح ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ

(سورۃ التوبہ آیت ۶۰)

کہ زکوٰۃ و صدقات فقراء و مساکین وغیرہ کے لیے ہیں اسی طرح نذر بھی وہ مالی عبادت ہے جس کو کوئی اپنے ذمے لے لیتا ہے تو بحیثیت عبادتِ خداوند تعالیٰ ہونے کے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی اور کھلانے اور صرف کرنے کے لیے کسی ولی اور مقبولِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ کے آستانہ پر رہائش پذیر فقراء و مساکین کی طرف نسبت صحیح ہوگی اور ایصالِ ثواب کے لحاظ سے اس بزرگ کی طرف نسبت درست اور مباح ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا حق علیحدہ ہے اور مخلوق سے اس کا تعلق دوسرا ہے جسطرح قربانی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اس کا کھانا اور کھلانا مخلوقِ خدا کو جائز ہے۔ اس طرح اس کا ثواب کسی کو دے دینا بھی جائز جس طرح نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی قربانی کے اجر و ثواب میں اُمّت کے فقراء و مساکین کو شریک کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ هٰذا عنی وعمن لم يضحِ من امتی۔

(مشکوٰۃ باب الاضحیہ)

اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ۔

مجھے میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ان کی طرف سے قربانی کروں۔ (ابن ماجہ وغیرہ)

لہٰذا محض نذر کے عبادت ہونے کی آڑ میں اولیاء اللہ کی طرف اسکی نسبت کرنے والوں کو مشرک قرار دے ڈالنا سراسر ظلم و تعدی ہے اور عدوان وطغیان ہے علی الخصوص جبکہ فقہاء کرام نے جواز کی صورت بھی ساتھ ہی واضح کر دی ہو مگر اس کو ذکر کرنا بھی گوارا نہ کیا جائے اور اپنے قارئین کو اس کی خبر بھی نہ ہونے دی جائے تو یہ دیانت و امانت کے بھی خلاف ہے اور علماءِ دین اور مقتدایانِ قوم کی شان کے بھی سراسر خلاف ہے کسی مسلمان کو بلا وجہ کافر و مشرک قرار دینا اپنے دین و ایمان کو برباد کرنے کے مترادف ہے اور شیطان لعین کے دامِ فریب اور دجل و تلبیس میں گرفتار ہونے کی دلیل و برہان ہے۔ مشرکینِ مکہ جو نذر و نیاز دیتے تھے وہ اپنے اصنام و اوثان کے لیے ایصالِ ثواب کے طور پر نہیں دیتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ میں اور ان میں تقسیم اور تقابل کے طور پر یہ مالی عبادت سر انجام دیتے تھے۔

هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ج

(سورۃ الانعام ۱۳۶)

اور یہاں سب کچھ ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے جو ثواب اپنے فضل و کرم

سے وہ عطا فرمائے گا وہ اولیاء کرام کو پیش کرنا مطلوب و مقصود ہوتا اور ان دو نو صورتوں میں کتنا واضح فرق ہے کیا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بحکم رسالت کنواں کھدوا کر اور ڈول رسّا اور چرخی لگا کر جو کہا تھا "ھٰذا لام سعد" تو ان کا وہ فعل بھی ان کی والدہ کی عبادت متصور ہو گا اور ان کو مشرک قرار دے دو گے؟ اور پھر یہ سبق سکھلانے والی ذاتِ مقدسہ بھی اس فتوے کی لپیٹ میں لائی جائے گی جس نے یہ مالی عبادت غیر اللہ کے لیے جاری کی؟ نعوذ باللہ من ذالک۔ علامہ سرفراز جیسے محققین اسی تاثر کو عام کر رہے ہیں کہ علماءِ دیوبند میں کوئی عقل سلیم اور فہم مستقیم کا مالک موجود ہی نہیں بلکہ وہ سبھی ضدی اور ہٹ دھرم اور جہل مرکب میں مبتلا لوگ ہیں اے کاش ان کو اس نقصان و خسران کا جلد از جلد احساس ہو سکے اور امتِ مسلمہ ان دھاندلیوں اور سینہ زوریوں سے محفوظ ہو سکے۔

الغرض نذر کا عبادت ہونا اور عبادت کا غیر اللہ کے لیے جائز نہ ہونا اس امر کا موجب اور باعث ہرگز نہیں ہے کہ اس کا ثواب بھی دوسروں کو نہ دے سکیں!

ایصالِ ثواب کو نذر سے تعبیر کرنے کا سبب

زندہ آدمی اگر محترم و مکرم اور عزیز و کریم ہو تو اس کو پیش کی جانے والی چیز ہدیہ اور تحفہ کہلاتی ہے اور محتاج و فقیر کو دی جانے والی صدقہ کہلاتی ہے اسی طرح فوت شدگان کو دنیوی اشیاء تو نہ پہنچائی جا سکتی ہیں اور نہ یہ ان کو مفید اور نہ ہی اس کا کوئی قصد و ارادہ ہی کرتا ہے تو لامحالہ ان کو ثواب

کی صورت میں ہی یہ تحائف بھیجے جا سکتے ہیں تو جہاں عوام مومنین کے لیے ایصالِ ثواب اور فاتحہ و درود کے عام سے لفظ استعمال کر دیئے گئے تو خواص اور مقبولانِ بارگاہ کے امتیاز اور اختصاص کو اُجاگر کرنے کے لیے اس کو نذر سے تعبیر کر دیا گیا کیونکہ ثواب شئے کا شئے کی مثل ہوتا ہے اور اصل عمل اللہ کے لیے نذر ہے تو اس کے ثواب کو بھی مجاز بالمشاکلت کے تحت نذر سے تعبیر کر دیا گیا جیسے کہ بزرگ شخصیت کے لیے پیش کیے گئے ہدیہ کو نذرانہ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی صاحب نے کہا:

اس امر (بزرگوں کی نذر و نیاز) کی اصل بہت عمدہ ہے اور شرع شریف کے مطابق ہے۔ (ص ۹۱)

پس امور مروجہ یعنی فاتحہ اور عرس اور نذر و نیاز میں اتنی بات کی خوبی میں کچھ شک و شبہ نہیں۔ (صراطِ مستقیم ص ۹۳)

اگر نذر و نیاز کا یہ عرفی معنیٰ ملحوظ نہ رکھا جائے تو پھر اس کی خوبی اور عمدگی اور شرع شریف کی موافقت کیونکر متصور ہو سکتی ہے اور جب ہندوستان میں سب سے پہلے مشرک ساز اور کافر گر شخص نے یہ فرق تسلیم کر لیا تو اس کے روحانی فرزندوں کو اس سے نظریں چرانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

گلدستۂ توحید

مشرکینِ عرب مسجدِ حرام کا طواف کرتے وقت یہ تلبیہ پڑھا کرتے تھے:

لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ

(او کما قال مسلم ج ۱ ص ۳۷۵ مشکوٰۃ ص ۲۲۴)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین لا شریک لک کہہ کر ذاتی اور مستقل طور پر خدا تعالیٰ کے شریک کی نفی کرتے تھے اور اِلّا شریکًا سے جو شریک ثابت کرتے تھے تو ساتھ ہی اس کی تصریح کرتے تھے کہ وہ تیرا ہی ہے اور خود ذاتی طور پر کسی چیز کا مالک نہیں بلکہ تو ہی اس کا مالک ہے یعنی اس صحیح حدیث سے ثابت ہوگیا کہ مشرکین اس کو خدا تعالیٰ کا مملوک، تابع فرمان اور خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں بے بس سمجھتے تھے اور یہ تلبیہ سب سے پہلے عمرو بن لُحَیّ نے پڑھا تھا۔ (ص ۱۲۵)

گلشنِ توحید و رسالت

علاّمہ سرفراز صاحب بچارے اہل السنّت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسلِ کرام علیہم السّلام اور اولیاءِ عظّام میں عطائی کمالات اور اختیارات تسلیم کرنے کی وجہ سے مشرک بنانے کے شوق میں دُور دُور کی کوڑیاں لاتے ہیں، اور اپنے عقل و شعور اور فہم و دانش کو بھی ایک طرف رکھ دیتے ہیں، اہلِ اسلام کا مسلّم عقیدہ ہے شریکُ الباری ممتنعٌ اور ہر کتاب میں محال و ناممکن کی تمثیل کے طور پر اس کو ذکر کیا جاتا ہے اور محض فرض کے طور پر نہیں بلکہ تسلیم و اعتراف کے طور پر۔

اور قولِ باری تعالیٰ:

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کے عموم سے بھی اس کو اس لیے خارج کر دیا گیا ہے کہ شیَ سے مُراد ممکن الوجود ہے لہٰذا جس طرح واجب الوجود

اس عموم سے عقلاً مخصوص ہے ایسے ہی ممتنع الوجود یعنی شریک الباری بھی اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ غالبہ میں کوئی نقص اور ضعف لازم نہیں آتا بلکہ خود اس ممتنع امر میں نقص ہے کہ وہ قدرت باری تعالیٰ کے تعلق کے قابل نہیں ہے مگر علامہ صاحب مشرکین کی حماقت اور جہل و نادانی کو نظر انداز کر کے صرف اہلِ اسلام کے خلاف اس کو بطور بُرہان استعمال فرماتے ہیں۔ اگر شرکت کا معنیٰ وہ نہیں سمجھ سکے تھے تو تمہاری عقل کہاں غائب ہوگئی ہے۔ مملوکیت میں اور شرکت میں کیا باہمی ربط و تعلق ہو سکتا ہے؟ اگر مملوک ہے تو شریک نہیں اور شریک ہے تو مملوک نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود لذاتہ ہے تو اس کا شریک بھی وہی ہوگا جو واجب الوجود لذاتہ ہو اور جب دوسرے واجب الوجود لذاتہ کا تحقق محال ہے تو ان کا یہ استشناء سراسر جہالت پر مبنی تھا۔

نیز اگر وہ کافر اور جاہل لوگ شریکِ باری ثابت کریں اور اس کو مملوک بھی مانیں اور اس کے اختیارات عطائی بھی مانیں تو کیا اس پر یہ تفریع مترتب کرلینا صحیح ہوگا کہ ان کا یہ عقیدہ چونکہ غلط تھا بلکہ مشرکانہ تھا لہٰذا انبیاء و ملائکہ کے لیے عطائی کمالات اور وہبی اختیارات تسلیم کرنا بھی غلط ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بے نظیر سلطنت کا ثبوت قرآنِ مجید میں منصوص اور شیاطین و جنات کا ان کے لیے مسخر ہونا اور ہوا کا ان کے لیے مسخر ہونا اور ان کے امر و حکم سے چلنا قرآنِ مجید میں بصراحت مذکور ہے۔

قال تعالیٰ:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۙ
وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۙ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ
فِي الْاَصْفَادِ ۝ هٰذَا عَطَآؤُنَا (سورہ ص آیت ۳۶ تا ۳۹)

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے لیے احیاء اموات اور ابراء اکمہ و ابرص وغیرہ کمالات قرآن مجید میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں تو کیا ان کا اعتقاد و اعتراف بھی شرک قرار پائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی عادتِ کریمہ ہی یہی بیان فرمائی ہے، تو تی الملك من تشاء تو کیا ملوکِ دنیوی میں ملک و سلطنت کا اعتراف و اعتقاد بھی شرک قرار پائے گا؟ لہٰذا بطورِ نیابت و خلافت ملک و سلطنت اور اختیارات و تصرفات کا حصول موجب شراکت نہیں اور اہلِ اسلام کے عقیدہ کا مشرکین کے اس لغو قول پر قیاس سراسر باطل ہے۔

عجیبہ کفار و مشرکین ان بیجان مجسموں میں بھی کمالات و تصرفات مانتے تھے جنکو اللہ تعالیٰ نے کوئی کمال اور خوبی کوئی قدرت و طاقت نہیں دی تھی اور علماء دیوبند ان میں بھی ماننے کو تیار نہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ اعلان فرما رہا ہے اور ان کمالات کو اپنی عطا و بخشش بلکہ اپنی قدرت و طاقت کا شاہکار قرار دے رہا ہے جیسے کہ ملائکہ مقربین کے لیے قبض ارواح اور روزی رسانی، عذاب و قہر نازل کرنا اور رحم میں نطفہ سے لے کر تکمیل مراحل تک تصرفات و تدبیرات آیاتِ کلامِ مجید اور احادیثِ رسولِ کریم علیہ السلام میں بصراحت مذکور ہیں تو کیا ان کا بھی انکار کر دیں۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ

(سورۃ السجدہ آیت ۱۱)

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا . (سورۃ الانعام آیت ۶۱)

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ (سورۃ النزعٰت آیت ۵) الیٰ غیر ذٰلك

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس اس قسم کی حرکت بھی کر سکتا ہے؟ اور اہلِ اسلام اور مشرکین کو ایک سطح پر رکھ سکتا ہے؟

گلدستۂ توحید

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ (آقا تو خدا تعالیٰ ہی ہے) اور وہی مدبر ہے لیکن وہ کبھی اپنے بندوں کو بزرگی اور الوہیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور ان کو بعض کاموں میں تصرف کا حق دے دیتا ہے اور ان کی اپنے بندوں کے حق میں شفاعت قبول کر لیتا ہے جیسے شہنشاہ بڑے کاموں کے علاوہ خاص خاص صوبوں میں اپنے نائب مقرر کرتا ہے اور ان صوبوں کے کچھ اختیارات ان کے سپرد کرتا ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ)

اور حضرت شاہ صاحب ہی لکھتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت کا زندقہ اور الحاد یہ بھی تھا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ یہاں فرشتوں اور ارواحِ پاکاں کے کچھ ایسے نفوس ہیں جو زمین والوں کی بڑے کاموں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کاموں میں تدبیر کرتے ہیں مثلاً عابد کے نفس کی اصلاح اس کی اولاد اور مال کی حفاظت

(تا) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض امور عالم اسباب میں فرشتوں کے سپرد کیے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دعائیں قبول کر لیتا ہے تو اس سے ان لوگوں نے یہ غلط نظریہ قائم کر لیا کہ شاید فرشتوں کو اور نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی اختیارات سونپ دیئے ہیں جیسے کوئی بادشاہ اپنے گورنروں اور ماتحت حکام کو سونپ دیا کرتا ہے اور یہی ان کے فساد عقیدہ کی جڑ تھی کہ انہوں نے ان دیکھی چیز کو دیکھی ہوئی چیز پر قیاس کر لیا اور کھلی غلطی کا شکار ہو گئے۔ (صفحہ ۱۲۵ ج ۱)

مشرکوں کا مسلمانوں کے ساتھ اس بات پر کلی اتفاق تھا کہ بڑے بڑے اور اہل اور محکم کاموں میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو اختیار نہیں دیا لیکن وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ نیک بندے جو ان سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تقرب الی اللہ کی وجہ سے بارگاہِ الٰہی میں مقبول اور مقرب ہو چکے اللہ تعالیٰ نے ان کو جزوی طور پر الوہیت کا منصب عطا فرمایا ہے سو وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرف سے عبادت کے مستحق ہیں جیسا کہ کوئی خادم بادشاہ کی خدمت کرتا ہے تو وہ اس خدمت کا صلہ یوں دیتا ہے کہ کسی اقلیم اور خطۂ ارض کا اس کو حاکم مقرر کر دیتا ہے تاکہ وہ من وجہ مخدوم ہو جائے اور لوگ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں۔

اور وہ لوگ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے اور ہمارے جیسے ضعیف اور کمزور لوگوں کی عبادت براہِ راست اللہ تعالیٰ تک کب پہنچ سکتی ہے؟ اس لیے ہمیں پہلے ان درمیانی واسطوں کا دروازہ کھٹکھٹانا

چاہیے اور ان کا تقرب حاصل کرنا چاہیے تاکہ یہ ہم سے راضی ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا رابطہ اور تعلق جوڑ دیں تاکہ ہم بھی خدا تعالیٰ تک پہنچ سکیں۔ (ص ۹۰ ج ۱)

اور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے نام بھی عبدالمسیح اور عبدالعزیٰ وغیرہ رکھ لیے تھے۔ (ص ۹۱)

حضرات آجکل بعض کلمہ گو مدعیانِ اسلام کا بھی یہی شرک ہے ایک رتی برابر فرق نہیں۔ کیا مافوق الاسباب سفارشوں کا نظریہ ان میں آج موجود نہیں ہے؟ یا عبدالرسول عبدالنبی اور پیراں دتہ وغیرہ نام آج سننے میں نہیں آتے؟ شرابِ شرک تو وہی پرانی ہے البتہ بوتلوں کی رنگت بدل دی گئی ہے اور لیبل بھی اسلامی لگا دیا گیا ہے۔ (ص ۱۲۵ تا ص ۱۲۷)

گلشنِ توحید و رسالت

مقبولانِ بارگاہ کی خلافت و نیابت اور حق اللہ اور حق رسول کا تلازم

اس امر کی بارہا وضاحت کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ذمہ داریاں ملائکہ کو سونپی ہوئی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے تدبیر و تصرف فرماتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام بھی امتوں کی ہدایت و ارشاد اور ان کے لیے امر و نہی کے منصب پر فائز ہوتے ہیں اور بعض کو نبوت و رسالت کے ساتھ ساتھ ظاہری حکومت و سلطنت بھی عطا کی گئی جس طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام اور نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی

اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے لازم اور ضروری قرار دیا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

(سورۃ النساء آیت ۶۴)

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورۃ النساء آیت ۸۰)

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (سورۃ النساء آیت ۵۹)

اور عصیان و نافرمانبرداری اور مخالفت کو حرام اور ممنوع قرار دیا:

مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○ (احزاب)

مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

(سورۃ الانفال آیت ۱۳)

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ○ (سورہ النساء آیت ۱۱۵)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی اور اپنی رضامندی کو ایک شے قرار دیا:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (سورۃ التوبہ آیت ۶۲)

الیٰ غیر ذٰلک من الآیات۔

انہیں کو ملحوظ رکھتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فی هٰذا وغیره بیان لتلازم الحقین و ان جهة حرمة الله تعالٰی وحرمة رسوله جهة واحدة فمن اٰذی الرسول

فقد اذی الله ومن اطاعه فقد اطاع الله لان الامة لا یصلون مابینھم وبین ربھم الا بواسطة الرسول۔ لیس لاحد منھم طریق غیرہ ولا سبب سواہ وقد اقامہ الله مقام نفسہ فی امرہ ونھیہ واخبارہ وبیانہ فلا یجوز ان یفرق بین الله ورسولہ فی شئ من ھذہ الامور۔ (صارم المسلول ص۴۱)

اس ارشادِ باری تعالیٰ اور دیگر ارشادات میں دونوں حقوق یعنی حق اللہ اور حق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں تلازم ثابت ہے اور اس امر کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حرمت وعزت کی جہت اور سبب ایک ہے پس جس نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایذاء دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء دی اور جس نے رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کیونکہ اُمت اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ربط وتعلق اور وصل وقرب نہیں حاصل کر سکتی مگر رسولِ معظم نبیِ محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے۔ ان میں سے کسی کے لیے سوائے آپ کے نہ کوئی ذریعہ اور راستہ ہے اور نہ کوئی سبب اور وسیلہ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنا قائم مقام بنا دیا ہے امر ونہی میں اور اخبار وبیان میں لہٰذا یہ جائز ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ان امور میں سے کسی امر میں تفریق کی جائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان امراء اور حکام کی بھی اطاعت لازم فرمائی۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔

(سورۃ النساء آیت ۵۹)

اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا،

من یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر

فقد عصانی۔ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ والقضاء)

جس نے میرے مقرر کردہ امیر اور حاکمِ اسلام کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانبرداری کی اس نے میری نافرمانبرداری کی لہٰذا یہ دیکھتے ہوئے کہ چونکہ کفار و مشرکین اپنے معبودات میں عطائی تصرفات تسلیم کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ بھی غلط اور باطل تھا لہٰذا ہمیں اپنے رسل و انبیاء میں اور ملائکہ مقربین میں عطائی قدرت و طاقت اور تدبیر و تصرف کو بھی تسلیم نہیں کرنا چاہیے اور جو یہ تسلیم کرے اس کو بھی قدیم مشرکین جیسا مشرک قرار دے دینا چاہیے اور ان دونوں میں رتی برابر فرق روا نہ رکھنا چاہیے سراسر لغو و باطل ہے اور قرآنِ مجید اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے اور دُنیا و آخرت میں موجب حرمان و خسران ہے۔

باہمی فرق کیا ہے؟

علامہ سرفراز صاحب نے چونکہ آیاتِ کلامِ مجید کو بھی نظرانداز کیا اور اپنے نقل کردہ ان اقوال میں بھی حتی المقدور کتمانِ حقیقت سے کام لیا جن میں بُت پرستی کی حقیقت بیان کی اور اگر کوئی لفظ اس حقیقت پر دلالت کرنے والا

غیرارادی طور پر ان کی زبان قلم پر آبھی گیا تو انہوں نے اس پر غور و فکر اپنے آپ پر حرام کر لیا ورنہ ایسی الجھن میں مبتلا نہ ہوتے اور اُمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر شرک اور کفر کے فتوے لگا کر ظلمِ عظیم اور عدوان و طغیان کے مرتکب نہ ہوتے مگر، علاجِ خود کردہ را علاجے نیست۔

آیئے دیکھیں اہلِ اسلام اور مشرکین میں کیا فرق ہے؟

۱۔ مشرکین نے ان اصنام و اوثان اور صور و تماثیل میں ایسے اختیارات و تصرفات تسلیم کیے جو نہ ان کو اللہ تعالیٰ نے دیئے اور نہ ہی وُہ ان کے اہل تھے۔

۲۔ مشرکین نے اپنے معبوداتِ باطلہ میں الوہیت تسلیم کی حالانکہ الوہیت عطائی ہو ہی نہیں سکتی اور نہ ہی وُہ قدرتِ باری کے عطا و ایجاد کے تعلق کے لائق اور سزاوار ہے۔ غیر اللہ کو شریک اور الٰہ بنانا ممتنعات میں سے ہے، جبکہ وُہ متعلقاتِ قدرت میں سے نہیں ہیں۔

۳۔ مشرکین نے ان کو دنیوی نوابوں اور گورنروں وغیرہ پر قیاس کیا جو اپنے دائرہ کار میں خود بخود متصرف و مدبر ہوتے ہیں اور حاکمِ اعلیٰ ان کے تدبیرات اور تصرفات میں رکاوٹ نہیں بنتا یا ان میں موجود صلاحیتوں اور استعدادوں کو بروئے کار لانے کی اجازت دے دیتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ہر ہر امر میں خود مؤثرِ حقیقی اور مدبرِ حقیقی ہے مثلاً ملک الموت قبضِ ارواح میں سبب اور کاسب ہے خالقِ موت اللہ تعالیٰ ہے۔ ہدایت خلائق میں انبیاء علیہم السلام سبب اور کاسب ہیں مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، و سیاتی تحقیقہ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۴۔ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کو تدبیرِ کائنات میں ان کا محتاج سمجھا اور اکیلے

تمام تر مخلوق میں تدبیر و تصرّف سے قاصر سمجھا۔ کما قال تعالیٰ:

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝

(سورہ ص آیت ۵)

۵۔ مشرکین نے اس مفروض و مظنون تدبیر و تصرّف کی وجہ سے اپنے معبودات کو لائقِ عبادت سمجھا اور ان کی عبادت کا التزام کیا حالانکہ عبادت کمالاتِ ذاتیہ کی متقاضی ہے عطائی کمالات اور قدرت و اختیارات اطاعت کا وارو مدار ہو سکتے ہیں، (بشرطیکہ عطا بھی ہوں) نہ کہ عبادت کا۔

۶۔ مشرکین نے اپنے فرضی مدبرین اور متصرفین کو تو الوہیت اور خداوندی کا درجہ دے دیا اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے مصلحین اور مرشدین اور ہادیوں، رہبروں کو رسُول و نبی بھی ماننے کو تیار نہ ہوئے بلکہ ان کی ایذا رسانی اور توہین و تحقیر بلکہ قتل کی سازشوں میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

۷۔ رسُولوں اور نبیوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ راستہ پر چلنے اور نظریہ و عقیدہ اور عمل و کردار اپنانے اور تحریم و تحلیل میں ان کی اتباع و اطاعت کی بجائے اپنے رؤساء اور اکابر کی اطاعت و اتباع اور اقتداء و پیروی کو ترجیح دی، وغیر ذٰلک من الضلالات۔

لیکن اہلِ اسلام بحمداللہ تعالیٰ ان تمام ضلالات اور کفریات اور شرکیہ حرکات سے محفوظ و مصئون اور منزّہ و مبرّا ہیں اور بالخصوص اہلِ سُنّت وجماعت اور اگر کوئی عامی ان ضلالات میں مبتلا ہو تو اس کی وجہ سے علماءِ اعلام اور خواص کو موردِ الزام ٹھہرانے اور مجرم گرداننے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

نعم اگر زائراں اعتقاد کنند کہ اہلِ قبور متصرف و مستبد و قادر اند بے توجہ حضرت حق و التجاء بجناب وے چنانکہ عوام جاہلاں غافلاں اعتقاد دارند چنانکہ میکنند آنچہ حرام و منہی عنہ است از تقبیل قبر و سجدۂ آں و نماز بسوئے وے و آں آنچہ نہی تحذیر واقع شدہ است ایں اعتقاد و ایں افعال ممنوع و حرام خواہد بود و فعل عوام اعتبارے ندارد و خارج مبحث است و حاشا کہ عالم شریعت و عارف باحکام دین کہ اعتقاد بکند ایں اعتقاد را و ایں فعل را بکند۔

(اشعۃ اللمعات ص ۲۰۱ جلد سوم)

ہاں اگر قبورِ اولیاء کی زیارت کرنے والے یہ عقیدہ رکھیں کہ اہلِ قبور خود متصرف کرنے والے ہیں اور مستقل طور پر تصرف کرتے ہیں اور صاحبِ قدرت ہیں بارگاہِ خداوند تعالیٰ کی طرف توجہ اور التجا کیے بغیر جیسے کہ عوام جاہل اور غافل عقیدہ رکھتے ہیں چنانچہ ایسے افعال کرتے ہیں جو حرام اور ممنوع ہیں یعنی قبور کو بوسہ دینا اور سجدہ کرنا اور ان کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرنا وغیرہ جو کہ ممنوعہ اور قابلِ احتراز امور ہیں تو ان کا یہ اعتقاد اور یہ افعال ممنوع اور حرام ہوں گے اور عوام کے افعال کا اعتبار نہیں ہے اور وہ موضوعِ بحث سے خارج ہیں۔ شریعت کا علم رکھنے والے اور احکامِ دین کے عارف اس سے بہت دُور اور محفوظ ہیں کہ وہ ایسا عقیدہ رکھیں اور ایسے فعل کریں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ کا ارشاد بھی گزر چکا، کہ وہ امور جن کا عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے مثلاً فرزند عطا کرنا، بارش برسانا

امراض کا دُور کرنا اور عُمر میں طوالت و درازی عطا کرنا وغیرہ کسی غیر اللہ سے طلب کرنا اس طرح پر کہ اس کو عطا میں مستقل سمجھا جائے بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا و سوال نیت میں ہو ایسی استعانت و استمداد حرام مطلق بلکہ کفر ہے اور اگر کوئی مسلمان اولیاء کرام سے خواہ بقیدِ حیاتِ ظاہرہ ہوں یا دارِ بقا میں ہوں ایسی استمداد کرے تو دائرہ مسلمانی سے خارج ہو جائے گا بخلاف بُت پرستوں کے کہ وُہ یہی استعانت اپنے معبوداتِ باطلہ سے کرتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

مدارِ توحید اور شرک کیا ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اعلم ان للتوحید اربع مراتب، یعنی واضح ہو کہ توحید کے چار مرتبے ہیں، پہلا یہ ہے کہ وجوب الوجود کی صفت کو باری تعالیٰ کے ساتھ خاص کر دے پس اس کے ہاں اس کے سوا کوئی واجب الوجود نہ ہو۔ اور دُوسرا مرتبہ یہ ہے کہ عرش آسمان اور زمین اور تمام جواہر کا خالق خُدا تعالیٰ ہی کو سمجھے۔ یہ دونو مرتبے ایسے ہیں جن سے کتبِ الٰہیہ میں بحث نہیں کی گئی۔ اور نہ ہی مشرکینِ عرب یہود و نصاریٰ نے ان میں مخالفت کی ہے بلکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ دونو مرتبے سب کے نزدیک مُسلّم ہیں۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا مدبر خُدا تعالیٰ کو سمجھے۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اس کے سوا دُوسرا کوئی مستحقِ عبادت نہیں ہے ان دونو مرتبوں میں قدرتی ربط و تعلق ہے اور یہ دونو لازم

و لزوم ہیں۔

ان دو نو مرتبوں میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے ان میں تین بڑے فرقے ہیں۔ پہلا فرقہ مجوسوں (صابئین) کا ہے جو کہتے ہیں کہ ستارے عبادت کے لائق ہیں، اور ان کی پرستش سے دنیوی منفعت حاصل ہوتی ہے اور اپنی حاجات انکے سامنے پیش کرنا بجا اور درست ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس امر کی خوب تحقیق کر لی ہے کہ روزمرہ کے حوادث میں انسان کی سعادت اور بدبختی میں، تندرستی اور بیماری میں ستاروں کا بڑا اثر اور دخل ہے اور ان کیلئے نفوس مجردہ ہیں جو ان کو حرکت میں لاتے ہیں اور وہ اپنے عبادت گزاروں سے بیخبر نہیں۔

پس ان لوگوں نے ان کے نام پر مورتیاں بنا کر پرستش کی۔

دوسرا فرقہ مشرکین کا ہے جو اہل اسلام کے ساتھ اس بات میں تو متفق ہیں کہ تمام بڑے کاموں کی تدبیر خدا وند تعالیٰ کرتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے اس میں کسی کو کچھ اختیار نہیں۔ لیکن باقی امور میں مسلمانوں کے مخالف ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اچھے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کی اور وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہو گئے پس اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت عطا فرما دی جس کی وجہ سے وہ پرستش کے مستحق ہو گئے جیسے کوئی شخص بادشاہ کی حد درجہ خدمت کرے تو اس کے صلہ میں بادشاہ اس کو کسی ملک کی حکومت و سلطنت عطا کر دے اور اپنے کسی شہر کی حکومت سپرد کر دے تو وہ اس کا مستحق ہے کہ اس شہر کے لوگ اس کی خدمت اور اطاعت کریں اور اس کی بات سنیں۔

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا کی عبادت ان کی عبادت کیساتھ شامل کیے بغیر

مقبول نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کا رتبہ نہایت بلند ہے پس اس کی عبادت سے تقربِ الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ اِن کی پرستش ضروری ہے تاکہ یہ قربِ الٰہی کا ذریعہ بن جائیں اور وُہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وُہ سُنتے؛ دیکھتے ہیں اور اپنے پجاریوں کی سفارش کریں گے اور ان کے امور کی تدبیر کرتے ہیں اور ان کی نصرت و امداد کرتے ہیں۔

پس ان کے ناموں کے پتّھر تراش لیے جب وُہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے تو ان پتھروں کو اپنی توجہ کا قبلہ بناتے تھے پھر ان مشرکین کے بعد اور لوگ پیدا ہُوئے انہوں نے ان پتّھروں میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہ کیا جن کے لیے یہ پتّھر تراشے گئے تھے اور خود انہی پتّھروں کو معبود قرار دے لیا اسی لیے خُدا تعالیٰ نے ان کے رد میں کبھی تو اس طرح متنبہ کیا کہ حکم اور ملک صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور کبھی بیان فرمایا کہ یہ جمادات ہیں کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وُہ چلتے ہیں اور کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن سے سُن سکتے ہیں؟

تیسرا فرقہ نصارٰی کا ہے جنہوں نے کہا کہ مسیح علیہ السّلام کو خُدا تعالےٰ سے خاص تقرب ہے اور تمام مخلوق سے ان کا مرتبہ بلند ہے اس لیے ان کو بندہ کہنا مناسب نہیں ورنہ وُہ دُوسروں کے برابر ہو جائیں گے اور یہ ان کی بے ادبی ہے اور ان کے قربِ خُداوندی کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے پھر بعض نصارٰی نے اس خصُوصیت کے اظہار کے لیے ان کو ابن اللہ سے

تعبیر کیا کیونکہ باپ بیٹے پر رحم کرتا ہے اور اسکی اپنی نگرانی میں تربیت کرتا ہے اور چونکہ وُہ عام بندوں سے بلند مرتبت ہیں لہٰذا ان کے لیے یہی اسم اور لقب موزوں ترین ہے اور بعض نے ان کا نام اللّٰہ رکھ دیا یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے ان میں حلول کیا ہُوا ہے اور ان کا باطن وہی ہے اور اسی لیے ان سے ایسے آثار اور عجائبات صادر ہُوئے جو آج تک کسی بشر سے نہیں ہوئے مثلاً مُردوں کا زندہ کر دینا، پرندوں کو پیدا کرنا، پس عیٰسی علیہ السّلام کا کلام بعینہٖ اللّٰہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ان کی عبادت بالکل خدا تعالیٰ کی عبادت ہے۔

ان کے بعد اور لوگ پیدا ہُوئے جنہوں نے اس نام کی وجہ تسمیہ کو نہ سمجھا اور وُہ بیٹے کے لفظ کو حقیقی معنیٰ میں استعمال کرنے لگ گئے یا ان کو من جمیع الوجوہ واجب الوجود سمجھنے لگ گئے۔ اسی لیے اللّٰہ تعالیٰ نے ان کے اقوال کو کبھی اس طرح رد کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی بیوی ہی نہیں بیٹا کہاں سے ہوگیا اور کبھی اس طرح تردید فرمائی کہ وُہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس کے امر کن سے ہی ہر چیز پیدا ہو جاتی ہے پھر اس کو بیٹا بنانے کی کیا ضرورت ہے۔

(حجۃ اللّٰہ البالغہ باب التوحید ص۱۱۹ تا ص۱۲۱)

نیز فرماتے ہیں:

واضح ہو کہ عبادت نہایت درجہ عاجزی اور تواضع کا نام ہے اور کسی سے غایت تواضع اور عجز کے اظہار کی دو صورتیں ہیں مثلاً ایک شخص کا کھڑا ہونا دوسرے کا سجدہ کرنا یا قصد و ارادہ اور نیت سے ہوتی ہے مثلاً سجدہ کے ذریعے بندے اپنے مولیٰ کی تعظیم کا قصد کرتے اور قیام کے ذریعے رعیت

اپنے بادشاہ کی تعظیم کا اور شاگرد اپنے استاد کی تعظیم کا اور کوئی تیسری صورت تعظیم کی نہیں ہے لیکن جب یہ ثابت ہو چکا کہ ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا اور اس طرح ان کی تعظیم کی حالانکہ سجود سے بڑھ کر اور کوئی تعظیم نہیں ہے تو ضروری ہوا کہ تعظیم عبادت اور غیر عبادت تعظیم میں نیت کے ذریعے ہی فرق کیا جائے پس اس کی یوں تنقیح کی جائے گی کہ تذلل یہ چاہتا ہے کہ متواضع اور عاجز میں ضعف ہو اور قوی اور عزیز میں قوت ہو۔ ذلیل اور عاجز میں ذلت اور پستی کو ملحوظ رکھا جائے اور دوسرے میں شرف اور رفعت کو ملحوظ رکھا جائے ذلیل اور عاجز میں اطاعت و فرمانبرداری اور دوسرے میں تسخیر اور نفاذِ حکم کا لحاظ رکھا جائے اور جب انسان کو اپنے حال پر چھوڑیں تو وہ ضرور بالضرور یہ بات معلوم کر لیتا ہے کہ قوت، شرف اور تسخیر وغیرہ جن کو کمالات سمجھا جاتا ہے ان کے دو درجے ہیں ایک درجہ اور مرتبہ تو وہ ہے جسکو اپنی ذات اور اپنے مشابہ اشیاء میں پاتا ہے اور دوسرا درجہ وہ ہے جو حدوث و امکان کے داغ سے منزہ و مبرا ذات میں پایا جاتا ہے یا ان میں جنکی طرف اس بلند بالا ذات کے خصوصیات میں سے کوئی شے منتقل ہو تو علم غیب کے بھی دو مرتبے ہیں ایک وہ مرتبہ ہے جو غور و خوض اور مقدمات کے ترتیب دینے سے یا ذہن کے حدس یا خواب اور الہام وغیرہ ایسے اسباب سے معلوم کیا جائے جو اس سے جدا نہ ہوں۔ دوسرا مرتبہ علم ذاتی کا ہے جو کہ خاص بذات عالم کا مقتضیٰ ہے جس کو وہ کسی دوسرے سے نہ حاصل کر سکتا ہے اور نہ اس

کو استدلال سے حاصل کرتا ہے۔ اور ایسے ہی تدبیر، تاثیر اور تسخیر وغیرہ کے الفاظ سے جس معنیٰ کو تعبیر کیا جاتا ہے انسان اپنے طور پر اس میں بھی دو درجے سمجھتا ہے ایک یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء و قویٰ کو بروئے کار لایا جائے اور مزاجی کیفیات حرارت و برودت وغیرہ سے امداد لی جائے یا اس کی مانند دیگر امور سے امداد لی جائے جن کی استعداد قریب یا بعید اس میں موجود ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ بغیر کیفیتِ جسمانیہ وغیرہ کو استعمال کیے کسی چیز کو پیدا کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کن کہتے ہی کر دیتا ہے۔

اور ایسے ہی انسان عظمت و شرف اور قوت کے بھی دو درجے اور مرتبے سمجھتا ہے ایک وُہ مرتبہ ہے جو کہ بادشاہ کو رعیت پر باعتبار کثرت اعوان اور مالی فراوانی کے حاصل ہوتا ہے یا طاقتور کو کمزور پر اور استاد کو شاگرد پر الغرض ان میں باہم ایک قسم کی مشارکت نفسِ عظمت میں پائی جاتی ہے لیکن دوسرا درجہ عظمت کا وُہ ہے کہ جو صرف اس ذات میں پایا جاتا ہے جس کی رفعت و شان نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔

اور آپ اس راز اور سر کی تحقیق و تفتیش میں بس نہ کریں جب تک اس بات کا یقین نہ کرلیں کہ جو شخص سلسلۂ ممکنات کو ایسے واجب کی طرف انجام پذیر سمجھتا ہے کہ وُہ کسی دُوسرے کا محتاج نہیں تو وُہ ان تمام صفات کو جو مقامِ مدح میں ذکر کی جاتی ہیں دُو درجوں میں تقسیم کرتا ہے ایک وُہ جو شانِ خداوندی کے لائق ہو اور دُوسرا وُہ جو اس کی اپنی حالت اور شان کے لائق ہو اور چونکہ وُہ الفاظ

جو دونو درجوں اور مرتبوں کی تعبیر میں استعمال کیے جاتے ہیں باہم معنی کے لحاظ سے قریب قریب تھے پس بسا اوقات نصوصِ الٰہیہ کو ان سے مُراد و مقصُود معانی کی بجائے دُوسرے معانی پر محمول کیا جانے لگا اور بسا اوقات اِنسان جب اپنے بعض بنی نوع افراد سے یا ملائکہ وغیرہ سے کوئی کام اور فعل واثر صادر ہوتا دیکھے جو ابنائے جنس سے بعید معلوم ہوتا ہے تو اس کی نظر میں اصلی حالت مشتبہ ہو جاتی ہے تب اس کے لیے وُہ قدسی مرتبہ اور تسخیرِ الٰہی ثابت کرتا ہے حالانکہ لوگ اس مرتبہ کی شناخت اور عدم شناخت میں برابر نہیں ہیں۔ بعض وُہ ہیں جو ان انوار کی قوتوں کا احاطہ کر لیتے ہیں جو موالید پر غلبہ پانے والے ہوتے ہیں اور ان کو اپنے ہم جنس سے ممتاز کر لیتے ہیں اور بعض میں ان انوار کی قوتوں کے احاطہ کی تاب و تواں نہیں ہوتی اور ہر انسان اپنی استعداد اور استطاعت کے مطابق مکلف ہوتا ہے۔ (ما)

تشبیہ اور نجُوم کے ساتھ شرک اور ان عباد صالحین کے ساتھ شرک جن سے خوارق عادات کا ظہور ہُوا مثلاً کشف اور قبولیت دُعا وغیرہ مشرکین میں موروثی تھا اس لیے اللہ تعالٰی نے جس قوم میں بھی کوئی نبی مبعوث فرمایا تو اس کیلئے لازم ٹھہرایا کہ وُہ انہیں شرک کی حقیقت سمجھائے اور دونو درجوں کا باہمی امتیاز بیان کرے اور مقدس ترین اور بلند و بالا درجہ کو واجب تعالٰی میں منحصر کرے اگرچہ الفاظ باہم قریب قریب ہی کیوں نہ ہوں جیسے کہ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبیب کو فرمایا کہ تُو صرف رفیق ہے طبیب تو صرف اللہ تعالٰی ہی ہے اور جیسے فرمایا کہ سید تو صرف اللہ تعالٰی ہے ان حدیثوں میں طبیب اور

سیّد کے خاص معانی مُراد لیے گئے ہیں (اگرچہ عام معنیٰ کے اعتبار سے دُوسروں کو طبیب اور سیّد کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے)۔

جب رسُولِ معظّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے صحابہ کرام اور حاملین دین کا زمانہ گزر گیا اور ناخلف لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور خواہشات کی پیروی کی اور ان مستعلہ الفاظ اور باہم مشتبہ اطلاقات سے غیر مقصودی معانی مُراد لینے لگے جیسے کہ محبوبیت اور شفاعت کو اللہ تعالیٰ نے تمام شریعتوں میں خاص بندگانِ خداوند تعالیٰ کے لیے ثابت کیا ہے لیکن لوگ اس کے مناسب اور موزوں معانی مُراد نہیں لیتے۔ ایسے ہی خوارق عادات اور مکاشفات سے وُہ لوگ یہ مُراد لیتے ہیں کہ علمِ الٰہی اور اس کی قدرت و تسخیرِ اعلیٰ اس بندے میں منتقل ہو گئے ہیں جو ایسے کام کرتا ہے۔ حالانکہ یہ امور حقیقت میں ناسوتی اور روحانی قوتوں کا فیض ہیں جو بندے میں تدبیرِ الٰہی کے خاص انداز میں نزول کی اہلیت وصلاحیت پیدا کرتے ہیں اور یہ اس ایجادِ خاص اور خاص امور سے نہیں جو واجب تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔ (تا)

اوّل اوّل مجھ پر توحیدِ خاص کا یہ علم اس طرح منکشف ہوا کہ میرے سامنے ایسی قوم پیش کی گئی جو ایک چھوٹی سی زہریلی مکھی کے لیے سجدہ کرتی تھی جو ہمیشہ اپنی دُم اور ہاتھ پاؤں ہلاتی رہتی تھی تو میرے دل میں القا ہُوا کہ کیا تو ان میں بھی شرک کی تاریکی پاتا ہے اور ان کو ان کے گناہوں نے بھی اس طرح گھیر رکھا ہے جس طرح بُت پرستوں کو؟ میں نے کہا نہیں کیونکہ انہوں نے مکھی کو اپنا قبلہ قرار دیا ہے اور انہوں نے تذلّل کے ایک درجہ کو دُوسرے کے ساتھ خلط ملط نہیں

کیا (جو واجب تعالیٰ کے ساتھ مختص تھا) تو مجھے کہا گیا تجھے اس راز کی ہدایت اور رہنمائی ہو گئی تو اس دن سے میرا دل اس علم سے بھرپور ہو گیا اور مجھے کامل بصیرت حاصل ہو گئی اور میں نے توحید و شرک کی حقیقت معلوم کر لی۔

(حجۃ اللہ البالغہ مع ترجمہ باب فی بیان حقیقۃ الشرک ص۱۲۱ تا ۱۲۵)

اور جن امور کو شریعت مطہرہ نے اس اشتراک کا محل و موقعہ قرار دیا ہے اور میں نے عبادت کا تدبیر و تصرف کے ساتھ ارتباط معلوم کر لیا۔

فوائد و ثمرات

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ وجوب الوجود میں عرش و کرسی اور سمٰوٰت والارض و دیگر جواہر کی تخلیق میں اور آسمانوں اور زمینوں میں موجود ہر چیز کی تدبیر و تصرف میں منفرد و یکتا ہے اور عبادت بھی اسی کا حق ہے کیونکہ تدبیر اور عبادت باہم لازم و ملزوم ہیں نیز مخلوقات اور خالق جل وعلیٰ میں صفات کمالیہ پر دلالت کرنے والے الفاظ گو ایک جیسے ہیں لیکن ان کے معانی مقصودہ بالکل مختلف اور متباین ہیں۔ اور جو معانی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں ان کے ارادے سے غیر اللہ پر ان کا اطلاق شرک ہے اگر مخلوق کے شایانِ شان معنی مُراد لیے جائیں خواہ وہ ان کے ناسوتی اور روحانی امتیازات و اختصاصات پر دلالت کرنے والے ہی کیوں نہ ہوں شرک لازم نہیں آئے گا مثلاً علم جتنا بھی عام اور محیط ہو لیکن تقاضائے ذات نہ ہو قدرت و طاقت اور تسخیر و تدبیر درجۂ غایت کو نہ پہنچی ہو جس کو کُن فیکون سے تعبیر کیا

جاتا ہے خواہ جس قدر بھی اس کا دائرہ اثر وسیع کیوں نہ ہو، وغیر ذلک۔

اور اسی فرق کو صفاتِ ذاتیہ اور عطائیہ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

ان اللّٰہ خلق اٰدم علی صورتہ۔ (بخاری شریف)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفات پر پیدا فرمایا، اور مظہرِ کمالاتِ خاصہ بنایا اور جوں جوں بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے تو اس کے حواس و مشاعر اور صفات و کمالات ناسوتیہ اور روحانیہ میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تصرف کی کیفیت بھی مختلف ہوتی چلی جاتی ہے۔ دیکھنا آنکھوں سے ہے اور سننا کانوں سے ہے مگر یہ آنکھیں اور کان اپنے متعلقات کے ساتھ تعلق اور ان کے ادراک میں ان سے ممتاز ہو جاتے ہیں جن کو یہ قرب حاصل نہیں ہوتا

کما قال کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ الحدیث۔

نہ یہ کہ بعینہ صفاتِ باری تعالیٰ یا اس کی ذات اس بندہ مقرب میں منتقل ہو جاتی ہے جس کو خلعت الوہیت عطا کرنے اور حلول و اتحاد سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ سراسر شرک ہے

اِستقلال و عدمِ استقلال اور خلق و کسب کا فرق،

یہ حقیقت تو محتاجِ وضاحت نہیں کہ تمام تر مخلوقات ملائکہ اور جنات، انسان اور حیوانات کے ساتھ مختلف اقسام کے افعال و اعمال قائم ہیں مگر وہ ان سے

بالاختیار صادر ہیں یا نہیں؟ اس میں مذاہب مختلف ہیں۔ جبریہ اس کے قائل ہیں کہ عباد اپنے افعال و اعمال میں مجبور محض ہیں اور مُردہ بدست زندہ یا قلم بدست کاتب کی مانند ہیں جبکہ قدریہ عباد کو ان میں قادرِ مطلق اور خالق تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اہل السُنّت وجماعت عباد کو نہ مجبور محض مانتے ہیں اور نہ مختارِ مطلق بلکہ دونوں درجوں کے درمیان کیونکہ رعشہ والے آدمی اور تندرست آدمی کی حرکات میں فرق واضح اور بیّن ہے پہلے کو حرکات میں مجبور محض سمجھا جائے گا لیکن دوسرے کو فی الجملہ با اختیار سمجھا جائے گا۔ علماء کلام نے کتبِ کلامیہ میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور قرآنِ مجید میں بھی اس پر واضح الدلالت آیات موجود ہیں۔

۱۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں :

"در عالم سہ طائفہ اند جبریاں میگویند کہ ہیچ اختیار نداریم و مانند سنگ و چوب بے اختیار از ما حرکات سر بر می زند و قدریاں می گویند کہ اختیار تمام داریم و حرکات و افعال ما بہ ایجاد ما از ما صادر میگردد و ایں ہر دو طائفہ مردود و بر طریقہ نامحمود اند چہ طائفہ اوّل ابطال شرائع و تکلیفات می کنند و طائفہ دوم دعوی شرکت در کار خانہ خالقیت می نمایند پس ایں دو لفظ (ایاک نعبد و ایاک نستعین) برائے رد عقیدہ آں ہر دو طائفہ آوردہ اند۔ ایاک نعبد رد عقیدہ جبریہ است و ایاک نستعین رد عقیدہ قدریہ و راہ راست نصیب طائفہ سوم است کہ سنیاں باشند می گویند کہ بندگی می کنیم و توفیق از تو میجوئیم"

(تفسیر عزیزی جلد اوّل صـ)

جہان میں تین گروہ ہیں۔ جبری کہتے ہیں کہ ہم ذرہ بھر اختیار نہیں رکھتے اور پتھر اور لکڑی کی مانند بے اختیار ہم سے حرکات سرزد ہوتی ہیں اور قدری کہتے ہیں کہ ہم کامل اختیار رکھتے ہیں اور حرکات و افعال ہم سے ہمارے پیدا کرنے سے سرزد ہوتے ہیں اور یہ دونو گروہ مردود ہیں اور ناپسندیدہ طریقہ پر ہیں کیونکہ پہلا گروہ شرائع اور تکلیفات کو باطل ٹھہراتا ہے اور دُوسرا گروہ اللہ تعالیٰ کے کارخانہ خالقیت میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے لہٰذا یہ دونو لفظ ان دونو گروہوں کے رد و قدح کے لیے لائے گئے ہیں۔ ایاک نعبد عقیدہ جبر کا رد ہے اور ایاک نستعین عقیدہ قدر کا رد ہے اور راہِ راست تیسرے گروہ کا نصیب و مقدر ہے جو کہ سُنی ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم بندگی کرتے ہیں اور توفیق تجھ سے طلب کرتے ہیں۔

۲۔ اسی درمیانے راستہ کو علم کلام میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وللعباد افعال اختيارية يثابون عليها ان كانت طاعة ويعاقبون عليها ان كانت معصية لا كما زعمت الجبريه ان لا فعل للعبد اصلا وان حركاته بمنزلة حركات الجمادات لا قدرة له عليها ولا قصد ولا اختيار (الیٰ) لما ثبت بالبرهان ان الخالق هو الله سبحنه وتعالیٰ (كقوله خالق كل شئ) وبالضرورة ان لقدرة العبد وارادته مدخلا فی بعض الافعال كحركة البطش دون البعض

بحرکۃ الارتعاش احتجنا فی التفصی عن ھذا المضیق الی القول بان اللّٰہ ھو الخالق والعبد کاسب، و تحقیقہ ان صرف العبد قدرتہ وارادتہ الی الفعل کسب وایجاد اللّٰہ الفعل عقیب ذٰلک خلق والمقدور الواحد داخل تحت القدرتین لکن بجہتین مختلفتین، فالفعل مقدور اللّٰہ بجہۃ الایجاد ومقدور العبد بجہۃ الکسب وھٰذا القدر من المعنٰی ضروری الخ۔

(شرح عقائد نسفی علامہ التفتازانی رحمہ اللّٰہ)

بندوں کے لیے افعال اختیاریہ ہیں جن پر انہیں ثواب دیا جاتا ہے اگر طاعت کے قبیل سے ہوں اور ان پر عذاب دیا جاتا ہے بشرطیکہ معصیت کے قبیل سے ہوں۔ نہ جیسے کہ جبریہ نے گمان کیا ہے کہ بندے کا سرے سے کوئی فعل نہیں اور اس کی حرکات جمادات کی حرکات کی مانند ہیں (جبکہ انہیں کوئی انسان حرکت دے) نہ اسے ان پر قدرت حاصل ہے اور نہ ہی قصد اور ارادہ اور اختیار لیکن جب دلیل سے ثابت ہو چکا کہ صرف اللّٰہ تعالیٰ ہی خالق ہے (جیسے قولِ باری تعالیٰ وُہ ہر چیز کا خالق ہے اور فعل عبد بھی شے ہے) اور یہ امر بھی بدیہی اور واضح ہے کہ بندے کی قدرت اور ارادہ کو بعض افعال میں دخل ہے جیسے حرکت بطش اور گرفت ارادی اور بعض میں دخل نہیں جیسے کہ رعشہ والے کی حرکت تو ہم اس مشکل سوال اور تنگنا سے خلاصی کے لیے اس قول کی طرف محتاج و مضطر ہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ خالق ہے اور بندہ کاسب ہے اور تحقیق اس

کی یہ ہے کہ بندے کا اپنی قدرت اور ارادہ کو فعل کی طرف پھیرنا کسب ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس کے بعد فعل کو ایجاد کرنا خلق ہے اور مقدور واحد دو قدرتوں کے نیچے داخل ہے لیکن چونکہ مختلف جہات سے ہے (لہٰذا اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے) پس فعل عبد مقدور باری تعالیٰ ہے از روئے ایجاد اور مقدور عبد ہے از روئے کسب اور اس قدر معنیٰ و مقصود بدیہی اور واضح ہے اگرچہ اس سے زیادہ واضح اور روشن عبارت اس مدعا کے بیان کرنے کے لیے ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔

اشاعرہ اور ماتریدیہ کا باہمی فرق

اس بارے میں اشاعرہ اور ماتریدیہ سُنیوں کا باہم اختلاف ہے کہ آیا قدرت عبد کے تعلق کے بعد فعل کا تحقق محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا ہے یا اس ایجاد و تحقق میں بندے کی قدرت کا کچھ دخل ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی سے یہ بحث بھی سماعت فرماویں اور جبریہ و قدریہ کا اس آیت کریمہ سے رد و قدح بھی ملاحظہ فرماویں۔

۴۔ وعندی ان الاٰیۃ ان استدل بھا علیٰ شیٔ من بحث خلق الافعال فلیستدل بھا ان للعباد قدرا مؤثرۃ باذن اللہ تعالیٰ لا بالاستقلال کما عقدت علیہ خنصر عقیدتی لا انھم لیس لھم قدرۃ اصلا فی جمیع افعالھم کحرکۃ المرتعش کما یقولہ الجبریہ

اذا لضرورة تكذبه ولا ان لهم قدرة غير موثرة ابداً
كاليد المشلولة كما هو الشائع من مذهب الاشاعرة
اذ هو فى المآل كقول الجبرية وایّ فرق بين قدرة
لا اثر لها وبين عدم القدرة بالكلية الا بما هو كسراب
بقيعة يحسبه الظمآن ماء حتى اذا جاءه لم يجده
شيئاً ولا ان لهم قدرة مستقلة فى الافعال يفعلون
بها ماشاءوا فان الله تعالىٰ يريد ما لا يفعله العبد ويفعل
العبد ما لا يريده الله تعالىٰ كما يقول المعتزلة اذ
يرد ذٰلك النصوص القواطع كما ستسمعه ان شآء الله تعالىٰ -
و وجه الاستدلال ان اياك نعبد مشير الىٰ
صدور الفعل من العباد وذٰلك يستدعى قدرة يكون
بها الايجاد ومن لا قدرة له اوله قدرة لا مدخل
لها فى الايجاد لا يقال له اوجد وصحة ذٰلك باعتبار
الكسب كيفما فسر لا يرتضيه المنصف العاقل و
قوله اياك نستعين يدل علىٰ نفى الاستقلال فيه و
انه باذن الله تعالىٰ واعانته كما يشير اليه لا حول
ولا قوة الا بالله وهٰذا هو اللبن السائغ الذى من
بين فرث ودم فلا جبر ولا تفويض فاحفظه و
وانتظر تتمته - (رص ۸۲ ج ۱)

میرا نظریہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ سے اگر افعال عباد کے مخلوقِ باری تعالیٰ ہونے پر استدلال کیا جائے تو چاہیے کہ اس پر بھی استدلال کیا جائے کہ بندوں کے لیے باذن اللہ مؤثر قدرتیں حاصل ہیں نہ کہ مستقل طور پر جیسے کہ اس عقیدہ پر میری عقیدت کی جھنگل بند کی گئی ہے، نہ یہ کہ ان کے لیے بالکل قدرت نہیں ہے بلکہ ان کے تمام افعال رعشہ والے کی حرکات کی مانند ہیں جیسے کہ جبریہ کا قول ہے کیونکہ ضرورۃ و بداہت اس کو جھٹلاتی ہے اور نہ یہ کہ ان میں غیر موثر قدرت ہی موجود ہے جیسے کہ شل ہاتھ جیسے کہ اشاعرہ کا مشہور مذہب ہے، کیونکہ یہ مذہب مآل اور انجام کے اعتبار سے جبریہ کے مذہب کی مانند ہے۔ اور کونسا فرق ہے ایسی قدرت میں جس کے لیے تاثیر نہیں اور بالکلیہ عدم قدرت میں مگر مانند سراب کے چٹیل میدان میں جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے حتیٰ کہ جب اس کے قریب پہنچتا ہے اس کو کوئی شے نظر نہیں آتی اور نہ یہ کہ ان کے لیے مستقل قدرت ہے اپنے افعال میں جس کے ذریعے جو چاہیں کر سکتے ہیں کبھی اللہ تعالیٰ ایسے امر کا ارادہ فرماتا ہے کہ بندہ اس کو نہیں کرتا اور کبھی بندہ ایسا فعل صادر کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ نہیں فرماتا جیسے کہ معتزلہ کہتے ہیں کیونکہ اس کو بھی قطعی نصوص رد کرتے ہیں جیسے کہ تو سنے گا، انشاء اللہ تعالیٰ

اس آیت کریمہ ، اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِینُ سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ قولِ باری تعالیٰ ایاک نعبد اس پر دلالت کرتا ہے کہ بندوں سے افعال صادر ہوتے ہیں اور افعال کا سرزد ہونا ایسی قدرت کا تقاضا کرتا ہے جس کے ذریعے ایجاد پائی جائے، یہ جس میں سرے سے قدرت ہی نہیں یا قدرت ہے لیکن اس کا صدور

فعل میں دخل نہیں تو اس کو نہیں کہہ سکتے کہ اس نے فعل کو صادر کیا اور ایجاد کیا اور افعال کے صدور کی نسبت عباد کی طرف باعتبارِ کسب کے صحیح ہونے پر کوئی منصف عاقل رضامند نہیں ہو سکتا خواہ کسب کی جو بھی تعبیر و تفسیر کی جائے اور قولِ باری تعالیٰ ایاک نستعین بندوں کے ایجاد و افعال میں مستقل نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ افعالِ عباد اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اعانت سے ہیں جیسے کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ اسی امر کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہی خوشگوار دودھ ہے جو حاصل ہونے والا ہے گوبر اور خون کے درمیان سے لہٰذا نہ جبر ہے اور نہ تفویض اسے یاد رکھو اور اس کے تتمہ کا انتظار کرو۔

۴۔ قولِ باری تعالیٰ:

لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا

(سورہ آلِ عمران آیت ۹۷)

کے تحت اس موضوع پر حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بہت تحقیقی گفتگو فرمائی ہے جس کا ملخص یہ ہے:

والحق عندی فی هٰذه المسئلة ان شرط التكليف هو القدرة المؤثرة باذن الله عند انضمام الارادة التابعة لارادة الله تعالىٰ لقوله سبحٰنه لا يكلف الله نفسا الا وسعها وايضاحه ان الله تعالىٰ كما انه غنى بالذات عن العٰلمين كذٰلك حكيم جواد و كما ان مقتضى غناه الذاتى ان يفعل ما يشاء ويحكم

مایرید کذلک مقتضی جوده و رحمته مراعاة ماتقتضیه الحکمة ان حکمته ومن العلوم ان حکمته لا تقتضی ان یؤمر بالفعل من لا یقدر علی الامتثال وینهی عنه من لا یقدر علی الاجتناب عنه فلا بد بمقتضی الحکمة التی راعاها اللّٰہ فیما خلق وامر فضلا ورحمة ان یکون التکلیف بحسب الوسع واذا کان کذٰلک کان شرط التکلیف هو القوة التی تصیر موثرة باذن اللّٰہ اذا انضم الیها الارادة

(ص ۴۶)

میرے نزدیک حق یہ ہے کہ تکلیف عباد کے لیے وہ قدرت و قوت مشروط اور لازم ہے جو کہ باذن اللّٰہ موثر ہو بسبب ایسے ارادہ کے انضمام کے جو اللّٰہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع ہے کیونکہ اللّٰہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی قوت و طاقت کے مطابق۔

اور اس کی توضیح یہ ہے کہ جس طرح اللّٰہ تعالیٰ بذاتِ خود تمام جہانوں سے غنی اور بے نیاز ہے ایسے ہی وہ صاحبِ جُود و حکمت بھی ہے۔ اور جس طرح کہ اس کی غنا ذاتیہ کا تقاضا ہے کہ جو چاہے کرے اور جس کا چاہے حکم دے ایسے ہی اس کے جُود اور رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے مقتضائے حکمت کی رعایت بھی کرے۔ اور یہ حقیقت سبھی کو معلوم ہے کہ حکمتِ باری تعالیٰ اس کا تقاضا نہیں کرتی کہ وہ ایسے لوگوں کو حکم دے ایک فعل کے صادر کرنے کا

جو تعمیلِ حکم پر قادر نہیں اور ایسے افعال سے اجتناب کا حکم دے اور منع کرے جس سے اجتناب پر وُہ قادر نہیں ہیں۔

پس جس حکمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق اور احکام میں ملحوظ رکھا ہے از روئے فضل و رحمت کے اس کا تقاضا یہی ہے کہ تکلیف اعمال وسعت و طاقت کے مطابق ہو اور جب حقیقتِ حال یہ ہے تو تکلیف عباد کے لیئے جو قدرت و قوّت شرط ہے وُہ وہی ہوگی جو کہ باذن اللہ موثر ہو جب کہ اس کے ساتھ ارادہ بھی پایا جائے۔

۵۔ شیخ ابُوالحسن الاشعری نے اپنی آخری تصنیف اور جملہ کتب میں سے معتمد علیہ کتاب الابانۃ میں اسی امر کی تصریح فرمائی ہے جیسے کہ ابنِ عساکر اور مجد بن تیمیہ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ:

ان الشیخ قائل بالتاثیر للقدرۃ المستجمعۃ للشرائط لکن لا استقلالا کما یقول المعتزلی بل باذن اللہ تعالیٰ وھو معنی الکسب عندہ،

شیخ اشعری اس قدرۃ عبد کو موثر مانتے ہیں جو شرائط کی جامع ہو لیکن نہ بطور استقلال جیسے کہ معتزلہ کہتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور یہی معنیٰ ہے بندہ کے کاسب ہونے کا ان کے نزدیک۔

اشاعرہ کے مشہور مذہب کا ابطال

۶۔ یہ جو معنیٰ کسب کا بیان کیا گیا ہے کہ بندے کی قدرت اور ارادہ افعال

کے مقارن ہوتے ہیں اور فعل کے تحقق میں ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا تو اس کا رد کرتے ہوئے علامہ نے فرمایا کہ اولاً تو اس کو شیخ اشعری کا مذہب قرار دینا غلط ہے کیونکہ کتاب الابانہ کے علاوہ دیگر کتب میں جو اقوال مذکور ہیں وہ مرجوح ہیں یا شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے رجوع کر لیا تھا۔ ثانیاً اللہ تعالیٰ کے کلام اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں عباد کو امر اور نہی کے ساتھ جو مکلّف ٹھہرایا گیا ہے تو وہ اس کے افعال اختیاریہ میں مکلّف ٹھہرایا گیا ہے تو اس طرح بندے کا مکسوب خود فعل اختیاری ہونا چاہیے نہ کہ اس کی قدرت کی فعل کے ساتھ مقارنت اور اتصال ہو اور کسب فعل کا مطلب ہی یہ ہوگا:

والمراد بکسبہ ایاہ تحصیلہ ایاہ بتاثیر قدرتہ باذن اللہ لا مستقلا۔

کہ بندہ اس فعل کو باذن اللہ اپنی قدرت و قوت کی تاثیر سے موجود کرے نہ کہ مستقل طور پر۔

لیکن یہ قول کہ افعال عباد ان کے قدرت و ارادہ کے مقارن ہیں بغیر اس کی تاثیر کے

لا یوافق مااقتضاہ صرائح الکتب والسنۃ و نصوص الابانۃ۔

کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صریح دلائل اور شیخ اشعری کی کتاب الابانہ کے نصوص کے موافق نہیں ہے۔

(تفسیر روح المعانی جلد ۳)

۷۔ اسباب و مسببات اور علل و معلولات میں احقاق حق اور ابطال باطل کرتے ہوئے علامہ آلوسی صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے اس جہان میں اسباب و مسببات کا باہم ارتباط قائم فرمایا ہے لہٰذا ان سب کو معطل قرار دیتے ہوئے یہ کہنا کہ ان کا سبب کے وجود و تحقق میں ذرہ بھر دخل نہیں بالکل غلط ہے بلکہ صحیح اور مختار اور کتاب و سنت کے ہزار سے زیادہ واضح دلائل کے عین مطابق یہی مذہب ہے اور اشاعرہ کا مذہب اگر اس کے خلاف ہے تو اس کا بطلان واضح ہے

فالاسباب مؤثرہ بقوی اودع اللہ فیھا و لکن باذنہ فاذا لم یاذن وحال بینھا وبین التاثیر لم یوثر کما یرشدک الی ذلک قولہ تعالیٰ ،

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

(سورۃ البقرہ آیت ۱۰۲)

ولو لم یکن فی ھٰذہ الاسباب قوی اودعھا اللہ تعالیٰ العزیز الحکیم لما قال ،

یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ ۝ (انبیاء آیت ۶۹)

اذ ما الفائدۃ فی القول ولیس فیھا قوۃ الاحراق وانما الاحراق منہ تعالیٰ بلا واسطۃ ولو کان الامر کما ذکروا لکان للنار ان تقول الٰھی ما اودعتنی شیئا ولا منحتنی قوۃ وما انا الا کید شلاء صحبتھا

بيد صحيحة تفعل الافعال ۔ (مشہ ع ۱)

پس اسباب مؤثر ہیں بسبب ان قوتوں کے جو اللہ تعالیٰ نے ان میں ودیعت فرمائی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے اذن سے ۔ اور اگر اذن نہ دے اور اسباب اور مسببات کے درمیان حائل ہو جائے تو وہ تاثیر نہیں کر سکتے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس طرف رہنمائی فرما رہا ہے :

اور وہ نہیں ضرر پہنچاتے اپنے سحر اور جادو کے ذریعے کسی کو مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے ۔ اور اگر ان اسباب میں ایسی ودیعت کردہ قوتیں نہ ہوتیں تو اللہ عزیز و حکیم کبھی نہ فرماتا کہ اے آگ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سراسر سلامتی بن جا کیونکہ اس فرمان کا کیا فائدہ ہوتا جب کہ آگ میں جلانے کی قدرت و طاقت تھی ہی نہیں بلکہ جلانے والا فعل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا وساطت آگ کے پایا گیا ہوتا اور اگر حقیقت حال یہ ہوتی تو آگ کو یہ کہنے کا حق ہوتا ۔

اے میرے خدا تو نے میرے اندر تو کوئی شے ودیعت کی ہی نہیں اور نہ ہی مجھے قوت و قدرت عطا کی ہے اور میں تو محض اس شلول اور مفلوج ہاتھ کی مانند ہوں جس کے ساتھ تندرست اور صحیح و سالم ہاتھ مصاحب ہو اور وہ افعال و اعمال سرانجام دے رہا ہو تو کیا اس مفلوج ہاتھ کو کہا جا سکتا ہے تو یہ کام نہ کر اور اس میدانِ کارزار میں نہ اتر ۔

وهذا الذى ذكرنا مذهب السلف الصالح وتلقاه اهل الله بالقبول ۔

اور یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے یہی سلف صالحین کا مذہب ہے اور اہل اللہ کے ہاں یہی مقبول و معتبر ہے۔

۸۔ اسباب کی تاثیر کے عقیدہ کو شرک قرار دینے والوں کے توہم کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا:

یا للّٰہ العجب اذا کان اللہ خالق السبب والمسبب و هو الذی جعل هٰذا سببا لهٰذا والاسباب والمسببات طوع مشیته و قدرته منقادة فای قدح یوجب ذٰلك فی التوحید وای شرك یترتب علیه نستغفر اللہ مما یقولون فاللہ تعالیٰ یفعل بالاسباب التی اقتضاها الحكمة مع غناه عنها كما صح ان یفعل عندها لا بها

مقامِ تعجب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی سبب کا خالق ہے اور مسبب کا بھی اور اس نے ہی اس کو سبب بنایا اس مسبّب کے لیے اور سبھی اسباب و مسبّبات اس کی مشیّت اور قدرت کے مطیع و تابع ہیں تو اس سے توحیدِ خداوندی میں کونسا نقص لازم آتا ہے اور اس پر کونسا شرک مترتب ہو سکتا ہے۔ ہم ایسے لوگوں کے قول سے استغفار کرتے ہیں پس اللہ تعالیٰ ہی افعال کو موجود کرتا ہے اسباب کے ساتھ جن کا اس کی حکمت نے تقاضا کیا باوجودیکہ وہ مرتبۂ ذات میں ان سے مستغنی ہے جیسے کہ شرک کے فتوے لگانے والوں کے نزدیک اسباب کے وجود کے بعد افعال کو پیدا کرتا ہے بغیر اسباب کی مداخلت کے۔

(صفحہ ۱۷۵ جلد ۱)

۹۔ قول باری تعالیٰ:

وَاِنۡ يَّكَادُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَيُزۡلِقُوۡنَكَ بِاَبۡصَارِهِمۡ

(سورۃ القلم آیت ۵۱)

کے تحت نظرِ بد کی تاثیر کے برحق ہونے کی بحث کرتے ہوئے فرمایا:

وذٰلك من خصائص بعض النفوس والله تعالیٰ ان يخص منها ماشاء بما شاء واضافته الى العين باعتبار ان النفس تؤثر بواسطتها غالباً وقد يكون التاثير بلا واسطتها بأن يوصف للعائن شئ فتتوجه نفسه اليه فتفسده۔

اور نظرِ بد کا اثر انداز ہونا بعض نفوس کی خصوصیات سے ہے اور اللہ کو اختیار ہے کہ نفوس میں سے جس کو چاہے اور جس خصوصیت کیساتھ چاہے مختص اور ممتاز ٹھہرا دے۔ رہا یہ معاملہ کہ جب مؤثر نفسِ انسانی ہے تو پھر اس تاثیر کی نسبت آنکھ کی طرف کیوں کی جاتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس اغلب طور پر آنکھ کے واسطہ سے اثر انداز ہوتا ہے اور کبھی اس کی تاثیر آنکھ کے بغیر بھی ہوتی ہے مثلاً نظرِ بد والے کے سامنے کوئی شے بیان کی جائے اور اس کی مدح وثناء کی جائے پس اس کا نفس اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کو فاسد اور تباہ کر دیتا ہے۔

ومن قال ان الله اجرى عادته بخلق ما شاء عند مقابلة عين العائن من غير تاثير اصلا فقد سد

علیٰ نفسہ باب العلل والتاثیرات والاسباب والمسببات وخالف جمیع العقلاء۔ قالہ ابن القیم۔

اور جس نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادتِ کریمہ اور معمول یہ ہے کہ نظر بد والے کی آنکھ کے سامنے کسی چیز کے آنے پر جو چاہتا ہے خود اس شے میں پیدا فرماتا ہے بغیر اس آنکھ کی تاثیر کے تو اس شخص نے اپنی ذات پر علل اور تاثیرات و معلولات اور اسباب و مسبّبات کے دروازے کو بند کر لیا ہے اور تمام عقلاء کی مخالفت کی ہے۔ یہ قول ابنِ قیم کا ہے۔

وانا لا ازید علی القول بانہ من تاثیر النفوس ولا اکیف ذلک فالنفس الانسانیۃ من اعجب مخلوقات اللہ عزّ وجلّ وکم طوی فیہ اسرار وعجائب تتحیر فیہا العقول ولا ینکرہا الا مجنون او جہول ولا یسعنی ان انکر العین لکثرۃ الاحادیث الواردۃ فیہا و مشاہدۃ آثارہا علی اختلاف الاعصار ولا اخص ذلک بالنفوس الخبیثۃ کما قیل فقد یکون من النفوس الزکیۃ۔ (ص ۳۸ ج ۲۹)

اور مَیں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ مدار تاثیر کیا ہے اور اس کا فلسفیانہ تجزیہ نہیں کرتا بلکہ یہی کہتا ہوں کہ یہ نفس کی تاثیر ہے اور اس کی کوئی کیفیت متعین نہیں کرتا کیونکہ نفسِ انسانی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے عجیب ترین مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بے شمار اسرار اور عجائبات ودیعت فرمائے ہیں

جو عقول کو محوِ حیرت کر دیتے ہیں اور ان کا انکار صرف مجنون کر سکتا ہے یا انتہائی جاہل اور میرے لیے اس کی قطعاً گنجائش نہیں کہ میں نظر کی تاثیر کا انکار کر دوں کیوں کہ اس مسئلہ میں احادیث کثیرہ وارد ہیں اور مختلف ادوار اور اعصار میں اس کے اثرات کا مشاہدہ کیا جا چکا ہے اور نہ ہی میں اس کو نفوسِ خبیثہ کے ساتھ مخصوص ٹھہراتا ہوں جیسے کہ بعض کا قول ہے بلکہ نفوسِ زکیہ کی طرف سے بھی اس قسم کی تاثیر پائی جاتی ہے (اور حاسدانہ نظر کی طرح فرحت و شادمانی کی حالت میں نظر لگ جاتی ہے)۔

الحاصل اس موضوع پر علامہ سید محمود آلوسی حنفی ماتریدی نے متعدد مقامات پر بحث فرمائی اور مختلف دلائل و براہین سے ماتریدیہ کے مذہب کو ثابت کیا اور اشاعرہ کا صحیح مذہب بھی بیان فرمایا اور اسباب کی تاثیر کی بالکل نفی اور تردید کو خلافِ عقل قرار دیا اور جبر کو زیادہ کتاب و سنت کے واضح دلائل کے بھی خلاف قرار دیا اور معتزلہ کے مذہب کو بھی مردود اور باطل ٹھہرایا جو بندے کو اپنے جملہ افعال میں ایسا مستقل مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خواہ اس سے ایمان اور تقویٰ و صلاح کا ارادہ کرے بھی تو وہ اس کے ارادے کو ناکام ٹھہراتے ہوئے کفر اور بدعملی کا ارتکاب کر سکتا ہے سُبْحَانَ مَنْ لَا یَجْرِی فِی مُلْکِہٖ اِلَّا مَا یَشَآءُ اور چونکہ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا کے مطابق درمیانی راستہ ہی بہترین راستہ ہوتا ہے اس لیے صحیح اور مختار مذہب یہی ہے اور یہی ہونا چاہیے۔ ورنہ امر و نہی اور اطاعت و عصیان اور ثواب و عقاب وغیرہ کا تصور مشکل ہو جاتا ہے۔

اور اس طویل بحث سے مقصود یہ ہے کہ قارئینِ کرام پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ عباد مکرمین ملائکہ ہوں یا رسل کرام یا اولیاء عظام ہمارے نزدیک اپنے ذاتی افعال میں بھی اور تدبیر و تصرف میں بھی مستقل نہیں جیسے کہ معتزلہ کا نظریہ ہے اور مجبور محض بھی نہیں جیسے کہ جبریہ کا عقیدہ ہے بلکہ ان میں خداداد قدرت و قوت اور طاقت و توانائی ہے جو باذن اللہ مؤثر ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ قاہرہ غالبہ سے اس کو بے اثر کر دے اور مسبب کو اسکے سبب پر مترتب نہ ہونے دے تو وہ اس پر قادرِ مطلق ہے لیکن اگر اس کی طرف سے اذن و اجازت ہو تو وہ خداداد قدرت و قوت سے مختلف امور سرانجام دیتے ہیں۔

۱۔ قولِ باری تعالیٰ:

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ (سورۃ النّٰزعٰت آیت ۵)

۲۔ قولہ تعالیٰ:

يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ

(سورۃ السجدہ آیت ۱۱)

۳۔ قولِ باری تعالیٰ:

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (سورۃ الانعام آیت ۶۱)

۴۔ قولِ باری تعالیٰ:

اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

(سورہ آلِ عمران آیت ۴۹)

۵۔ قولہ تعالیٰ :

(حکایۃ عن ابلیس) لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○

(سورۃ الحجر آیت ۳۹)

۶۔ قولہ تعالیٰ :

(حکایۃ عن عفریت) اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ○ (سورۃ النمل آیت ۳۹)

۷۔ قولِ باری تعالیٰ :

(حکایۃ عن عالم الکتٰب) اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ (سورۃ النمل آیت ۴۰)

وغیر ذٰلك من الاٰیٰت اسی تاثیر باذن اللّٰہ کے دلائل ہیں، ورنہ غیر اللّٰہ کی طرف ان افعال کی نسبت کا کوئی معنیٰ نہیں ہو سکتا جیسے کہ نعبد اور نستعین کے تحت حضرت علامہ آلوسی اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہما اللّٰہ کے اقوال ملاحظہ فرما چکے یعنی بندوں میں ارادی اور اختیاری افعال نہ ہوتے تو ان کی طرف افعال کی نسبت نہ کی جاتی اور اگر استقلال ہوتا تو استعانت نہ کی جاتی۔ عوام میں اور خواص میں فرق اگر ہے تو خداداد قدرت اور قوت کے دائرۂ کار کے لحاظ سے کہ عام آدمی کی قدرت وطاقت کا تعلق اس کے معتاد ومعمول کے افعال سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی قسم کی تاثیرات اس پر مترتب ہوتی ہیں لیکن قوی التاثیر نفوس کا دائرہ کار وسیع تر ہو جاتا ہے۔ اگر معجزہ میں نبی کی قدرت وطاقت کا کسی طرح بھی دخل نہ ہو نہ بطورِ کسب اور نہ بطورِ خلق

نہ بطور سببیت اور نہ بطور علیت تو پھر منکرین کے ساتھ مقابلہ و معارضہ اور تحدی اور چیلنج کس طرح متصور ہو سکتا ہے اور اسی طرح کرامت کا معاملہ بھی ہے کہ کبھی ولی پہلے دعویٰ کر دیتا ہے اور پھر اس کے مطابق خرقِ عادت اور کرامت کو ظاہر کرتا ہے۔ کوئی اپنی بیماری اور عارضہ کو دور نہیں کر سکتا اور کوئی روزمرہ پچاس پچاس ہزار کے امراض اور عوارض کو باذن اللہ دور کر دیتا ہے کوئی زمین کی بھاری اشیاء کو حرکت نہیں دے سکتا اور کوئی پہاڑوں کو اٹھا کر فضا میں معلق کر دیتا ہے اور زمین کے زیرین طبقہ تک کو اٹھا کر آسمانِ دنیا تک لے جا کر الٹا دیتا ہے۔ کوئی اپنے جانور کو لگام نہیں ڈال سکتا تو کوئی درخت کی شاخ کو اس کی مہار بنا دیتا ہے اور فرمانبردار اونٹ کی طرح پیچھے پیچھے چلنے پر آمادہ کر لیتا ہے۔ وغیرِ ذٰلک لہٰذا معجزات اور کرامات کو انبیاء و اولیاء کے لیے غیر اختیاری ماننا بھی لغو اور باطل ہے اور دیگر افعال کا بھی غیر اختیاری ماننا لغو اور باطل ہے اور ان کو مستقل اور مختارِ مطلق ماننا بھی غلط ہے۔

اس پس منظر میں افعالِ عادیہ اور غیر عادیہ میں اطباء و حکماء اور حکام و امراء کو اور انبیاء و اولیاء کو مظاہرِ عونِ الٰہی سمجھنے کا معنی و مفہوم بالکل واضح ہو جائیگا کہ خالق اور موجدِ حقیقی اور موثرِ مستقل اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والا صفات ہے اور باالاذن مؤثر ملائکہ بھی ہو سکتے ہیں اور انبیاء و رسل علیہم السلام بھی اور اولیاء کرام اور محبوبانِ خداوند تعالیٰ بھی نہ کہ وہ محض مردہ بدست زندہ یا قلم بدست کاتب کی مانند ہوں۔

علامہ سرفراز صاحب اور انکے اکابر کی دھاندلی

علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ تصرفِ مستقل کا یہ مطلب و معنیٰ تھوڑا ہی ہے کہ ان کو یہ اختیارات خود اپنی طرف سے حاصل ہوں، جب خود ان کا وجود غیر مستقل ہے تو ان کا کسی صفت میں استقلال کیسے متصور ہو سکتا ہے؟ چنانچہ خود مولانا تھانوی صاحب اپنی آخری تالیف میں ارقام فرماتے ہیں، اور مستقل بالتاثیر ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام اس کے سپرد کر دیئے ہیں ایسے طور پر کہ وہ اس کے نافذ کرنے میں حق تعالیٰ کی مشیتِ خاصہ کا محتاج نہیں ہے گو اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ اس کو اس کی تفویض اور اختیارات سے معزول کر دے۔ (بوادر النوادر ص ۔ ج ۲)

اور یہی مشرکینِ عرب کا شرک تھا وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کو اپنے کچھ کام تفویض کر دیئے ہیں۔ (گلدستہ توحید ص ۱۱)

فتاویٰ رشیدیہ میں مرقوم ہے:

"قدرت و اختیار چیزے عطا فرمودن و قوتِ اقتدار آں تفویض نمودن مفہومے دیگر است و فعل خاص خود در چیزے ظاہر کردن مضمونے دیگر مثلا میتواں گفت کہ زید بقلم نوشت و فعلِ خاص خود کہ کتابت است در قلم ظاہر کرد و نمی تواں گفت کہ زید قدرت و اختیار حرکت و قوت اقتدار کتابت بقلم سپرد زیرا کہ قلم تا وقتیکہ مثل زید انسان نشود قدرت و اختیار حرکت و قوت و اقتدار از کتابت حاصل نمیتواں کرد و خاصہ انسان بدست نتواں آورد۔ الی ان قال کہ قدرت و اختیار

افعال خاصہ احدیت و قدرت و اختیار آثار مختصہ صمدیت بکسے یا بچیزے سپردن از مرتبہ امکان بمرتبہ وجوب بردن است ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مستقل تصرف کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ وُہ تصرف ان کا خانہ زاد ہو بلکہ وُہ تصرف اور اختیار خُدا تعالیٰ کا ہی عطا فرمودہ ہے اور ایسا تصرف ماننا بھی شرک ہے ۔ (ص ۱۱۶)

علماء دیوبند کے نظریہ کا فساد و بطلان

بندہ کی پچھلی گزارشات کو پھر ذرا غور سے پڑھیں اور علامہ صاحب اور ان کے اکابر کی تصریحات بلکہ قلم بدست زید والی تشبیہ کو بالخصوص سامنے رکھ کر فیصلہ فرمادیں کہ ان کا مذہب واقعی اہل السنت کا مذہب ہے؟ یا جبریہ مردودہ کا کیونکہ بندوں کو مستقل متصرف ماننا تو شرک ٹھہرا اور مشرکین عرب میں بھی بقول ان کے یہی شرک تھا اور آپ پڑھ چکے کہ عندالتحقیق شیخ اشعری کا مذہب بھی اور ماتریدیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ بندہ کی قدرت فی الجملہ مؤثر ہے ہاں اللہ تعالیٰ اس کو تاثیر سے روک بھی سکتا ہے تو ان علماء دیوبند کے نزدیک تمام اہل السنت ماتریدیہ بھی اور شیخ اشعری اور ان کے متبعین بھی مشرک ٹھہرے اور معتزلہ تو اس سے بھی زیادہ فتوائے شرک کے نشانہ بن گئے کیونکہ وُہ بندے کو اپنے اعمال و افعال اور عقائد و نظریات اور ایمان و کفر اور نیکی اور بدی کا خالق تسلیم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف پر غیراللہ کو قادر مانتے ہیں تو وُہ مشرکین عرب سے بھی بڑے مشرک ٹھہرے اور جو ایسے

بڑے مشرکوں کو مشرک و کافر نہ سمجھے تو پھر وہ بھی بلاشک و بلاریب مشرک و کافر ہونا چاہیے حالانکہ علماء محققین نے ان کو کافر و مشرک شمار نہیں کیا کیوں کہ وہ بندے کی خالقیت کو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی مثل قرار نہیں دیتے۔

علامہ تفتازانی شرح عقائد میں فرماتے ہیں :

لا یقال فالقائل بکون العبد خالقا لا فعاله یکون من المشرکین دون الموحدین لانا نقول الاشراک ھو اثبات الشریك فی الالوھیة بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنیٰ استحقاق العبادة کما لعبدة الاصنام والمعتزلة لا یثبتون ذٰلك بل لا یجعلون خالقیة العبد کخالقیة اللہ تعالیٰ لافتقاره الی الاسباب والالات التی ھی بخلق اللہ تعالیٰ۔

(شرح عقائد مع نبراس صفحہ ۲۶۴)

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ پھر بندے کو اپنے افعال کے خالق ماننے والے مشرک ہوں گے نہ کہ موحد کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شراک کا معنیٰ ہے الوہیت میں شریک ثابت کرنا خواہ بمعنی وجوب الوجود ہو جیسے کہ مجوس کے نزدیک یا بمعنی استحقاق عبادت ہو جیسے کہ بت پرستوں کے ہاں اور معتزلہ اس طرح کا شریک ثابت نہیں کرتے بلکہ بندے کی خالقیت کو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی مانند نہیں سمجھتے کیونکہ بندہ ایسے اسباب و آلات کی طرف محتاج ہوتا ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی ایجاد و تخلیق سے ہی پائے جاتے ہیں۔

الحاصل معتزلہ کے مذہب پر بندہ مستقل مؤثر بھی ہے حالانکہ بندہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہے اور اس کی جملہ صفات بھی بمع قدرت وارادہ کے مخلوقِ خدا ہیں، لہٰذا جہاں اہلِ اسلام اور اہلِ السنّت بالخصوص استقلال کی نفی کرتے ہیں تو ان کی مُراد معتزلہ والے مذہب کا رد ہوتا ہے نہ کہ جبریہ والے مذہب کا اثبات جیسے کہ علماءِ دیوبند نے اس سے سمجھا اور اس کو اپنایا۔ اگر ہمارے علماءِ کرام (بریلوی) نے علماءِ دیوبند سے منقول مستقل اور ذاتی علم و قدرت کی نفی کا مذکورہ بالا معنیٰ لیا ہے تو اس حسنِ ظن پر کہ انہوں نے اہلِ السنّت کا مذہب اپنایا ہوگا، انہیں یہ گمان نہیں تھا کہ وُہ جبری مذہب اپنائے ہوئے ہیں۔

مولوی سرفراز صاحب نے تھانوی صاحب کی عبارت نقل کرتے وقت آخری تصنیف کی قید لگائی ہے جس سے صاف ظاہر کہ ان کی پہلی تصنیفات میں اس کا خلاف مذکور و مرقوم ہے اس طرح ان علماء کی ذہنی ناپختگی اور عبارات میں باہم تضاد و تخالف واضح ہو جاتا ہے۔

ضروری تنبیہ: مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تدبیرِ کائنات میں تفریق کا عقیدہ اپنایا اور تقسیمِ کار کے معترف ہو گئے اس لیے ان کو مشرک ٹھہرایا گیا کیونکہ انہوں نے بڑے بڑے امور اللہ تعالیٰ کے زیرِ تصرّف ماننے اور بعض چھوٹے چھوٹے کام اپنے معبوداتِ باطلہ میں تسلیم کیے اور یہ تقسیم اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ وُہ ان مخصوص امور میں اپنے معبودات کو صرف سببِ عادی نہیں بلکہ علل مؤثرہ تسلیم کرتے تھے۔ نیز انہوں نے ارواحِ کواکب کے لیے تدبیر و تصرّف کی تفویض تسلیم کر رکھی تھی اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا معطّل ہونا اور سرے سے تدبیر و تصرف سے

سے بے تعلق ہونا تسلیم کر لیا اور جس طرح فلاسفہ نے عقول عشرہ بلکہ عقل عاشر کو مدبر و متصرف مانا اور اللہ تعالیٰ کو اس انتظام و انصرام سے معطل مانا کفار نے بھی اسی طرح کا عقیدہ اپنایا جبکہ اہل السنت عباد اور ان کی قدرتوں اور ارادوں کو سبب سمجھتے ہیں اور علتِ تامہ اور مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ کو جیسے کہ پانی پیاس بجھانے میں سبب ہے اور حقیقی مؤثر اس میں اللہ تعالیٰ ہے، آگ جلانے میں سبب ہے اور مؤثرِ حقیقی جلانے میں اللہ تعالیٰ ہے۔

نیز وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے قابل ہی نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی اپنی عبادت کے بارگاہِ خداوندی تک پہنچنے کے قابل تھے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا حق سرے سے غیروں کو دے کر مشرک ٹھہرے۔ نیز جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات تک رسائی کا ذریعہ نہیں بنایا ان کو ذریعہ ماننا بھی کفر ہے جیسے کوئی اپنے طور پر کسی شخص کو نبی و رسول تسلیم کر لے ورنہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث ہی اس لیے فرمایا کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل کریں اور ان کا تعلق و ارتباط اس ذاتِ والا صفات سے قائم کریں اور علامہ ابن تیمیہ کی اس مضمون کی عبارت عنقریب گزر چکی ہے لہٰذا انبیاء و اولیاء کو اصنام و اوثان پر قیاس کرنا اور ان کے متبعین اور اطاعت گزاروں کو بت پرستوں پر قیاس کرنا یہ خالص خارجیت ہے اور مخلوقات میں سے بدترین مخلوق ہونے کی دلیل جیسے کہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان صداقت ترجمان حقیقت بیان ہے

عبدالنبی، عبدالرسول وغیرہ نام رکھنے کا حکم،

علامہ صاحب نے اہلِ اسلام کو مشرک ثابت کرنے کے لیے عبدالنبی، عبدالرسول

وغیرہ اسماء کو بھی عبدالمسیح اور عبدالعزّٰی پر قیاس کرتے ہوئے شرک کا فتوٰی صادر فرما دیا اور فرمایا " حضرات آجکل بعض کلمہ گو مدعیانِ اسلام کا بھی یہی شرک ہے ایک رتی برابر فرق نہیں (تا) عبدالرسول، عبدالنبی، پیراںدتہ وغیرہ نام آج سننے میں نہیں آتے؟ شرابِ شرک تو وہی پرانی ہے البتہ بوتلوں کی رنگت بدل گئی ہے"

مگر علامہ صاحب کی بدقسمتی یہ ہے کہ خود اس کے اکابر اس کی دلیلوں کو باطل کر دیتے ہیں اور جسکو وہ شرک قرار دیتے ہیں اسی کو وہ جائز اور درست ثابت کر دیتے ہیں چنانچہ علماءِ دیوبند کے پیرِ مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

" چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واصل بحق ہیں عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط (سورہ زمر آیت ۵۳)

مرجع ضمیر متکلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب نے فرمایا کہ قرینہ بھی انہی معنیٰ کا ہے آگے فرماتا ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اگر مرجع اس کا اللہ تعالیٰ ہوتا تو فرماتا من رحمتی تاکہ مناسبت عبادی کی ہوتی۔" (شمائم امدادیہ ص۴۵ حصہ دوم)

خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ عباد اللہ کو عباد الرسول کہنا اس لیے بھی جائز ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصل بحق اور باقی باللہ ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کے عباد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عباد ٹھہرے اور اس لیے بھی جائز ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے نبیِ کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف عباد کی نسبت کی

ہے جبکہ ارشاد فرمایا کہ کہہ دیجیے اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا یہاں ضمیر متکلم جو عبادی میں مضاف الیہ واقع ہوئی اس کا مصداق رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور علامہ تھانوی صاحب نے اس پر قرینہ یہ بتلایا کہ اگر میرے بندو میں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہوتی تو پھر آگے فرماتا میری رحمت سے مایوس نہ ہونا یہ نہ فرماتا اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا تاکہ دو نو جگہ مضاف الیہ ضمیر متکلم ہوتی اور باہم تناسب پایا جاتا۔

اقول: یا پہلی جگہ بھی یا عبادی کی بجائے یا عباد اللہ کہہ دیا جاتا تاکہ رحمۃ اللہ کے ساتھ توافق ہوجاتا لہٰذا اسلوب کا تغایر اس امر کی دلیل ہے کہ عبادی میں اہلِ ایمان کو عباد الرسول اور عباد النبی قرار دیا گیا ہے اور یہ تو اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام ہے اور اس نے اُمتیوں کو عباد النبی اور عباد الرسول قرار دیا ہے اور حضرت حاجی صاحب نے اس کو تسلیم کیا اور تھانوی صاحب نے اس پر تائید پیش کر دی لہٰذا اب شرک کا فتویٰ صرف بیچارے اہل السنت پر نہ لگائیں بلکہ اپنے ان اکابر پر بھی لگائیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ پر بھی ضرور یہ فتویٰ لگائیں کیونکہ دراصل اسی نے شرک کا دروازہ کھولا اور اپنے نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا اعلان کروایا۔

قال الامام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ: ؎

قل یا عبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے
اپنا بندہ کر لیا پھر تجھ کو کیا

ؔ حدائقِ بخشش

عبد اپنے مولیٰ کے زیرِ تصرّف ہوتا ہے اور زیرِ فرمان اور ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے نبیِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا اور ان کو ہم پر ہمارے نفوس کی نسبت زیادہ مختار و متصرّف ٹھہرایا۔ کما قال تعالیٰ:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○ (سورۃ النساء آیت ۶۵) وقال تعالیٰ:

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ (احزاب) وقال تعالیٰ:

اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (احزاب) وقال تعالیٰ:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (سورۃ النساء آیت ۸۰)

لہٰذا اس نسبت پر اعتراض سراسر لغو و باطل ہے۔

نیز اولیاء کاملین فنا فی الرّسول اور بقا بالرّسول کی بدولت اس اطاعت و انقیاد کے مستحق ہیں لہٰذا غلامی کی نسبت ان کی طرف کرنا بھی روا ہوگا نیز ان کی دُعا اور توجّہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمت حاصل ہوتی ہے تو عطاء الرّسول اور پیرانِ دتہ وغیرہ بھی بطور مجاز درست ہے جس طرح جبرئیل علیہ السّلام نے کہا:

إِنَّمَآ أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○ (سورہ مریم آیت ۱۹)

مریم میں تیرے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں تاکہ میں تجھے پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔ یہاں پر حضرت جبرئیل علیہ السّلام کا ہبہ اور عطا کی نسبت اپنی طرف کرنا ثابت ہے تو علامہ صاحب جبرئیل علیہ السّلام پر بھی شرک کا فتویٰ صادر فرما دیں۔

باب دوازدہم

گلدستۂ توحید

کیا دُون کا معنیٰ نیچے، ورے، سامنے کے بھی آتا ہے یا نہیں؟

قرآنِ مجید میں جگہ جگہ من دُون اللّٰہ کا جملہ آتا ہے۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ مشرکینِ عرب اللّٰہ تعالیٰ کو بالکل چھوڑ کر نسیا منسیا (بھُولا بسرا) سمجھ کر غیروں کو پکارتے تھے یا ان کے نام پر نذر دیتے تھے یا استعانت وغیرہ کرتے تھے اس لیے وُہ مشرک تھے لیکن یہ ان کی صریح غلطی ہے قرآنِ کریم اور حدیث سے صاف طور پر اس کا بیان گزر چکا ہے کہ مشرکین بندگانِ خدا کو محض سفارشی سمجھتے تھے اور خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ان کو بناتے تھے کیونکہ تصریح کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے کہ مشرکین انتہائی مصیبت میں خدا تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے

گلشنِ توحید و رسالت

کیا واقعی مشرکین بندگانِ خدا کو سفارشی اور تقرب الی اللّٰہ کا وسیلہ سمجھتے تھے؟

بندہ نے قبل ازیں بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ مشرکین کو اپنے اصنام و اوثان کے ساتھ اللّٰہ تعالیٰ سے زیادہ عقیدت و محبت تھی اسی لیے اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے معبودانِ باطلہ کو گالیاں نہ

دو ورنہ وُہ اللہ تعالیٰ کو جہالت اور عداوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے گالیاں دیں گے۔ بدنی عبادت اللہ تعالیٰ کی سرے سے چھوڑ دی تھی جیسے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے حوالے سے گزر چکا کہ انہوں نے نماز اور ذکر کو کلیۃً ترک کر دیا تھا اور علامہ سرفراز صاحب بھی پچھلے باب میں تسلیم کر چکے کہ وُہ کہتے تھے ہماری عبادت اللہ تعالیٰ تک پہنچتی ہی نہیں اور بندہ نے دلائلِ قرآنیہ سے واضح کر دیا کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ خود کرتے تھے اور نہ ہی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام کو کرنے دیتے تھے۔ اور مالی عبادت میں بھی بُتوں کی رعایت زیادہ کرتے تھے، اگر کوئی شیٔ بتوں کے حصّے سے اللہ تعالیٰ کے حصّے میں مل جاتی تو فوراً الگ کر لیتے اور واپس بُتوں کے حصّے میں رکھتے اور اگر اللہ تعالیٰ کے حصّے میں بُتوں کے حصہ کی کوئی شیٔ مل جاتی تو فوراً الگ کر لیتے اور واپس بُتوں کے حصّے میں رکھتے اور اگر اللہ تعالیٰ کے حصّے سے بُتوں کے حصہ میں کوئی شَے مل جاتی تو اس کو واپس نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے فرضی معبُودات کا محتاج مانتے تھے اور اس کو انفرادی طور پر کارخانۂ کائنات کی تدبیر و تنسیق سے عاجز سمجھتے تھے اور اپنے معبودات کو سفارشی بھی بایں معنیٰ تسلیم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پر زور ڈال کر اور رُعب و دبدبہ سے اپنی مرضی منوا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے مقدّس لوگوں سے معجزات دیکھ کر اور آیاتِ بیّنات سُن کر رسُول ماننے کو بھی تیار نہ ہوتے تھے اور اپنے طور پر تیار کیے ہُوئے بیجان مجسّموں کو خُدا مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو مُردے زندہ کرنے سے اور قیامت قائم کرنے سے عاجز اور قاصر سمجھتے تھے

اور ایسا دعویٰ کرنے والی ہستی کو مجنون اور اس عقیدہ کو جنون سے تعبیر کرتے تھے۔ کلام خداوند تعالیٰ کو شعر اور سحر سے تعبیر کرتے تھے اور اپنی موت کو بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار کی بجائے گردش لیل و نہار کے تابع سمجھتے تھے اور اگر کبھی سمندروں میں طوفانی موجوں سے خوفزدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے بھی تھے تو کنارے لگتے ہی اپنی سابقہ بے ڈھنگی چال اور روش اپنا لیتے تھے اور جن مقدس ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح اور درستی کیلئے مبعوث فرمایا ان کے لیے ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے اور شہید کرنے کے لیے موقعہ کی تلاش میں رہتے تھے چہ جائیکہ ان کو اللہ تعالےٰ تک رسائی کا ذریعہ بناتے اور واصل الی اللہ ہوتے گویا اس طلب اور خواہش میں بھی للہیت کارفرما نہیں تھی بلکہ اپنی نفسانی خواہش اور ہوائے نفس کی پیروی کرتے تھے کہ اپنے طور پر وسائل اور قربت کے ذرائع فرض کیے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وصل اور قرب کا ذریعے بنایا ان سے بغض و عداوت رکھتے تھے تو اس طرح یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ چکے تھے لیکن ان کو مشرک کہنے کے لیے اور ان کے مشرک بننے کے لیے یہ ضروری بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بالکل ہی چھوڑ دیں اور بھول جائیں بلکہ جب انہوں نے وجوب الوجود یا استحقاق عبادت اور ایجاد و تخلیق اور تدبیر و تصرف میں اغیار کو خلعت الوہیت اور قبائے خداوندی پہنا دی اور اپنے معاملات انہیں سے وابستہ کر دیئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو اپنے عجز و نیاز اور سجود و عبادت میں شریک کر لیا تو مشرک ہوئے بلکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو نہ بھی بھولتے اور

نسیاً منسیاً نہ بھی سمجھتے تو پھر بھی مشرک ہو جاتے، آخر علّامہ صاحب بالکلیہ کی نفی سے ان کے لیے کونسی رعایت اور مدح و ستائش والا کونسا پہلو اور ثنا و تحسین کی کونسی صورت پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ کیا شرک صرف اسی کو کہتے ہیں جس میں بالکل ہی اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا جائے اس کے علاوہ شرک کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور نہ مذمت و ملامت کی کوئی اور علت اور بنیاد ہوتی ہے؟

من دُون اللہ کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

علماءِ کرام نے بحیثیت لغت کے اس کے بہت سے معانی بیان کیے ہیں بعض موضوع لہ ہیں اور بعض مستعمل فیہ پھر بعض میں استعمال شائع ہے اور بعض میں شائع نہیں ہے لہٰذا کسی معنیٰ کا مطلقاً انکار تو کوئی لغتِ عربیہ کا عالم نہیں کر سکتا لیکن کس آیتِ کریمہ میں کونسا معنیٰ متعین ہے اور کونسا معنیٰ زیادہ موزوں اور بہتر ہے اس پر علماءِ اعلام نے ضرور تنبیہ فرمائی ہے اور ان کو فرمانی بھی چاہیے تھی جو حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے وُہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے الفاظ اتنی کثرت سے استعمال نہیں کیے گئے جتنے کہ من دُون اللہ کے استعمال کیے گئے ہیں تو انتہا درجہ فصیح و بلیغ اور معجز کلام میں اس تعبیر اور عنوان کی ضرور ہی کوئی حکمت و مصلحت ہونی چاہیے۔

تو آیاتِ کریمہ اس راز کو فاش کرتی ہیں اور اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہیں کہ وُہ ہر غیر کو اپنا معبود نہیں سمجھتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا قرب اور منزلت اور خصوصی تعلق تسلیم کر کے اس کی پُوجا پاٹ اور عبادت و پرستش کرتے تھے

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ (سورہ یونس آیت ۱۸)

لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (سورۃ الزمر آیت ۳)

میں ان کو شفیع سمجھنا اور قربِ خُداوندی کا ذریعہ سمجھنا، حضرت عیسٰی اور حضرت عزیر علیہما السلام (کے نام پر بنائے ہوئے مجسموں میں پرستش کا باعث) ان کا ابن اللہ ہونا اور ملائکہ (کے نام پر بنائے گئے مجسموں کی پرستش میں ان کا) بزعم ان کے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ہونا اور کواکب وسیارگان کے (نام پر بنائے گئے ہیاکل کی پرستش میں ان سیارگاں کے) ارواح مجردہ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تدبیر امور اور انتظام کائنات میں معاون و مددگار ہونا فرض کرکے ان کی عبادت اور پرستش شروع کی تو اس مفروض جہتِ قربت اور سبب منزلت و مرتبت کے پیشِ نظر ان کو مِن دُونِ اللّٰہ سے تعبیر کیا گیا۔

فاضل سیالکوٹی علامہ عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

وفى التعبير عن الاصنام بالشهداء على الوجوه الثلاثة ترشيح للتهكم بتذكير ما اعتقدوه من انها من الله بمكان وانها تنفعهم بشهادتهم۔ (ص۲۴۰)

یعنی حاضر، ناظر اور گواہ والے معانی مُراد ہونے کی صُورت میں جب کہ مِن دُونِ اللّٰہ کا مصداق اصنام و اوثان ہیں اور وُہ ان تمام امور سے قاصر ہیں تو اس میں اس تہکم اور استہزاء کی مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کو شہداء سے تعبیر کر دیا گیا کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص مرتبہ و مقام کا مالک سمجھتے تھے اور شہادت کے ذریعے نفع رسانی کا سبب سمجھتے تھے تو اب ان کو اس شکل

میں بھی شہادت یا امداد و نصرت کے لیے پکار، اور یہی سبب علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی صفحہ نمبر ۱۸۱ جلد ۱ پر فاضل سیالکوٹی کی عبارت میں ہی بیان کیا ہے۔

الغرض کہیں عمومی حیثیت ملحوظ رکھ کر غیر اللہ سے تعبیر کر دیا۔ کما قال تعالیٰ:

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ

(سورہ زمر آیت ۶۴)

قولہ تعالیٰ:

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

(سورہ طور آیت ۴۳)

قولہ تعالیٰ:

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(سورہ انعام آیت ۱۴)

قولہ تعالیٰ:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

(سورہ اعراف آیت ۵۹)

وغیر ذالک۔ کیونکہ مقصود اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر قسم کے الٰہ کی نفی ہے نہ کہ خاص منزلت و قربت والے الٰہ کی اور جہاں ان کے مفروض آلھہ کی نفی کی ہے تو وہاں من دون اللہ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا

يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (سورۃ الاحقاف آیت ۵)

وقال تعالیٰ:

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ط (سورہ کہف آیت ۱۵)

وغیر ذٰلک من الاٰیٰت ۔ مزید تحقیق عنقریب معروض خدمت ہوگی۔

گلدستۂ توحید

اختصاراً دُون کا معنیٰ قرآنِ کریم، حدیث اور اشعارِ عرب اور لغت سے پیش کیا جاتا ہے کہ دُون کا معنیٰ ورے، نیچے اور سامنے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے بھاگ کر مدین پہنچے تو وہاں ایک کنوئیں پر تشریف لے گئے اور وہاں:

وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ج

(سورہ قصص آیت ۲۳)

پایا ان سے ورے دُو عورتوں کو روکے کھڑی تھیں اپنی بکریاں۔

یہاں دون کے معنیٰ غیر کے نہیں ورنہ معنیٰ یہ ہوگا کہ وہاں لوگ نہ تھے صرف یہ دو بیبیاں تھیں۔

گلشنِ توحید و رسالت

دُون کے معنیٰ کی تحقیق متداول کتبِ درسیہ وغیرہ سے

علماءِ لغت نے بھی اور علماءِ مفسرین اور شارحین نے دُون کے معانی ہیں نیچے

آگے پیچھے وغیرہ معانی بھی بیان فرماتے ہیں اور درسی کتب میں اس کو پڑھا پڑھایا جاتا ہے، واللہ اعلم کہ علامہ صاحب کو اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کی ضرورت کیوں پڑی اور دُون بمعنی غیر والے معنیٰ کے انکار کی کیا حاجت پیش آئی، بیضاوی شریف سورہ بقرہ داخل درس کتاب ہے اور انتہائی معتبر و مستند اور اس کے حواشی شیخ زادہ اور عبدالحکیم وغیرہ بھی اہم ترین اور مستند ترین ہیں۔ علامہ محمود آلوسی صاحب حاشیہ سیالکوٹی کی حرف بحرف عبارت نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ انہیں سے اس امر کا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ اصل معنیٰ وضعی کیا ہے اور موارد استعمالات کیا کیا ہیں۔

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ قولِ باری تعالیٰ :

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (سورۃ البقرہ آیت ۲۳)

کے تحت فرماتے ہیں :

من دُون ادنی مکان من الشیٔ ومنہ تدوین الکتب لانہ ادناء البعض من البعض ودونك هٰذا ای خذہ من ادنیٰ مکان منك ثم استعیر للرتب فقیل زید دون عمرو ای فی الشرف ومنہ الشیٔ الدون ثم اتسع فیہ فاستعمل فی کل تجاوز حد الیٰ حد وتخطی امر الیٰ اٰخر۔

قال اللہ تعالیٰ :

لا یتخذ المؤمنون الکٰفرین اولیاء من دُون المؤمنین

ای لا یتجاوزوا ولایۃ المؤمنین الی ولایۃ الاٰخرین

وقال امیۃ ؎

یلنفس مالک دون اللہ من واق

ای اذا تجاوزت وقایۃ اللہ فلا یقیک غیرہ

دُون کا اصل معنی ہے کسی شئے سے قریب تر مکان اور اس سے ماخوذ ہے تدوین الکتب کیونکہ ان میں بھی بعض حصوں کو بعض کے ساتھ قریب کرنے والی صورت پائی جاتی ہے اور اس سے ہے دُونک ھٰذا یعنی اس شئے کو اپنے قریبی مکان سے لے لو۔ پھر مکان کی بجائے رتبی تفاوت میں بطورِ استعارہ استعمال کیا گیا پس کہا گیا زید دُون عمرو یعنی شرف اور مرتبہ میں زید عمرو سے کمتر ہے اور اس سے ماخوذ ہے الشئ الدون حقیر شئے پھر اس میں مزید توسیع اور تجوز سے کام لیتے ہوئے ایک حد سے دُوسری حد کی طرف تجاوز اور ایک امر سے دُوسرے امر کی طرف قدم بڑھانے اور چل پڑنے میں اس کو استعمال کر دیا گیا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے نہ بنائیں مومنین کافروں کو اپنے ناصر و مددگار من دُون المؤمنین یعنی مومنین کی دوستی اور نصرت و امداد سے تجاوز نہ کریں طرف کفار کی دوستی اور نصرت و امداد کے اور اُمیہ شاعر نے کہا :

اے میرے نفس نہیں ہے تیرے لیے کوئی بچانے والا دُون اللہ یعنی جب تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت و پناہ سے تجاوز کرے تو اس کا غیر تجھے نہیں بچائے گا۔

فاضل سیالکوٹی فرماتے ہیں :

ای اقرب مکان منہ لکن مع انحطاط یسیر فان

دون نقیض فوق کما فی الصحاح فهو ظرف مکان مثل عند الآ انه ینبئ عن دنو اکثر و انحطاط قلیل

یعنی دُون کی تفسیر ادنیٰ مکان ہے لیکن تھوڑی سی پستی ملحوظ رکھتے ہوئے کیونکہ دُوْنَ فوق کی نقیض ہے جیسے کہ صحاح میں ہے لہٰذا وُہ عند کی طرح ظرف مکان ہے مگر دُون میں بہت زیادہ قرب اور تھوڑی سی پستی معتبر ہے (بخلاف عند کے)

ثم استعیر للرتب ای للتفاوت فی الرتب المعنویة تشبیها لها بالمراتب الحسیة وشاع استعماله فی ذٰلك اکثر من استعماله فی الاصل ثم اتسع فی هٰذا المستعار فاستعمل فی کل تجاوز حد الیٰ حد و ان لم یکن هناك تفاوت وانحطاط و هو بهٰذا المعنی قریب من غیر کانه اداة استثناء کما یشیر الیه المصنف فی ماسیأتی ص۲۳۸ وکذا فی رُوح المعانی صفحه ۱۸۰-۱۸۱ وکذا فی شیخزاده ص۱۹۵-۱۹۶ -

پھر دُون کا لفظ رتبوں کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا گیا یعنی معنوی مراتب میں تفاوت بیان کرنے کے لیے ان کو محسوس مراتب کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے اور لفظ دُون کا استعمال اس معنیٰ میں زیادہ عام اور معروف ہے بنسبت اصل معنیٰ کے پھر اس میں وسعت پیدا کرتے ہوئے اس مجازی لفظ کو ایک حد سے دُوسری حد کی طرف تجاوز میں استعمال کر دیا گیا اگرچہ وہاں پر انحطاط اور مکانی

پستی کی طرح رتبی پستی بھی نہ ہو اور لفظ دُون اس معنی کے لحاظ سے لفظ غیر کے قریب ہے گویا کہ وہ حرفِ استثنار ہے جیسے کہ مصنف عنقریب اس کی طرف اشارہ فرمائیں گے۔

امام راغب فرماتے ہیں :

یقال للقاصر عن الشیٔ دُون وقال بعضهم هو مقلوب من الدنو والا دون الدّنیٰ وقوله تعالیٰ :

لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ ( ) ای ممن لم تبلغ منزلته منزلتکم فی الدیانة وقیل ف القرابة وقوله تعالیٰ :

یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ج (سورۃ النسار آیت ۴۸)

اے ما کان اقل من ذٰلك وقیل ماسویٰ ذٰلك والمعنیان یتلازمان وقوله تعالیٰ :

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط

ای غیر الله وقیل معناه الٰهین متوصلا بهما الی الله ۔

(مفردات صـ۱۷۵ صـ۱۷۶)

ایک چیز سے کوتاہ شیٔ کو دُون کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دُون دنو سے تبدیل شدہ ہے اور ادون گھٹیا پر بولا جاتا ہے۔ اور قول باری تعالےٰ

لا تتخذوا بطانةً من دونکم (سورہ ایت)

یعنی نہ پکڑو قلبی دوستی ایسے لوگوں سے جن کا مرتبہ دیانت میں تمہارے

مرتبہ کر نہیں پہنچا یا قرابت میں نہیں پہنچا۔

اور قولِ باری تعالیٰ :

یغفر ما دون ذٰلک

یعنی اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے شرک سے دُون یعنی قلیل کو اور کہا گیا ہے کہ شرک کے ماسوا کو۔ اور دو نو معنے باہم لازم و ملزوم ہیں اور قولِ باری تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے کہ کیا تُو نے لوگوں سے کہا ہے کہ مجھے اور میری امی کو الٰہ بنالو من دون اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کہا گیا ہے کہ ہمیں دو الٰہ بنالو ہم سے توسل حاصل کرتے ہوئے طرف اللہ تعالیٰ کے۔

الغرض ان اقوال سے بھی حسی طور پر پست اور رتبہ و درجہ میں پست اور سوا اور غیر کے معنیٰ میں لفظ دُون کا استعمال واضح ہے۔ اور پہلے قاضی بیضاوی کے قول میں تصریح گزر چکی ہے کہ اولیاء من دُون المؤمنین میں تجاوز والا معنیٰ مُراد ہے اور ایسے ہی قولِ باری تعالیٰ :

لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ

(سورۃ الاعراف آیت ۸۱)

میں بھی یہی معنیٰ متعین ہے کہ عورتوں سے تجاوز کرتے ہوئے اور انہیں چھوڑ کر مردوں کے ساتھ تقضائے شہوت کرتے ہو یہاں مکان یا مرتبہ کے لحاظ سے نیچے والا یا آگے اور پیچھے والا معنیٰ مُراد ہو ہی نہیں سکتا۔

قولہ تعالیٰ :

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

(سورہ نمل آیت ۲۴)

میں نے اس (بلقیس) کو اور اس کی قوم کو پایا سُورج کو سجدہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سجود سے تجاوز کرتے ہوئے یا اللہ تعالیٰ کے سوا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ سے نیچے یا آگے یا پیچھے والا معنیٰ متصوّر نہیں ہو سکتا۔ الغرض اصل اور مجازی شائع معانی میں سے جو بھی جہاں پر مناسب ہو گا لے لیا جائے گا، اور غیریت ہر جگہ ثابت ہو گی لہٰذا اس معنیٰ کا ارادہ بھی صحیح ہو گا۔

علّامہ سرفراز صاحب کی اُلٹی منطق

قولِ باری تعالیٰ:

وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ج

(سُورۃ القصص آیت ۲۳)

میں علّامہ صاحب فرماتے ہیں کہ غیر والا معنیٰ مُراد ہو ہی نہیں سکتا ورنہ لازم آئے گا کہ دُوسرے لوگ موجود ہی نہ ہوں حالانکہ دُون کا حقیقی معنیٰ سوٰی اور غیر اگرچہ نہیں ہے لیکن اس کا معنیٰ متصوّدی جو بھی ہو اس کو غیر اور سوا ہونا لازم ہے اور وُہ غیر کے حکم میں ہے اور اس سے از روئے معنیٰ قریب ہے اور کسی قریبی اور حکم میں شریک لفظ کے لیے جملہ احکام میں شرکت ضروری نہیں تاکہ اس طرح کا اشکال پیدا کیا جائے۔ یہاں تیسرا معنیٰ یعنی تجاوز مُراد ہے اور اس کو غیر والا معنیٰ لازم و لاحق ہے تو مطلب یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُوسرے لوگوں کے مکان سے تجاوز کرتے ہوئے دو عورتوں کو پایا جو اپنی بکریاں روکے کھڑی تھیں۔ نیز اُوپر گزر چکا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سے فرمائے گا کیا تُو نے لوگوں سے کہا ہے کہ مجھے اور میری امّی کو مِنْ دونِ اللّٰہ" اِلٰہ بنا لو یعنی سوائے اللّٰہ تعالیٰ کے اور بغیر اللّٰہ تعالیٰ کے الٰہ بنا لو تو کیا یہاں پہ اللّٰہ تعالیٰ کے الٰہ ہونے کی نفی ہو جائے گی؟ اور مطلب یہ بن جائیگا کہ ہمیں الٰہ بناؤ اللّٰہ تعالیٰ کو الٰہ نہ بناؤ؟ حالانکہ اللّٰہ تعالیٰ نے تثلیث کے قائلین کا رد فرمایا ہے تو یہاں پر اللّٰہ تعالیٰ کے الٰہ ہونے کی نفی بھی نہیں اور نہ کُفّار کے آپ کو الٰہ سمجھنے کی نفی ہے بلکہ اسکی وحدانیت اور تفردِ فی الالوہیت سے تجاوز کرتے ہوئے مزید دو الٰہ ماننے پر ردّ و قدح کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح اس آیتِ مبارکہ کا مطلب بھی یہی ہو گا کہ ان کے علاوہ اور ان کے سوا دو عورتوں کو بھی پایا نہ یہ کہ قوم کو نہ پایا صرف دو عورتوں کو پایا۔

بہرکیف مِن دُونِ اللّٰہ میں مشرکین کے تجاوز کو ملحوظ رکھا گیا ہے خواہ انہوں نے وجوب الوجود میں واحد ماننے سے تجاوز کیا۔ خواہ صفاتِ کمال کے مقتضائے ذات ہونے میں یکتائی سے تجاوز کیا خواہ تدبیر و تصرف میں انفرادیتِ باری تعالیٰ سے تجاوز کیا یا استحقاقِ عبادت میں یکتائی اور اختصاص ماننے میں تجاوز کیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا اور نہ کوئی اس کا قائل ہو سکتا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کو بالکل چھوڑ دیں اور نسیاً منسیاً سمجھیں تبھی شرک پایا جائے گا اور تب ہی مِن دونِ اللّٰہ کا الٰہ ماننا درست ہو گا بلکہ اس کی انفرادیت توحد و تفرد اور امتیاز و اختصاص سے تجاوز اور اس کے ساتھ وجوب الوجود صفات ذاتیہ اور تدبیر و تصرف اور عبادت و تذلل میں اشتراک ثابت کرنا شرک ہے اور ظلمِ عظیم اور ناقابلِ عفو و درگزر جرم۔ کما قال تعالیٰ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ

(سورہ نسا آیت ۴۸)

خواہ لوگ اپنی حماقت سے اس غیراللہ کو قرب اور وصل کا ذریعہ ہی کیوں نہ سمجھیں مگر حقیقت میں وہ دُور کرنے کا سبب موجب ہے اس لیے اس کو من دون اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

کیا رسل و انبیاء علیہم السلام من دُون اللہ ہیں؟

بعض لوگوں نے رسل کرام اور اولیاءِ عظام کو بھی "من دُون اللہ" میں داخل کر دیا اور ان سے احتراز و اجتناب کو لازم قرار دیا اور ان کی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کو شرک ٹھہرایا اور ان میں مخلوق سے امتیازی اور خصوصی کمالات تسلیم کرنے کو بھی شرک قرار دے ڈالا۔

چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ بعض متصوفہ نے یہ دعویٰ کیا کہ مخلوق کو رسل کرام کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں:

الرسل سوی اللہ وکل ماسوی اللہ فھو حجاب عنه جل شانهٗ۔

فالرسل حجاب عنه تعالیٰ وکل ما ھو حجاب فلا حاجة للخلق الیه فالرسل لا حاجة للخلق الیھم

رسل کرام اللہ تعالیٰ کا ماسوٰی ہیں۔ اور ہر وہ جو اللہ سبحانہٗ کا ماسوٰی ہے وہ حجاب ہے۔

لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ رسل باللہ تعالیٰ کیلئے حجاب ہیں (اور مخلوق کو اس سے دور کرنیکا ذریعہ) اور وہ شئے جو مخلوق کے لیے اللہ کے سامنے حجاب بن جائے اس کی طرف مخلوق کو بالکل حاجت اور ضرورت نہیں ہوسکتی، (بلکہ ان کا وجود مضر اور نقصان دہ ثابت ہوگا اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ سے دُور رکھے جانے کا موجب بنے گا) ۔ العیاذ باللہ تعالیٰ ۔ علامہ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ وھٰذا جھل ظاھر ولعمری انہ زندقہ والحاد وفسادہ مثل کونہ زندقۃ فی الظھور ویکفی فی ذٰلک منع الکبریٰ القائلۃ کل ما سواہ سُبحانہ تعالیٰ فھو حجاب عنہ فان الرسُول وسیلۃ الی اللہ فی الوصول الیہ تعالیٰ لا حجاب وھل یقبل ذو عقل ان النائب السلطان فی بلادہ حجاب عنہ۔

اس قول کا سراسر جہل ہونا ظاہر ہے اور مجھے اپنے خالقِ زیست کی قسم یہ زندقہ اور الحاد ہے اور اس کا فساد و بطلان اس کے زندقہ و بیدینی ہونے کی مانند ظاہر ہے اور اس کے رد میں قیاسِ اوّل کے کبریٰ کا ممنوع و مردود ٹھہرانا کافی ہے یعنی ہر ماسوی اللہ اور غیر اللہ اللہ تعالیٰ کے لیے حجاب ہے کیونکہ رسل کرام اللہ تعالیٰ کی ذات (کی معرفت) اور اس تک وصول او رسائی کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں نہ کہ حجاب اور مانع ۔ آیا کوئی عقلمند یہ باور کر سکتا ہے کہ بادشاہ کا نائب اور خلیفہ اس کے بلاد اور سلطنت میں بادشا کی ذات کے لیے حجاب ہے ۔

۲۔ ھب ان ھٰذا القائل امکنہ الوصول الیہ تعالیٰ

بلاواسطة بقوة الرياضة والاستعداد والقابلية فالسواد الاعظم الذين لا يمكنهم ما امكنه كيف يصنعون ؟

بالفرض والتقدیر مان لیں کہ اس قائل کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف وصول ممکن ہے بغیر واسطہ رسول کے محض اپنی ریاضت اور استعداد و قابلیت کے بل بوتے پر تو وہ سوادِ اعظم اور جمہور جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات تک رسائی اپنے مجاہدات و ریاضات اور قابلیت و استعداد سے ممکن نہیں تو وہ کیا کریں؟

(صفحہ نمبر ۸۵ ج ۱۴ روح المعانی)

یعنی اس کی اتباع کریں تو یہ بھی غیر اللہ اور سوی اللہ ہونے کی وجہ سے حجاب ہے جیسے کہ بقول اس کے رسل کرام اور خود بخود بھی واصل نہیں ہو سکتے تو اس قائل کا فتویٰ یہی ہوگا کہ رسل والے حجاب کو برداشت نہ کریں، اور وصول و قرب سے محرومی برداشت کرلیں۔ رسل والا حجاب اس محرومی سے بدرجہا بُرا ہے جیسے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے کہا ہے کہ اپنے قصد و ارادہ اور توجہ و التفات کو شیخ اور ان کی مانند بزرگانِ دین کی طرف پھیرنا اگرچہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کیوں نہ ہوں:

بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در خیال گاؤ و خر خود است۔ کئی درجہ بدتر ہے اپنے بیل اور گدھے کے خیال میں گم اور غرق ہونے سے۔

(صراطِ مستقیم ص ۱۳۶)

اور بقول علامہ آلوسی صاحب رحمہ اللہ کے یہ سراسر الحاد و بیدینی اور

زندیقیت ہے۔

اور قبل ازیں علامہ ابنِ تیمیہ کا قول اس ضمن میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حقوق کا باہمی تلازم آیات کلامِ مجید سے واضح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احترام اور اس کے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احترام کی جہت اور علت ایک ہے لہٰذا جس نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

لان الامة لا یصلون ما بینهم و بین ربهم الا بواسطة الرسول۔ لیس لاحد منهم طریق غیره ولا سبب سواه وقد اقامه اللہ مقام نفسه فی امره ونهیه واخباره وبیانه فلا یجوز ان یفرق بین اللہ وبین رسوله فی شی من هذه الامور۔

(الصارم المسلول ص۴۱)

کیونکہ اُمتی لوگ اپنے اور ربّ تعالیٰ کے درمیان ربط و تعلق قائم نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ کا وصل و قرب حاصل نہیں کر سکتے مگر رسولِ مکرم[1] کے ہی توسط سے۔ ان میں سے کسی کے لیے نہ کوئی دُوسرا طریقہ اور راستہ ہے اور نہ کوئی سبب اور ذریعہ اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنا قائم مقام بنا دیا امر و نہی اور اخبار و بیان میں لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ان

[1] صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

امور کے درمیان فرق کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

فائدہ : علامہ ابن تیمیہ کی عبارت سے علامہ آلوسی صاحب رحمہ اللہ کے اس قول کی تائید و تصدیق ہو گئی کہ بادشاہ کا نائب السلطنت اور خلیفہ اس کے لیے حجاب نہیں ہو سکتا تو اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق اور خلیفہ علی الاطلاق سید السادات فخرِ موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے لیے حجاب نہیں ہو سکتے اور ایسے ہی جملہ انبیاء و رسل اور صدیقین و شہداء اور صلحاء و اتقیاء۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی راہ پر چلنے اور ان کی اطاعت و اتباع کی توفیق طلب کرنے کی تعلیم دی ہے اور تلقین فرمائی ہے :

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ
ولقوله ـ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ (النساء ۶۹)

اگر وہ حجاب ہوتے اور دوری کا سبب موجب ہوتے تو اللہ تعالیٰ کبھی یہ تعلیم نہ دیتا اور نہ اس دعا کی تلقین فرماتا۔

نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت علامہ آلوسی کا یہ تسلیم کرنا کہ اس مدعی اور قائل کے لیے بغیر توسط رسول کے وصول ممکن ہو مجاہدات و ریاضات کی بدولت اور اپنی ذاتی قابلیت اور استعداد کی بدولت تو محض فرض محال کے طور پر ہے ورنہ امت کے لیے دوسرا کوئی طریقہ اور راستہ اور ذریعہ و وسیلہ خداوند تعالیٰ کے وصل و قرب کا بالکل نہیں ہے۔ ؎

وانت باب اللہ ای امرئ اتاہ من غیرک لا یدخل

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہُوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسُول اللہ کی

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں تعظیم شعائر اللہ کے باب میں فرماتے ہیں: ص ۱۴۳ - ۱۴۵ -

قال اللہ تعالیٰ:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○

(سُورۃ الحج آیت ۳۲)

اعلم ان مبنى الشرائع على تعظيم شعائر الله تعالى والتقرب بها اليه تعالىٰ (الى) ومعظم شعائر الله اربعة القرآن والكعبة والنبى والصلوٰة (الى) واما النبى فلم يسم مرسلا الا تشبيها برسل الملوك الى رعايا هم مخبرين بامرهم ونهيهم ولا يجب عليهم طاعتهم الا بعد مسارقة تعظيمهم لتعظيم المرسل عندهم فمن تعظيم النبى وجوب طاعته والصلوٰةُ عليه وترك الجهر عليه بالقول۔ الخ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کے تقویٰ سے ہیں۔ جان لو کہ شریعتوں کا دار و مدار شعائر اللہ کی تعظیم

اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب پر ہے اور شعائر اللہ میں سے عظیم ترین شعائر چار ہیں۔ قرآن مجید، کعبہ شریف اور نبی و رسول علیہ السلام اور نماز (تا) لیکن نبی کو مرسل کا نام جو دیا گیا ہے تو یہ صرف اس کی مشابہت کی بنا پر ہے ساتھ بادشاہوں کے اپنی رعایا کی طرف بھیجے جانیوالے پیغام رسانوں کے جو انہیں اپنے بادشاہوں کے امر و نہی کی خبر دیتے ہیں اور امتیوں پر رسلِ کرام کی اطاعت و فرمانبرداری صرف اس صورت میں لازم کی گئی ہے جب کہ ان کے ہاں رسل کی تعظیم ارسال فرمانے والے (رب تعالیٰ) کی تعظیم کے مماثل و مشابہ ہو پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم سے ہے ان کی اطاعت کا وجوب و لزوم اور ان پر درود و صلوٰۃ بھیجنا اور ان کی بارگاہ میں آواز کو بلند کرنے سے اجتناب کرنا۔

الغرض حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک بھی رسلِ کرام قربِ خداوند تعالیٰ کا اور اس کی بارگاہِ اقدس تک رسائی کا واسطہ و وسیلہ ہیں اور ان کی تعظیم و تکریم واجب و لازم ہے اور قلبی تقویٰ و طہارت اور ایمان خالص کی دلیل و برہان ہے اور اسی طرح کعبہ شریف کی تعظیم و تکریم اور قرآنِ مجید اور نماز کی تعظیم کا بھی یہی حکم ہے۔

پوری تفصیل اصل کتاب میں ہی ملاحظہ فرما دیں۔

لہٰذا یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ من دون اللہ اور ہیں۔ اور نبی اللہ رسول اللہ اور ولی اللہ اور ہیں۔ من دون اللہ اور ہیں۔ اور من اللہ الی اللہ اور ہیں۔ دوری اور بعد کے موجب اصنام اور حجاب و محرومی کے موجب اوثان

پر اللہ تعالیٰ کے تقرب اور وصل کے وسائل اور ذرائع کو قیاس کرنا سراسر محرومی اور بدنصیبی ہے اور بے دینی و الحاد اور منصب نبوت و رسالت کی توہین و تحقیر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ اور محبوب ترین حکمتوں اور مصلحتوں پر ردوقدح اور تنقید و انکار کے مترادف ہے جو عام مسلمان کے بھی قطعاً لائق نہیں چہ جائیکہ علماء کرام کے لائق اور شایانِ شان ہو۔

گلدستۂ توحید

مشرکین کے ذاتِ باری تعالیٰ کے متعلق خالق، مالک، مدبر اور مختارِ کل کا عقیدہ سامنے رکھتے ہوئے "دُون اللہ" کا معنیٰ یہی ہوگا کہ وہ اللہ تعالے کو مانتے ہوئے اس کے نیچے، اس کے سامنے اور اس کے ورے دوسروں کو مافوق الاسباب طور پر پکارا کرتے تھے اور ان کے ناموں کی نذر اور منت دیا کرتے تھے تاکہ وہ راضی ہو کر خداوند تعالیٰ سے ان کے کام کرا دیں اور یہی ان کا شرک تھا لیکن آجکل کلمہ پڑھنے والوں میں اس کی کمی نہیں ہے۔ (ص ۱۳۵)

گلشنِ توحید و رسالت

بقیہ مباحث پر تو پہلے بحث ہو چکی یعنی وہ مختارِ کل کس طرح مانتے تھے؟ اور ان کے ہاں نذر و نیاز کی حقیقت کیا تھی؟ اور اہلِ اسلام کے نزدیک مقبولانِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ کے مختار باذن اللہ ہونے کی صورت کیا ہے اور نذر و نیاز کی حقیقت کیا ہے۔ دُون اللہ کا صحیح مفہوم کیا ہے اور فوق الاسباب اور

تحت الاسباب کے تفرقہ کی لغویت بھی واضح کی جاچکی ہے۔ نیز ندا، و پکار کا صحیح مفہوم بھی واضح کیا جاچکا ہے جبکہ مزید تحقیق خاتمہ میں ذکر کی جائے گی۔

اس وقت صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ علامہ صاحب موصوف ایصالِ ثواب کو جائز اور درست تسلیم کرتے ہیں یا نہیں اور جس کو ثواب پہنچایا جائے وہ خوش ہوتا ہے یا خوش نہیں ہوتا؟ نیز اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقبول حضرات کو خوش کرنے سے خود اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر اہلِ اسلام کو اتنا ہی بتلا دیں کہ اولیاءِ کرام کے لیے ایصالِ ثواب جائز ہے اور ان کو راضی اور خوش کرنے کا ذریعہ ہے اور ان کی دعائیں وصول کرنے اور نگاہِ لطف و کرم حاصل کرنے کا وسیلہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں اور اس ذریعہ سے مشکلات حل ہوسکتی ہیں اور حاجات پوری ہوسکتی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے فضل و کرم سے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علامہ صاحب جواز والی کوئی صورت بتلا کر خوش نہیں ہوتے اور شرک اور کفر کے فتوے لگانے سے ہی ان کے دل کو سکون اور نفس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ جب خداوندِ کریم اور ارحم الراحمین اس جہان میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ ان غلاموں سے صدقات و خیرات وصول کریں اور اس طرح ان کو پاک و صاف بھی کریں، اور انہیں دعا دیں کیونکہ انہیں تمہاری دعا سے سکونِ قلب اور روحانی طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ قال تعالیٰ:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ

عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۔ (سُورۃ التوبہ آیت ۱۰۳)

اور محبوب کریم علیہ السلام نے اس حکم پر عمل فرمایا اور اس کی تعمیل فرمائی تو وہ یقیناً دارِ برزخ میں ہدیہ درود و سلام اور بدنی و مالی عبادات کا ثواب پیش کرنے پر خود بھی دعاؤں سے نوازیں گے اور اللہ تعالیٰ بھی از روئے لطف و کرم ان کو ضرور اس طرف ترغیب دے گا اور متوجہ فرمائے گا کہ اے محبوب اب بھی ان غلاموں کی تطہیر اور تزکیہ کے ساتھ ساتھ انہیں دعاؤں سے بھی مشرف فرماؤ۔

دیکھیے جب ہم سلام نیاز عرض کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو مشاہدات انوارِ قدس اور ان میں استغراق سے نکال کر ہم فقیروں اور گداؤں کی طرف متوجہ فرماتا ہے تاکہ ہمارا سلام شوق وصول بھی فرمادیں اور جواب بھی عطا فرمادیں۔

ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتّی ارد عَلَیْہِ السّلام۔

(رواہ ابو داؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔ مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

تو اس کریم خداوند تعالیٰ کی شانِ کریمی سے یہی امید و رجاء ہے کہ وہ ضرور بالضرور ان تحائف اور ہدایا کو قبول کرنے کی ترغیب بھی دے گا اور دعاؤں سے نوازنے کی بھی اور پھر قبول بھی فرمائے گا ورنہ دعا کا حکم دینا ہی عبث اور بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا بلکہ دعا مانگنے کا حکم دیکر اگر قبول نہ کرے تو محبوب کریم علیہ السلام کو بے آبرو کرنا اور بے وقار بنانا لازم آئے گا جو قطعاً

شانِ خداوند تعالیٰ اور اس کی محبت اور شانِ رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی محبوبیت کے لائق نہیں۔

نیز جب اللہ تعالیٰ ان کے دل کے ارادے بدلنے پر قبلے بدل دے اور ایسے احکام میں ان کی رضامندی کو ملحوظ رکھے۔ کما قال:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۖ

(سورۃ البقرہ آیت ۱۴۴)

تو کس قدر اس کے محبانہ تعلق سے یہ امر بعید تر ہے کہ دعائیں کرنے کا حکم دے اور قبول بھی نہ فرمائے اور خدانخواستہ اگر اللہ تعالیٰ کا معمول اور عادتِ مبارکہ یہی تھی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کو آپ کی دعاؤں سے سکون کیونکر حاصل ہو جاتا تھا؟ اور پھر اللہ تعالیٰ کو اس کا حوالہ دینا کیونکر زیبا تھا؟

علاوہ ازیں اس کریم کی فراوانیٔ کرم کا حال تو یہ ہے کہ محبوب کریم علیہ السلام کے صادق غلام اگر اس کے کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے کوئی بات کہہ دیں تو وہ ان کو لوگوں میں شرمندہ اور بے آبرو نہیں ہونے دیتا اور اسے ضرور پورا کر دیتا ہے۔ کما قال علیہ السلام:

ان من عباد اللہ من لو اقسم علی اللہ لابرہ

(رواہ المسلم والبخاری، مشکوٰۃ کتاب القصاص)

اگر غلاموں پر کرم نوازی کا عالم یہ ہے تو سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کا اعجاز کیا ہوگا؟

بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خود فرماتے ہیں کہ تمہارے عمل مجھ

پر پیش ہوتے رہیں گے اگر اچھے عمل دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور بُرے عمل دیکھوں گا تو تمہارے لیے بخشش کی دُعا کروں گا۔ کما ذکرت سابقا،

توجب آپ پہلے ہی دُعاؤں میں مصروف ہیں بغیر ہمارا یا و تحائف پیش کیے اور بغیر عرض و التجا کیے، تو عرض و التجا کی صورت میں بطریقِ اولیٰ شانِ کرم کا اظہار فرما دیں گے۔

کتب احادیث میں درود و سلام کے ثمرات و برکات میں جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک درود کے بدلے دس دس درود بھیجنے کا اور دس دس گناہ معاف کرنے اور دس دس درجے بلند کرنے کا مژدہ ہے وہاں پر سیّدِ عالم نورِ مجسّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سب سے زیادہ قریب ہونے کا مژدہ بھی مذکور ہے جس سے صاف ظاہر کہ ہماری یہ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور نبیِ اکرم شفیعِ معظّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رضامندی کے حصول کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہیں نیز جس دُعا کے اوّل و آخر درود شریف نہ ہو زمین و آسمان کے درمیان معلّق رہتی ہے اور بارگاہِ خداوندی تک رسائی حاصل ہی نہیں کر سکتی تو معلوم ہوا کہ ہماری دُعاؤں کی قبولیت کے لیے درود اور سلام ذریعۂ قبولیت ہے تو آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں بھیجے جانے والے عباداتِ بدنیہ اور عباداتِ مالیہ کے تحائف یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں رحمتِ کائنات فخرِ موجودات صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہاں بھی ضرور قبولیت پاتے ہیں اور حلِ مشکلات اور قضائے حاجات کا ذریعہ و وسیلہ بن جاتے ہیں۔

علّامہ صاحب نے بخاری شریف میں یہ روایات دیکھی تو ہوں گی اور پڑھی

پہچانی بھی ہوں گی مگر کاش اللہ تعالیٰ انہیں ان میں غور کرنے کی بھی توفیق عطا فرماتا۔

۱۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان اپنے ہدیے اور تحفے بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرنے کے لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار کرتے رہتے تھے۔ جب ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو سبھی اپنے ہدیے، تحفے اور نذرانے بھیجتے دوسری ازواجِ مطہرات کے ہاں تشریف فرما ہوتے وقت نہیں بھیجتے تھے۔

یبتغون بذٰلك مرضاة رسول الله صلی الله علیه وسلم

وہ اپنے اس عمل کے ذریعے نبی کریم علیہ السلام کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس عمل سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خوش ہو جاتیں اور وہ محبوبِ خداوند تعالیٰ کی محبوب ترین بیوی تھیں تو اس طرح نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی اعلیٰ طریقہ اور بہترین صورت میں حاصل ہو جاتی۔

فائدہ جلیلہ: اس سے ہمارے لیے یہ سنت اور طریقہ واضح ہو گیا کہ کسی محبوب کی رضامندی اکمل و اعلیٰ اور اتم و احسن طریقہ پر حاصل کرنی ہو تو اس محبوب کے محبوبوں کو راضی کرو اور خوش رکھو۔ نیز نیک کاموں کیلئے دن اور جگہ کا تعین کر لینے کا جواز بھی واضح ہو گیا کیونکہ صحابہ کرام نے اس کارِ خیر کے لیے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی باری والا دن بھی معین کر رکھا تھا اور ان کا حریمِ ناز اور دولتکدہ بھی مخصوص کر رکھا تھا۔

۲۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض

کیا کہ مجھے عمر کے اس حصہ میں ازدواجی تعلقات کی خواہش نہیں صرف قیامت کے دن آپ کی زوجات میں اٹھائے جانے کی خواہش ہے لہٰذا مجھے اپنی زوجیت میں رکھیں اور میرے لیے دیگر ازواج کی طرح بیشک باری مقرر نہ فرمادیں بلکہ میں اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیتی ہوں، چنانچہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضامندی اور لطف وکرم حاصل کرنے کیلئے اپنی باری حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی۔

یبتغی بذٰلك مرضاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لہٰذا واضح ہوگیا کہ مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کو ایسے ہدیے اور تحائف پیش کرنا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کا ذریعہ ہے نہ کہ اس کی ناراضگی کا اور یہ جذبہ اور طلب کفر وشرک نہیں بلکہ جانِ ایمان اور روحِ دین ہے۔

۳۔ نیز نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ میت قبر میں اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو ڈوب رہا ہو اور نجات و فلاح کے لیے لوگوں کو پکار رہا ہو وہ بھی انتظار میں ہوتا ہے کہ باپ ماں بھائی، دوست دعا کرتے (اور میری نجات کے موجب بنتے) جب ان میں کوئی اس کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ اس کے نزدیک دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔

ما المیت فی قبرہ الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب وام او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کانت احب الیہ من الدنیا وما فیہا۔

(مشکوٰۃ شریف باب الخوف والبکاء)

اگر عام آدمی کے نزدیک دُعائیں کرنے والے محبوب بن جاتے ہیں تو ان محبوبانِ خداوند تعالیٰ کے لیے دُعا کرنے والے بھی یقیناً ان کے ہاں محبوب اور عزیز تر بن جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی کیوں کہ بزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے۔

الخلق عیال اللہ واحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ

رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن انس وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق۔

مخلوق اللہ تعالیٰ کے لیے بمنزلہ عیال کے لیے ہے پس تمام مخلوق سے محبوب تر اللہ تعالیٰ کے ہاں وُہ ہے جو اس کی عیال کے ساتھ نیکی کرے اور حُسنِ سلوک کا مظاہرہ کرے۔

الغرض اہل السنّت وجماعت کے ہاں ان مقبولانِ بارگاہ کی نذر و نیاز کا مطلب ہے ایصالِ ثواب کی صورت میں ہدایا و تحائف پیش کرنا اور یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ تقرّب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور ترقی درجات کا بھی اور اللہ تعالیٰ اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کی نگاہِ لُطف وکرم کا وسیلہ ہے اور دُنیا و آخرت میں سرخروئی اور کامیابی وکامرانی کا بھی۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

کیا کوئی کام اللہ تعالیٰ سے کرا دینے کا عقیدہ رکھنا بھی شرک ہے؟

اگر علّامہ صاحب کو اس نظریہ پر بھی اعتراض ہے تو اس کا گلہ ہمیں نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ سے گلہ کریں کہ تُو نے اپنی توحید کو خود ہی نقصان پہنچانے

کی ٹھان رکھی ہے تو ہم دیوبندی بچارے کیا کریں۔

۱۔ تو یہ بندے کریں اور گناہ تو بخشے تو درمیان میں رسُول کو لانے کی کیا ضرورت تھی ؟ خواہ مخواہ غیراللہ کے دروازے پر ان کو سوال کرنے کے لیے بھیجا اور ان کو شرک کی راہ پر ڈال دیا۔ (العیاذ باللہ)

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

(سُورۃ النساء آیت ۶۴)

۲۔ نیز ساری اُمتِ مُسلمہ پر چڑھائی کر دینی چاہیے کہ وُہ پندرھویں صدی تک درِ رسُول[1] پر حاضر ہو کر اور اس فرمانِ خُداوندی کا حوالہ دیکر سفارش کیلئے عرض کرتے ہیں اور مغفرت و بخشش جیسے اہم مقصد اور مطلب کے بارے میں امید رکھتے ہیں کہ وُہ دُعا کر کے یہ مطلوب اور مقصُود پُورا کرا دیں گے۔

۳۔ علاوہ ازیں قیامت کے دن تو علاّمہ صاحب کو اور بھی زیادہ تکلیف ہوگی جب تمام امم اور رسل و انبیاء اور صدیقین و شہداء اور اولیاء و صلحا اور عام مومنین و مسلمین اور مومنات و مسلمات اللہ تعالیٰ کے سامنے اور اس کے نیچے اور اس کے در سے اسی محبُوب کو پُکاریں گے اور انہیں سے استغاثہ اور فریاد کریں گے اور حالتِ زار عرض کر کے شفاعت چاہیں گے اور آپ انا لھا کہتے ہوئے شفاعت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ ناراض ہونے کی بجائے راضی ہو کر اور شانِ جمالی اور کریمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس شفیع الخلائق کو عرش کی دائیں جانب مقامِ محمُود والی وزارتِ عظمیٰ کی کرسی پر بٹھا دیگا اور حساب و کتاب

[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

شروع کرکے جنّت کے مستحقوں کو جنّت میں بھیج دے گا اور پھر دوزخ میں جانے والے گناہگاروں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شفاعت اور انبیاء و رسل اور اولیاء و شہداء وغیرھم کی شفاعت سے دوزخ سے نکال کر جنّت میں داخل کر کے ابدی راحت اور عیش و مسرّت والی زندگی اور عزّت و شرف والا مقام عطا فرمادے گا اور شفیع المذنبین اور دیگر محبوبین کی شانِ شفاعت اور مقامِ محبوبیت ظاہر فرمائے گا۔ اُمید ہے کہ علّامہ سرفراز صاحب صفدر اس دن بھی ڈٹے رہیں گے اور بالکل نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے در پر شفاعت کی اپیل لے کر حاضر نہیں ہوں گے اور یہ عقیدہ بالکل نہیں اپنائیں گے کہ آج ان کی شفاعت سے یہ عظیم ترین حاجت پوری ہو سکتی ہے اور اہم ترین مشکل حل ہو سکتی ہے اور یہ محبوب اللہ تعالیٰ سے یہ کام کرادیں گے۔ افسوس اگر کوئی جاہل ایسی باتیں کرتا تو اس کو آیات و احادیث دکھلاتے مگر شیخ القرآن اور شیخ الحدیث کہلانے والے ایسی جہالتوں کا مظاہرہ کریں تو اس کا کیا علاج ہے

خضر کیونکر بتائے کیا بتائے
اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے

اور اگر جھگڑا دُور سے پکارنے اور شفاعت کر کے کام کروا دینے میں ہے تو اتنا تو لوگوں کو بتلاؤ کہ قریب سے سُنتے بھی ہیں اور دُعائیں کر کے کام کروا دیتے ہیں مگر اس قدر حق گوئی کی بھی توفیق نہیں تو دور یا فوق الاسباب قریب کی دُنیا میں نہ ہونے کے تعقیبات اور تخمیمات کی تکلیف کیوں کی

جاتی ہے؟ اور اپنے قیاساتِ فاسدہ کے ذریعے نصوصِ کتاب کو مقید و مخصوص ٹھہرانے کی سعی کیوں کی جاتی ہے؟ محض اُلجھاؤ پیدا کرنا اور شرک کی رٹ لگائے جانا تو کوئی اہم مشن اور ارفع و اعلیٰ مقصد نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ یہ الزام سچ اور برحق ثابت کیا جائے۔

دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

آیئے اب دُور سے اور دُوسری دُنیا میں ہوتے ہوئے اور فوق الاسباب پکار کے سُننے نہ سُننے کی حقیقت معلوم کریں۔

کیا دُور سے سُننا یا دُوسرے جہان میں ہوتے ہوئے سُننا جاننا محال اور ناممکن ہے اور قطعی دلائل کے خلاف ہے؟

خاتمہ: قبل ازیں آیات کلامِ مجید اور احادیث و آثار اور مفسرین کرام اور علماءِ اعلام کے اقوال سے یہ حقیقت واضح ہو چکی کہ مشرکین اصنام واوثان اور صور و تماثیل کی پُوجا پاٹ اور عبادت و پرستش کرتے تھے اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں مبتلا ہو کر اس جہالت و حماقت سے باز آنے اور تائب ہونے کو تیار نہ ہوتے تھے اور ان کو صرف قبلۂ توجہ نہیں سمجھتے تھے ورنہ ابراہیم علیہ السلام کا ان کے اصنام کو نہ کھا سکنے اور نہ بول سکنے کا اور نہ اپنے تباہ و برباد کرنے والے کی شکایت کر سکنے کا الزام دینا اور عار دلانا درست نہیں ہوگا اور ان کا معذرت خواہانہ انداز میں کہنا تمہیں معلوم ہی ہے یہ بولتے

تو نہیں ہیں اور آپ کا ان کے معبودات سے عداوت اور دشمنی کا اعلان اور ان کے معبوداتِ باطلہ پر افسوس کا اور ملامت کا اظہار کرنا وغیرہ متصور نہ ہو سکتا (جس کی تفصیل بحث گزر چکی ہے اور ہدیہ ناظرین ہو چکی ہے)

۲- نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں کیا ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں۔ آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں اور کان ہیں جن سے سنتے ہیں تو گویا یہ تم سے گئے گزرے ہیں جبکہ معبود بنسبت عابد کے قوی و توانا اور کامل واکمل ہونا چاہیے۔ اس امر کی واضح دلیل کہ ان کے معبودات اصنام واوثان ہی تھے ورنہ ملائکہ اور انبیاء واولیاء اور ارواح کاملین کے حق میں پاؤں ہاتھوں اور آنکھوں کانوں کی نفی کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔

۳- اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک تم اور تمہارے معبودات دوزخ کا ایندھن ہیں

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ط

(سورۃ الانبیاء آیت ۹۸)

جبکہ ملائکہ اور حضرت عزیر اور حضرت عیسٰی علیہما السلام اور اولیاء کرام قطعاً اس آیت کا مصداق نہیں ہیں اور اصنام واوثان معبود نہ ہوں بلکہ صرف قبلۂ توجہ ہوں تو پھر ان عابدین مشرکین کے ساتھ جہنم میں کونسے معبودات داخل ہوں گے؟ اس طرح تو "ما تعبدون" کا ذکر ہی بے محل اور بے جا ہوگا لہٰذا یہ تسلیم کرنا ضروری ٹھہرا کہ وہ اصنام واوثان کی ہی عبادت کرتے تھے اور خود اللہ تعالیٰ نے مقبولانِ بارگاہ کے آتشِ دوزخ سے دور ہونے کی تصریح فرما دی اور ابن زبعری وغیرہ کا الزام رد کر دیا۔

۴۔ وہ لوگ غائب خدا کی عبادت و پرستش کرنا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا مطالبہ یہ تھا،

اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ (سورہ الاعراف آیت ۱۳۸)

یعنی محسوس و مبصر معبود کے متقاضی تھے تو ملائکہ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے غائب ہونے کے باوجود ان کی پوجا کیونکر کر سکتے تھے اور دیگر اولیاء اور مقبولانِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ کی وفات کے بعد ان کے ارواح کی عبادت و پرستش کیسے کر سکتے تھے جب کہ ان کی قبور پر بھی معتکف نہیں تھے بلکہ کہتے تھے؛

نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝ (سورۃ الشعراء آیت ۷۱)

ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کے لیے معتکف رہتے ہیں، وغیر ذٰلک من الآیات۔ لہٰذا

مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (سورۃ الاحقاف آیت ۵)

فرمایا گیا یا اس مضمون کی دیگر آیاتِ کریمہ ہیں ان سب میں صرف اور صرف اصنام و اوثان کی لاعلمی ایسے شعوری اور بیخبری و غفلت کا بیان ہے اور انہیں کی عاجزی اور بے بسی کی وضاحت ہے اور مقبولانِ بارگاہِ خداوند تعالےٰ بالعموم اور ملائکہ و انبیاء علیہم السلام بالخصوص ان کا مصداق نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ظاہری معنیٰ و مفہوم کے مطابق کسی نے ان کو حقیقی طور پر جاہل و غافل اور بے علم و بے شعور کہا ہے۔ تغلیب کے طور پر نفی ہو یا اللہ تعالیٰ کے صفاتِ کمالیہ ذاتیہ کے مقابل ممکنات کی صفاتِ عطائیہ کو کالعدم سمجھنا وغیرہ

تو اس سے مدعائے خصم ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اس طرح تو زندہ اور سمیع وبصیر ہستی کو قریب تر ہونے کے باوجود بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا وجود وجود واجب کے مقابل کالعدم اور اس کی حیات اس کی حیات کے مقابل بمنزلہ موت اور اس کی سمع وبصر اس سمیع وبصیر کے سمع وبصر کے مقابل کالعدم ہے اس قسم کی تاویل و ترجیہ سے منفی علم و ادراک اور منفی سمع وبصر حقیقت میں معدوم و منفی نہیں ہوتے جبکہ مدعائے خصم حقیقی طور پر ان سے علم و ادراک کی نفی کرنا ہے۔

لہٰذا ایسی آیاتِ کریمہ سرے سے انبیاء کرام ملائکہ عظام اور اولیاء کرام کے علم و ادراک اور شعور و احساس کی نفی پر حقیقت میں دلالت ہی نہیں کرتیں چہ جائیکہ اس دلالت کے قطعی ہونے کا آنکھیں بند کرکے اعلان کر دیا جائے اور دیانت و امانت کو خیرباد کہہ دیا جائے۔

۵۔ نیز فرعون اور نمرود و شداد وغیرہ اپنے اپنے دورِ حکومت میں معبود باطل بنے رہے تھے اور جہنم میں اپنے پجاریوں کے ساتھ داخل بھی ہوں گے۔ اور ان کی ہلاکت کے بعد ان کی پرستش و عبادت نہیں پائی گئی تو پھر اہلِ قبور کی تخصیص اور سینکڑوں ہزاروں میل دور ہونے کی تقیید اور فوق الاسباب کی قیود لگا کر علامہ صاحب کہیں ان کے لیے تو کوئی رعایت دینے کے درپے نہیں ہیں؟ اور انہیں ان کمالات سے محروم ماننے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے؟

۶۔ نیز اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

وَاِنۡ يَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَيۡطٰنًا مَّرِيۡدًا ۙ‏ (سورۃ النساء آیت ۱۱۷)

وُہ نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو ۔

اور وُہ قیام قیامت تک زندہ رہے گا، تو علامہ صاحب ایسی قیدیں لگا کر اس کے لیے بھی بچاؤ کا سامان تو نہیں کر رہے ؟ کیونکہ ان کے اس دعوے کے مطابق شیطان سے علم و شعور اور ادراک و احساس کی نفی نہیں ہو سکے گی، اور جواب دینے سے عجز اور پکارنے والوں سے غفلت اس کے حق میں ثابت نہیں ہو سکے گی ؟ اس سے بڑی بدقسمتی اور بدبختی کیا ہو سکتی ہے کہ معبوداتِ باطلہ سے فرعون اور نمرود و شداد اور شیطان وغیرہ دُشمنانِ خُداوند تعالےٰ کو نکال لیا جائے اور ان کے حق میں یہ تنقیصات اور تقصیرات اور عاجزیاں اور بے بسیاں ثابت نہ کی جائیں اور اللہ تعالیٰ کے نائبین و خلفا اور مرسلین و انبیا اور محبوبین و اولیاء کو ان کا مصداق بنا دیا جائے ؟

نیز جب یہ آیات اپنے عموم و اطلاق پر نہ رہیں اور ان میں تخصیص و تقیید لازم اور ضروری ٹھہری تو ان مؤوّل آیات کی رو سے کسی مومن پر شرک اور کفر جیسے سنگین فتوے لگانے کا علامہ صاحب کو حق نہیں پہنچتا اور نہ احادیث و آثار کو ان کے ذریعے رد کرنے اور ٹھکرانے کا بھی کوئی حق پہنچتا ہے ۔

لہٰذا علامہ سرفراز صاحب نے جو تگ و دو کی ہے اور جدوجہد اور سعی و کوشش کی ہے وُہ بے سود، بے فائدہ اور عبث و لغو ہے ۔ ان کی پیش کردہ آیات کے ہرگز ہرگز وُہ محامل اور مصداق ہیں ہی نہیں جو انہوں نے بنا ڈالے ہیں ۔ ورنہ علامہ نیلوی اور علامہ عنایت اللہ والا مذہب اختیار کر لیں ، کہ

ابدان حسی کے ساتھ ہستی ہیں یا ان کے حواس و مشاعر عقل اور ارواح لاکھوں میل دُور ہیں۔ ابدان کے سماع و ادراک کا عقیدہ جہالت و حماقت اور ارواح کے سماع و ادراک کا عقیدہ علمِ غیب اور ندائے غیب کی وجہ سے شرک العیاذ باللہ۔ مگر علامہ صاحب اہلِ قبور کے سماع و علم اور ادراک و شعور کا بھی انکار نہیں کر سکتے اور ارواح کے لیے لاکھوں میل دُور قبور پر حاضر ہونیوالوں سے باخبر ماننے کے باوجود ندائے غیب اور فوق الاسباب اور دُوسری دنیا میں ہوتے ہوئے پکارنے کو شرک بھی قرار دیتے ہیں گویا نہ حسینی المشرب بھائیوں کے ساتھ ہیں اور نہ اہل السنت کے ساتھ بلکہ لَا اِلٰی ھٰؤُلَآءِ وَلَا اِلٰی ھٰؤُلَآءِ مذبذبین بین ذٰلک کا نمونہ بنے ہوئے ہیں۔ اصنام و اوثان میں قریب سے بھی سُننے دیکھنے کی نفی تسلیم کرنا ضروری مگر اہلِ قبور سے اس کی نفی کریں تو بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رحمہ اللہ) ملحد بنتے ہیں:

بالعرض انکار سماع کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست۔

اور بقول شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جاہل اور منکرِ دین ٹھہرتے ہیں

منکر نشود آنرا مگر جاہل باخبار و منکرِ دین۔

اور اگر ارواح کے سُن لینے کا قول کریں صرف قبور پر تو نیلوی اینڈ کمپنی کے نزدیک مشرک بنتے ہیں اور قبور سے دُور ہوتے ہوئے مانیں تو اپنے فتوے کی رو سے مشرک بنتے ہیں۔ ؎

دو گونہ رنج و عذاب است جانِ مجنوں را

مضحکہ خیز چال

آیات وہی مگر بتوں کے لیے ان میں قریب سے علم و ادراک کی نفی اور جہالت و غفلت کا اثبات لیکن مقبولانِ بارگاہ کے لیے صرف دُور سے اور دُوسری دُنیا میں ہونے کی صُورت میں۔ اور جب اہلِ قبور کے سماع کا انکار کرنیوالوں سے بحث و تمحیص ہو تو ان آیات سے مُراد اصنام و اوثان اور اگر ہماری تردید کرنی ہو تو پھر ان سے مُراد انبیاء و اولیاء اور مقبُولانِ بارگاہِ خُداوند تعالیٰ۔

آخر یہ کیسے اصُول و ضوابط اور قوانین و قواعد ہیں جو ان علماءِ دیوبند نے تیار فرمائے ہیں۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

کتبِ اصُول میں جو ضابطہ بیان کیا جاتا ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر رکھنا ضروری اور عام اپنے عمُوم پر محمول کرنا ضروری ہے تو کیا اس کے یہی تقاضے تھے جو ان علماءِ دیوبند نے پُورے کر دکھلائے ہیں؟

خرد کا نام جنوں کر دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

ندا و پکار اور جائز استمداد و استعانت کا دارومدار

کسی بھی رسُول اور نبی علیہ السلام یا ولی اور محبوبِ خُدا کو پکارنے اور ندا کرنے کا دارومدار اور اس سے اس کی شان کے لائق امداد و اعانت

کی درخواست کا دار و مدار اس کے علم و ادراک اور احساس و شعور پر ہے لہٰذا سب سے پہلے اس امر کا فیصلہ ضروری ہے کہ فوت شدگان قریب کی طرح دُور سے بھی سُن سمجھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اسی طرح زندہ انبیاء اور اولیا بھی دُور سے سُن سمجھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مقبولانِ بارگاہ کے لیے دُور و نزدیک اور قریب و بعید کے تفرقے کی کوئی وجہ وجیہ ہے یا نہیں؟

دلیل اوّل

رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق قرآنِ مجید گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے لیے شاہد و شہید ہیں۔ ارشادِ خداوند تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝

(سورۃ الاحزاب آیت ۴۵-۴۶)

اے نبی بیشک ہم نے آپ کو مبعوث فرمایا (اُمت کے لیے نگہبان ان کے احوال پر مطلع اور ان کو بشارت سُنانے والا) (اطاعت کی صورت میں) اور ڈرانے والا (نافرمانبرداری کی صورت میں) اور اللہ تعالیٰ کی طرف بُلانے والا اور روشن چراغ بنا کر۔

دلیل دوم

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (سورۃ الفتح آیت ۸-۹)

ہم نے آپ کو (اُمت کے لیے) نگران و مطلع بنا کر اور بشارت سنانے والا اور (عذابِ خداوندی سے) ڈرانے والا بنا کر مبعوث فرمایا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لاؤ۔ اور ان کی تعظیم و توقیر کرو، اور ان کی تنزیہ و تقدیس بیان کرو صبح و شام۔

دلیل سوم

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳)

اور ہوں گے تمہارے رسول تم پر گواہ۔

دلیل چہارم

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ؕ (سورۃ النساء آیت ۴۱)

کیسا حال ہوگا اس وقت جب ہم لائیں گے ہر اُمت سے ایک گواہ اور لائیں آپ کو گواہ بنا کر ان سب پر۔

دلیل پنجم

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ؕ (سورہ نحل آیت ۸۹)

اور جس دن ہم کھڑا کریں گے ہر امت میں سے گواہ ان پر اور لائیں گے آپ کو گواہ بنا کر ان تمام پر۔

دلیل ششم

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝ (سورہ مزمل آیت ۱۵)

بیشک ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول جبکہ وہ گواہ ہے تم پر جیسے کہ بھیجا فرعون کی طرف رسول کو۔

ان تمام آیات مقدسہ میں نبی مکرم رسول محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاہد اور شہید فرمایا گیا ہے اور مفسرین کرام کی تصریحات کے مطابق آپ امت کے تزکیہ و تعدیل اور صفائی کے گواہ ہونگے اور صرف صحابہ کرام کے نہیں بلکہ تمام امت کے خواہ قرب قیامت میں پیدا ہونے والی کیوں نہ ہو اور صفائی کی گواہی کے لیے اشکال و صور اور اعمال و کردار کی واقفیت اور اطلاع لازمی اور ضروری ہے نیز قیامت کا دن گواہی کی ادائیگی کا دن ہے اور اس سے قبل گواہ بننے اور شہادت کے تحمل کے ایام ہیں اگر اب امت کے صور و اشکال اور عقائد و اعمال اور افعال و کردار کا مشاہدہ نہیں تو شہادت کا تحمل ہی نہ پایا گیا کیونکہ کنز الدقائق وغیرہ میں تصریح موجود ہے:

الشہادہ اخبار عن مشاہدۃ وعیان لا عن ظن وحسبان

شہادت عبارت ہے مشاہدہ اور معائنہ کے بعد خبر دینے سے نہ کہ محض ظن وگمان اور تخمینہ اور اٹکل پچو کے ساتھ بات کرنے سے ۔ اور جب آپ گواہ بن ہی نہ سکے تو گواہی کی ادائیگی کیسے فرما سکتے ہیں؟ نیز اگر ملائکہ کی اطلاع سے گواہی دیں تو بھی آپ کے لیے اُمت کا علم تو ثابت ہوگیا اور ان کے اعمال واخلاق وعقائد و نیّات اور اخلاص و نفاق کی اطلاع تو تسلیم ہوگئی جب کہ یہ بھی علامہ صاحب کے لیے مہنگا سودا اور ناقابل برداشت معاملہ ہے، لیکن اصلی گواہوں کے ہوتے ہوئے فرعی گواہی دلوانا اور شہادت علی الشہادت پر اکتفاء کرنا غیر معقول امر ہے، چاہیے تھا کہ وہی ملائکہ وہاں گواہ بنائے جاتے کیونکہ وہ بھی میدان قیامت میں موجود ہوں گے ۔ بلکہ حنفی اصول و قواعد کے مطابق موقعہ کا گواہ عدالت میں موجود ہو اور گواہی نہ دے تو فرعی شہادت اور شہادت علی الشہادت ناقابلِ اعتبار و اعتداد ہو جاتی ہے لہٰذا یہ تسلیم کرنا لازم ٹھہرا کہ رحمتِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود براہِ راست اُمت کے اعمالِ ظاہرہ و باطنہ پر مطلع ہیں۔

اسی کی تصریح علماءِ دیوبند اور علماءِ اہل السنّت کے مسلم محدّث و مفسّر حضرت شاہ عبدالعزیز نے فرمائی ۔ فرماتے ہیں :

"باشد رسول شما برشما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ وحقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ کدام است پس او میشناسد گناہاں شمارا ودرجات ایمان شمارا واعمال نیک وبد شمارا واخلاص ونفاق شمارا ۔"

(تفسیر عزیزی ص ۵۱۸ ج اوّل)

ہوں گے تمہارے رسول تم پر گواہ کیونکہ وہ اپنے نورِ نبوت کیساتھ مطلع ہیں ہر دین دار کے دین میں حاصل کردہ مرتبہ پر کہ وہ میرے دین کے کس درجہ پر فائز ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور جس حجاب کی وجہ سے ترقی سے رک گیا ہے وہ کونسا ہے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہچانتے ہیں تمہارے گناہوں اور تمہارے ایمان کے درجات کو اور تمہارے اچھے بُرے اعمال کو اور اخلاص و نفاق کو۔

فائدہ جلیلہ: لفظ شہید کے لیے صلہ علیٰ ہو تو مخالفت میں گواہی دینا مُراد ہوتا ہے جبکہ یہاں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گواہی اُمت کے حق میں ہوگی نہ کہ خلاف تو اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میتواں گفت کہ شہادت دریں جا بمعنیٰ گواہی نیست بلکہ بمعنی اطلاع و نگہبانی است تا از جادہ حق بیرون نروند چنانچہ

وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ

در مقولہ حضرت عیسٰی علیہ السلام

كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○

(سورۃ المائدہ آیت ۱۱۷)

وچوں ایں نگہبانی و اطلاع طریق تحمل شہادت است و تحمل شہادت برائے ادائے شہادت باشد در احادیث ایں شہادت را بگواہی روزِ قیامت تفسیر

فرمودہ اند بیانا لحاصل المعنیٰ لا تفسیراً للفظ ۔ (ص۵۲۲ ج اوّل)

جواب میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس جگہ شہادت گواہی کے معنیٰ میں نہیں ہے بلکہ اطلاع اور نگہبانی کے معنیٰ میں ہے تاکہ راہِ راست سے باہر نہ نکلیں جیسے کہ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ میں اللہ تعالیٰ کا ہر چیز پر مطلع اور نگران ہونا مُراد ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اس ارشاد میں بھی کہ میں ان پر شہید یعنی مطلع اور نگران تھا جب تک کہ ان میں موجود تھا جب تُو نے مجھے اُٹھا لیا تو تُو ہی ان پر رقیب اور نگران تھا اور تو ہی ہر چیز پر مطلع اور اس کا نگران ہے ۔

اور چونکہ یہ نگہبانی اور اطلاع شہادت کے تحمل اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے کا ذریعہ ہے اور تحمل شہادت اس کی ادائیگی کے لیے ہوتا ہے اس لیے احادیث میں اس شہادت کو قیامت کے دن کی گواہی سے تعبیر کر دیا گیا ہے لیکن حاصل معنیٰ بیان کرتے ہوئے نہ کہ لفظ کی تفسیر کے طور پر ۔

لہٰذا شہید کا حقیقی معنیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اوّلین وصف ہی اُمت کے احوال پر اطلاع اور نگہداشت ہے اور اس کا ثمرہ قیامت کے دن گواہی کی صورت میں ظاہر ہوگا ۔

کیا ساری اُمّت مُراد ہے ؟

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ سے اُمت کے اجماع کی حجیت واضح ہوتی ہے اور اس کے مطابق عمل لازم اور ضروری ہے

زیرا کہ مخاطب در لتکونوا شہداء علی الناس جمیع اُمت است از
[وق]ت نزول تا قیام قیامت الخ..... کیونکہ اس آیتِ کریمہ میں آیت کے وقتِ
[نز]ول سے لے کر قیامِ قیامت تک ساری اُمت مخاطب ہے۔

اقول: جب یہاں ساری اُمت مخاطب ہے تو یکون الرسول علیکم
[ش]ہیدًا میں بھی ساری اُمت مراد ہوگی اور آپ کا سب پر مطلع ہونا ثابت
[ہو گ]یا اور اس تزکیہ و تعدیل اور صفائی کی گواہی کا دار و مدار حضرت سعید بن
[الم]سیب کی اس روایت سے بھی واضح ہو جاتا ہے جو گویا کہ اس آیت کی تفسیر
[ہے] اور اس شہادت کی بُنیاد اور موقوف علیہ کا بیان ہے جیسے کہ ابن الحاج
[مک]ی نے المدخل صفحہ نمبر ۲۵۹ جلد ۱ پر امام ابو عبداللہ قرطبی کی تصنیف لطیف
[تذک]رہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

مامن یوم الا وتعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعمال
امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفہم بسیماہم واعمالہم
فلذٰلک یشہد علیہم یوم القیٰمۃ۔

ہر دن صبح و شام (بلکہ ہر لمحہ اور ہر آن) اُمت کے اعمال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
[پر] پیش ہوتے رہتے ہیں پس آپ ان کو چہروں کے ذریعے بھی اور اعمال کے لحاظ
سے بھی جانتے ہیں اس لیے قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔

(وکذا فی فتح الباری ص۳۸۶ ج ۹، فتح الملہم ص۲۱۳ ج ۱، مواہب مع زرقانی ص۳۴۷ ج ۵)

علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

لا فرق بین موتہ وحیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم

فی مشاھدتہ لامتہ ومعرفتہ بضمائرھم وخواطرھم

ونیاتھم وذٰلک جلی عندہ لاخفاء ۔ (ص۳۰۵ ج ۸)

یعنی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت حیات اور حالت وصال

میں کوئی فرق نہیں اُمت کے مشاہدہ اور ان کے عزائم اور قلبی خیالات

کے جاننے میں اور یہ سب کچھ آپ پر روشن اور واضح ہے اس میں ذرّہ بھر

نہیں ہے ۔ (وکذا فی المدخل لابن الحاج ص۲۵۹ ج ۱)

دلیل ہفتم

فرمانِ خداوند تعالیٰ ہے :

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ

عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ

اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

(سورہ آلِ عمران آیت ۱۶۹ - ۱۷۰)

اور نہ گمان کرو ان لوگوں کو جو قتل کیے گئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مُردہ

وُہ زندہ ہیں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں جب کہ فر

وشاداں ہیں ساتھ اس کے جو انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا اور خوشی منا

ان لوگوں کے بارے میں جو ابھی ان کے پیچھے سے لاحق نہیں ہُوئے کہ ا

کوئی خوف نہیں اور نہ وُہ رنجیدہ خاطر ہوں گے ۔

اس آیتِ کریمہ میں شہداء کی حیات پر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں رزق دیئے
پر واضح دلالت موجود ہے اور ساتھ ہی دُنیا میں زندہ لوگوں کے بارے
علم وادراک بھی ثابت کہ وُہ مر کر جنّت میں داخل ہوں گے اور خوف و
حزن وملال سے محفوظ رہیں گے اور اس علم وشعور کی وجہ سے وُہ وہاں
وخرم رہتے ہیں۔

اور یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں کہ شہید کا مرتبہ تیسرا ہے توجب اس کیلئے
ادراک ثابت ہو گیا تو صدیقین کے لیے بطریقِ اولیٰ اور انبیاء ومرسلین کے
سے بھی اولیٰ طریقہ پر جیسے کہ علماءِ اُمت اور اکابرینِ ملت نے حیاتِ
کے متعلق یونہی استدلال فرمایا کہ شہید زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں
صدیقین اور انبیاء ومرسلین علیہم السلام بطریقِ اولیٰ زندہ ہوں گے اور
تعالیٰ طرف سے ان کو اعلیٰ ترین رزق دیا جائے گا۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ تفسیرِ مظہری میں قولِ باری تعالیٰ:
بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کے تحت فرماتے ہیں:

إنّ الله يعطى لارواحهم قوّة الاجساد فيذهبون
من الارض والسّماء والجنّة حيث يشاءون
وينصرون اولياءهم ويدمرون اعداءهم انشاءالله
(الى) فذهب جماعة من العلماء الى ان هٰذه الحياة
مختصة بالشهدا والحق عندى عدم اختصاصها بهم
بل حياة الانبياء اقوىٰ منهم واشد ظهورًا آثارها
عليهم السلام

فی الخارج حتیٰ لا یجوز النکاح بازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاته بخلاف الشهید والصدیقون ایضا اعلی درجة من الشهداء والصالحون یعنی الاولیاء ملحقون بهم کما یدل علیه الترتیب فی قوله تعالٰی من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین ولذلک قالت الصوفیة العلیة ارواحنا اجسادنا واجسادنا ارواحنا وقد تواتر عن کثیر من الاولیاء انهم ینصرون اولیاءهم ویدمرون اعداءهم ویهدون الی اللہ من یشاء اللہ تعالٰی۔

(تفسیر مظہری ص ۱۵)

یعنی اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو اجسام والی قوت عطا فرماتا ہے
جہاں بھی چاہیں زمین یا آسمان یا جنت میں جا سکتے ہیں اور اپنے دو
کی مدد کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو تباہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی
اور اذن سے۔ علماء کرام کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ حیاتی شہدا
ساتھ مختص ہے لیکن میرے نزدیک صحیح اور برحق مذہب یہ ہے کہ یہ
کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی حیات ان سے قوی تر
اور اس کے آثار خارج میں زیادہ ظاہر اور واضح ہیں حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ
کی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کرنا آپ کے وصال کے باوجود کسی
جائز نہیں بخلاف شہید کے۔ اور صدیقین کی حیاتی بھی شہداء سے ارفع

ہے اور صالحین و اولیاء بھی شہداء کے ساتھ ملحق ہیں اور ان کے حکم میں ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی ترتیب اس پر دلالت کرتی ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء و صالحین کی ترتیب۔

اور اسی لیے صوفیاء کرام نے فرمایا کہ ہماری رُوحیں مانند ہمارے جسموں کے ہیں اور ہمارے اجسام مانند ہماری رُوحوں کے ہیں۔ اور تواتر اور قطعیت کیساتھ بہت سے اولیاء کرام سے ثابت ہے کہ وُہ اپنے اولیاء اور دوستوں کی امداد فرماتے ہیں اور دشمنوں کو تباہ کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت اور رہبری کرتے ہیں ان کی جن کے متعلق اللہ تعالیٰ چاہے اور ارادہ فرمائے۔

۲۔ حکیم الاُمّت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

برزخ میں لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں جو کہ شمار اور گنتی سے باہر ہیں لیکن ان کی بڑی اقسام چار ہیں۔ جن میں تیسری قسم وُہ ہے۔

صنف بهيميتهم وملكيتهم ضعيفتان يلحقون بالملٰٓئكة السافلة لاسباب جبليته (الیٰ) فاذا مات الانسان انقطعت العلائق ورجع الیٰ مزاجه ولحق بالملٰٓئكة وصار منهم والهم كالهامهم وسعى فيما يسعون فيه وفى الحديث رائت جعفر بن ابى طالب ملكا يطير فى الجنة مع الملٰٓئكة بجناحين وربما اشتغل هٰٓؤُلَآءِ باعلاء كلمة اللّٰهِ ونصر حزب الله وربما كان لهم لمة خير بابن اٰدم وربما اشتاق بعضهم

الیٰ صورة جسدية اشتياقا شديداً ناشأمن اصل جبلته فتزع ذٰلك باباً من المثال واختلطت قوة منه بالنسمة الهوائية وصار كالجسد النوراني و ربما اشتاق بعضهم الیٰ مطعوم فاحد فيما اشتهیٰ قضاء لشوقه واليه الاشارة فی قوله تعالیٰ ولا تحسبن الذين قُتِلُوا فِی سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ الاٰية۔

(سورہ آل عمران آیت ۱۶۹ - ۱۷۰)۔ (حجۃ اللہ البالغہ مع ترجمہ ص۱۶۱ ج۱)

فوت شدگان میں سے جن کی قوۃ بہیمیہ حیوانیہ اور ملکی استعداد دونو ضعیف اور کمزور ہوتی ہیں وُہ نچلی سطح کے ملائکہ کے ساتھ لاحق ہو جاتے ہیں بسبب جبلی اور پیدائشی اسباب کے اور کبھی کسبی اسباب کی بنا پر۔ جبلی اسباب یہ ہیں کہ ان کی قوّتِ ملکیہ قوّتِ بہیمیہ حیوانیہ میں بہت کم مستغرق ہوتی ہے۔ نہ تو اس کا حکم مانتی ہے اور نہ اس سے متاثر ہوتی ہے اور کسبی اسباب یہ ہیں کہ اس شخص نے قلبی خواہش اور ارادہ سے طہارت اور پاکیزگی کا جامہ پہنا اور اچھی طرح اختیار کیا اور ریاضت و عبادت کر کے اپنی رُوح میں انوارِ ملکیہ اور الہامات کو خُوب جگہ دی (تا) لیکن اس کا قریبی تعلق ملائکہ سافلہ سے ہوتا ہے اور انہیں کی جانب اس کو زیادہ میلان اور کشش ہوتی ہے۔

لہٰذا جب ایسا انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام روابط اور تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں اور وُہ اپنی اصلی جبلّت کی طرف عود کر آتا ہے۔ اور پھر

ملائکہ میں مل کر انہیں میں سے ایک فرد ہو جاتا ہے اور ان کی مانند اس کو الہام ہونے لگتے ہیں۔ انہیں جیسے کام یہ بھی کرنے لگتا ہے (اور اس طرح ان کا دست و بازو بن جاتا ہے) چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ میں نے جعفر بن ابی طالب کو ایک فرشتہ کی شکل میں دیکھا اور فرشتوں کے ساتھ دو بازوؤں اور پروں کے ساتھ جنت میں اُڑتے ہوئے دیکھا ہے۔

قسم سوم کے یہ لوگ کبھی کلمۃ اللہ اور اسلام کو سربلند کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے لشکروں اور مجاہدینِ اسلام کی امداد و اعانت میں مصروف ہو جاتے ہیں اور کبھی انسان کے دل میں نیکی کا القاء کرتے ہیں۔ اور کبھی ان میں سے بعض لوگ اپنے جبلی شوق کی وجہ سے جسمانی صورت کے بہت شائق ہوتے ہیں تو ان کے لیے عالمِ مثال کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ان کی ہوائی رُوح (نسمہ) میں ایک قسم کی مثالی قوت شامل ہو جاتی ہے اور وُہ ایک نُورانی جسم بن جاتا ہے اور کبھی ان میں سے بعض لوگ کھانے وغیرہ کی خواہش کرتے ہیں تو ان کی خواہش اور تقاضے پُورے کرنے کے لیے ان کو ایسی چیزیں مہیا کر دی جاتی ہیں اور اس آیتِ کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ نہ گمان کرو ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے مُردہ، بلکہ وُہ زندہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں درآنحالیکہ خوش ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا۔

حضرت شاہ صاحب کے اس کلام سے واضح ہے کہ جن لوگوں کی استعداد ملکی ضعیف ہوتی ہے وہ بھی مجاہدات و ریاضات کے بعد ملائکہ کیساتھ لاحق

ہو جاتے ہیں تو جن کی استعداد ملکی قوی ہو اور مجاہدات وریاضات میں بھی سابقین میں سے ہوں تو ان کا مقام مزید بلند تر ہوگا اور جب ان غلاموں کے لیے یہ مقاماتِ عالیہ ثابت ہوں اور مرنے کے بعد ان کو نورانی اجسام حاصل ہوں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے حزب اللہ کی امداد کر سکتے ہوں اور انسانوں کو نیکی اور بھلائی کی ترغیب جیسے امور سرانجام دے سکتے ہوں تو حضور سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور دیگر انبیاء علیہم السّلام بطریقِ اولیٰ اور ان کے کامل وارثین یعنی صدّیقین بھی بطریقِ اولیٰ ان مناصبِ عالیہ اور مکارمِ اخلاق اور اعلیٰ صفات کے مالک ہوں گے لہٰذا ان کو غافل اور بے علم ماننا بھی لغو و باطل اور مجبور و معذور ماننا بھی لغو و باطل ہے۔

نیز جب وُہ اپنے طور پر بغیر اپیل اور درخواست کے اُمورِ خیر کا القاء کریں نیکی کی ترغیب دیں اور لشکرِ اسلام کی مدد کریں اور اسلام کی سربلندی کے لیے کوشاں ہوں تو درخواست اور اپیل پر اور التماس و التجا کرنے پر بطریقِ اولیٰ ان امور میں معاونت و امداد سے سرفراز فرمادیں گے نہ کہ بالکل غافل اور بے خبر ہو جائیں گے۔

نوٹ: مزید حوالے بھی حضرت شاہ صاحب کی زبانی اسی حجۃ اللہ البالغہ سے ذکر کیے جائیں گے اور ہم دیکھیں گے کہ واقعی منکرین اس حکیم الامت کو حکیم مانتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کے حکیمانہ نسخوں کے ذریعے اپنی روحانی اور قلبی شفاء کا سامان کرتے ہیں یا نہیں؟

دوہرا اِسلام اور توحید و شرک کا دوہرا معیار

تنبیہ : قبل ازیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فیض رسانی کا اقرار و اعتراف مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کی زبانی معروضِ خدمت ہو چکا کہ آپ نے تین چھوہارے کِھلا کر سیّد احمد بریلوی صاحب کو کمالاتِ نبوّت (فنا فی الرسول اور بقا بالرسول) کی تکمیل کرا دی اور حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرّہٗ العزیز کا سیّد صاحب کو قادری اور نقشبندی فیض سے بہرہ ور کرنا بیان ہو چکا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرّہٗ العزیز کا قبرِ انور پر حاضری دینے کے بعد اس کو چشتی سلسلہ کا فیض عطا فرمانا بھی مذکور ہو چکا مگر یہ سب کچھ جان لینے کے باوجود پرنالہ وہیں کا وہیں رہا کہ صرف زندہ سے اور قریب سے تحت الاسباب استعانت جائز ہے۔ فوت شدہ سے اور بعید سے استمداد جائز نہیں اگر واقعی یہ استمداد جائز نہیں تو پھر ان حضرات کا مدد کرنا کیونکر جائز ہُوا اور اس کو اپنے پیرِ طریقت کی بڑائی اور عظمت ظاہر کرنے کے لیے ذکر کرنا کیوں کر جائز ہو گیا ؟

نیز شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر فیض لینے کے لیے جانا کیونکر جائز ؟ پھر یہ ولایت کا حصول کیا ماتحت الاسباب تھا یا مافوق الاسباب ؟ اگر تحت الاسباب ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا دخل نہیں تو اللہ تعالیٰ کا دائرہ تصرّف و تدبیر محدود تر ہو گیا اور اگر مافوق الاسباب

ہے تو پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دائرہ اختیار میں مداخلت کر کے شرک کا ارتکاب کیا اور مولوی اسمٰعیل صاحب اور ان کے پیرو مرشد نے یہ تصرف مان کر شرک کا ارتکاب کیا۔ کیا علماءِ دیوبند یہاں بھی شرک کا فتویٰ صادر فرمادیں گے اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے کریں گے؟

نیز بقول حضرت شاہ ولی اللہ "تیسری صنف کے انسان مرکر ملائکہ میں شامل ہو جاتے ہیں اور انہیں میں سے ایک فرد بن جاتے ہیں انہیں والے کام سرانجام دیتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے مدد نہیں لی تھی جس کا مطلب علماءِ دیوبندیہ بیان کرتے ہیں کہ اگر مدد لے لیتے تو شرک ہو جاتا تو سید احمد بریلوی صاحب نے مدد لے کر شرک کا ارتکاب کیوں کیا؟ نیز ملائکہ کی امداد تحت الاسباب ہے یا فوق الاسباب؟ اگر تحت الاسباب ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مدد لینا شرک کیونکر ہو سکتا تھا جبکہ ملائکہ کا مدد دینے کے لیے آنا اور اپنے آپ کو مدد دینے پر قادر سمجھنا شرک نہ ہوا؟ اور اگر فوق الاسباب تھی تو ملائکہ شرک میں مبتلا ہو گئے جنہوں نے مافوق الاسباب امور میں تصرف اور تدبیر کا قصد اور ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے مختص اختیارات میں مداخلت کی۔ لہٰذا کسی صورت میں بھی علماءِ دیوبند اپنے مفروضہ شرک والی دلدل سے نکل نہیں سکتے۔

دلیل ہشتم

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: فالمدبرات امرًا

مجھے قسم ہے ان نفوسِ قدسیہ کی جو امور کی تدبیر کرنے والے ہیں۔

دلیل نہم

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے :

يَآ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيٓ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝

(سورۃ الفجر آیت ۲۷ تا ۳۰)

اے اطمینان والے نفس اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ، درآں حالیکہ تو اللہ تعالیٰ سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ ان دونوں آیاتِ کریمہ کا مفاد و مدلول یہ نکلا کہ مرتاض اور مجاہدہ کش عباد و زہاد بعد از وصال اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور ملائکہ بھی مکرم بندے ہیں۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے قولِ سابق سے بھی ایسے انسانوں کا ملائکہ کے زمرہ میں شامل ہونے اور انہیں والے کام کرنا ثابت ہو چکا۔ اب مزید حوالے انہیں کی زبانی اور دیگر اکابر کی زبانی ملاحظہ فرماویں۔

۱۔ اعلم انہ قد استفاض من الشرع ان للہ عباداً ہم افاضل الملٰئکۃ ومقربوا الحضرۃ لا یزالون یدعون لمن اصلح نفسہ وہذبہا وسعیٰ فی اصلاح الناس فیکون دعاءہم ذٰلک سبب نزول البرکات

عليهم ويلعنون من عصا وسعى فى الفساد فيكون لعنهم سببا لوجود حسرة وندامة فى نفس العامل والهامات فى صدور الملاء السافل ان يبغضوا هذا المسيئ ويسيئوا اليه اما فى الدنيا او حين يخفف عنه جلباب بدنه بالموت الطبيعى وانهم يكونون سفراء بين الله وبين عباده وانهم يلهمون فى قلوب بنى أدم خيراً اى يكونون اسبابا لحدوث خواطر الخير فيهم بوجه من وجوه السببية وان لهم اجتماعات كيف شآءالله وحيث شآءالله يعبر عنهم باعتبار ذلك بالرفيق الاعلى والندى الاعلى والملاء الاعلى -

وان لارواح افاضل الآدميين دخولا فيهم ولحوقا بهم - كما قال الله تعالى،

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ۝ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ۝

وقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم :

رائت جعفر بن ابى طالب ملكاً يطير فى الجنة مع الملٰئكة بجناحين وانه هنالك ينزل الفضل والتعين الامر المشار اليه بقوله تعالى،

فیھا یفرق کل امر حکیم وان ھنالک تتقرر الشرائع بوجہ من الوجوہ ۔ (ص ۱۶)

واضح ہو کہ شرع سے یہ بات ثابت ہے کہ خداوند تعالیٰ کے کچھ عمدہ بندے ہیں جو کہ بلند مرتبہ فرشتے اور اس کے دربار کے مقرب لوگ ہیں جو شخص اپنے آپ کو نیک بناتا ہے اور اپنے نفس کو بھی تمام عیبوں سے پاک کر کے نیک و پاکیزہ اخلاق والا بناتا ہے اور لوگوں کی اصلاح اور رفاہِ عام میں کوشش کرتا رہتا ہے تو فرشتے ہمیشہ اس کے لیے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں اور ان کی یہی دعا ان پر رحمت و برکت کے نزول کا سبب بنتی ہے اور یہی فرشتے خدا کے نافرمان اور مفسد لوگوں پر لعنت اور بددعا کرتے ہیں اور ان کی یہ بددعا اور لعنت ایسے بدکار لوگوں کے دل میں حسرت اور ندامت کے وجہ کا سبب بنتی ہے اور اس کے سبب سے ملاء سافل (نچلے فرشتوں) یعنی زمین اور آسمانِ دنیا والوں کے دلوں میں یہ بات الہام کی جاتی ہے کہ اس بدکار سے بغض و نفرت رکھیں اور یہ کہ اس کے ساتھ برائی سے پیش آئیں یا تو دنیا میں اس کے جیتے جی ورنہ اس وقت جبکہ فطری موت کے سبب اس کے بدن کا ڈھانچہ اس سے جدا ہو جائے اور اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے ۔

اور فرشتے خداوند تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان بطورِ سفیر اور ایلچی کے کام کرتے ہیں اور بنی آدم کے دلوں میں نیک باتیں الہام کرتے رہتے ہیں یعنی وہ کسی نہ کسی طریقہ سے دل کے نیک خیالات اور ارادوں کا

سبب بن جاتے ہیں اور جس طرح خداوند تعالیٰ چاہتا ہے اور جس جگہ چاہتا ہے ان کو جمع کر کے ان کے اجتماعات قائم فرماتا ہے اور اسی کیفیت و مقام کے اعتبار سے ان کو الگ الگ ناموں سے پکارتے ہیں۔ کبھی ان کو رفیقِ اعلیٰ (بلند مرتبت مصاحب) کہتے ہیں۔ کبھی ندیٔ اعلیٰ (مجلسِ بالا) اور کبھی ملاءِ اعلیٰ (معزز و مقرب فرشتے اور سردار) کہتے ہیں۔

اور نیک و مقرب لوگوں کی ارواح بھی ان میں شامل ہو کر ان ہی سے جا ملتی ہیں جیسے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اے مطمئن رُوح اپنے پروردگار کی طرف خوشی خوشی چلی آ اور میرے بندوں میں جا مل اور میری جنت میں آ رہ۔

اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَیں نے جعفر بن ابی طالب کو فرشتہ کی صورت میں دیکھا کہ وُہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ دو پروں سے اُڑ رہے تھے اور یہیں ملاءِ اعلیٰ میں تمام فیصلے و احکامِ الٰہی نازل ہوتے ہیں اور وُہ امور بھی یہیں متعین ہوتے ہیں، جن کا خداوند تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے، دُنیا کے تمام امور جو حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں اسی مُبارک رات کو تصفیہ پاتے ہیں اور اسی جگہ کسی نہ کسی طور پر تمام شرائع مقرر ہوتے ہیں۔

۲۔ واعلم ان الملاء الاعلیٰ ثلاثۃ اقسام (الی) وقسم ھم نفوس انسانیۃ قریبۃ المآخذ من الملاء الاعلیٰ ما زالت تعمل اعمالا منجیۃ تفید اللحوق بھم حتیٰ

طرحت عنها جلابيب ابدانهم فانسلكت فی سلکهم وعدت منهم والملاء شانها انها تتوجه الیٰ بارئهم توجّها ممنعا لا یصدها عن ذٰلك التفات الیٰ شئ وھو معنیٰ قوله تعالیٰ یسبحون بحمد ربهم ویؤمنون به وتتلقیٰ من ربها استحسان النظام الصَّالح واستهجان خلافه فیقرع ذٰلك بابًا من ابواب الجزاء الالٰھی وھو معنیٰ قوله تعالیٰ ویستغفرون للذین اٰمنوا۔

وافاضلهم تجتمع انوارھم وتتداخل فیما بینهم عن الرّوح الذی وصفه النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم بکثرة الوجوه والالسنة وتصیر ھنالك شئ واحد وتسمی خطیرة القدس وربما حصل فی خطیرة اجماع علیٰ اقامة حیلة لنجاة بنی اٰدم من الدواھی المعاشیة والمعادیة الخ۔ (ص ۳۲ ج ۱)

جان لے کہ ملاء اعلیٰ تین قسم ہیں (تا) اور ایک قسم ان نفوسِ انسانیہ کی ہے جو ملاءِ اعلیٰ سے بہت قریب ہیں اور وُہ ایسے ایسے نیک اعمال کرتے رہتے ہیں جو ان سے جا ملنے کے لیے ان کے حق میں ممد ثابت ہوتے ہیں اور آخرکار جب لباسِ بدن ان کی رُوح سے اُتر جاتا ہے تو انہیں میں جا شامل ہوتے ہیں اور ان کا شمار بھی انہیں میں ہونے لگتا ہے اور ملاءِ اعلیٰ کا اصل کام یہ

ہے کہ وُہ ہر وقت اپنے پروردگار کی طرف متوجہ رہیں اور کوئی مشغلہ ان کو اس سے روک نہ سکے اور اس قولِ الٰہی کی (کہ وُہ ملاءِ اعلیٰ اپنے پروردگار کی تعریف کرتے ہیں اور اس کی پاکیزگی بیان کرتے رہتے ہیں اور اس پر پُورا پُورا ایمان بھی رکھتے ہیں) کا یہی مطلب ہے اور خدا کی طرف سے ان کے دلوں میں یہ بات بھی ڈالی جاتی ہے کہ وُہ نظام صالح کو اچھا سمجھیں اور پسند کریں جس کی انہیں خدمت عطا ہوئی ہے اور یہ کہ غیر صالح نظام (جو کہ رضائے الٰہی کے خلاف ہے اس) کو بُرا جانیں اور اس سے نفرت کریں اور اس کلامِ الٰہی کا کہ وُہ مومنوں کے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں یہی مطلب ہے۔

اور ملاءِ اعلیٰ کے جو بلند مرتبہ اور اعلیٰ لوگ ہوتے ہیں ان کے انوار اس رُوح کے پاس آکر جمع ہوتے ہیں اور آپس میں ملتے ہیں جس روح کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعارف بہت سے مونہوں اور زبانوں والا ہونے کی صفت سے کرایا ہے۔ پھر وُہ سب مل کر وہاں بمنزلہ ایک چیز کے ہو جاتے ہیں اور اسی کا نام خطیرۃ القدس (پاک و مقدس پارلیمنٹ) ہے اور کبھی خطیرۃ القدس میں اس بات کا مشورہ ہوتا ہے کہ بنی آدم کے دینی اور دُنیاوی اُمور کو سرانجام دینے کے لیے اور ان کی مشکلات کو دُور کرنے کے لیے کسی ایسے شخص کی تکمیل اور اس کے حکم کی تعمیل لوگوں سے کرانی چاہیے۔

واذا تمکنت العدالة من الانسان وقع اشتراک

بینه وبین حملة العرش ومقربی الحضرة من

الملٰئکة الذین هم وسائط نزول الجود والبرکات

وَكَانَ ذٰلِكَ بَابًا مفتوحا بينه و بينهم ومسد النزول الوانهم وصبغهم بمنزلة تكميل النفس من الهام الملٰئكة والانبعاث حسبها ۔ (ص۱۱۱ ج ۱)

پس جب انسان میں صفت عدالت متمکن ہو جاتی ہے تو اس میں اور حاملینِ عرش و مقربینِ بارگاہ فرشتوں میں جو جودِ الٰہی اور برکاتِ خداوندی کیلئے ذریعہ ہیں اشتراک پیدا ہو جاتا ہے اور اس میں اور ان فرشتوں میں فیضان کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ صفت اس پر ان کے رنگ اور اثر نازل کرنے میں مددگار بن جاتی ہے اس طور پر کہ نفس میں ملائکہ کے الہام سے مستفیض ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ان کے علوم کے لیے آمادہ رہتا ہے۔

حضرت حکیم الاُمت شاہ ولی اللہ صاحب کے ان ارشادات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ عباد و زہاد اور ریاضت و مجاہدہ کرنے والے اہلِ ایمان مر کر صرف زندہ ہی نہیں ہوتے بلکہ ملاء اعلیٰ میں شامل ہو کر کارکنانِ قضاء و قدر میں شامل ہو جاتے ہیں اور کائنات کے نظم و نسق اور تدبیر و تصرف میں ملائکہ کی طرح موثرین و مدبرین میں شمار کیے جاتے ہیں، اور یہ ذمہ داری بغیر علم و ادراک کے انجام دینا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا ان کو غافل اور بیخبر ثابت کرنا غلط ہے اور ان کو جواب دینے اور کسی طرح کی امداد و اعانت سے عاجز ماننا سراسر غلط ہے اور دیگر بہت سے اکابرینِ ملت نے بھی اسی امر کی تصریح فرمائی ہے۔ اور قولِ باری تعالیٰ :

فالمدبّرات امراً کا یہی محمل اور مصداق بیان فرمایا اور یہی تاویلُ

تفسیر فرمائی ہے۔

۳۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الوجه الثالث فی تفسیر هٰذه الکلمات الخمس انها هی الارواح (الیٰ) ثم ان هٰذه الارواح الشریفة العالیة لا یبعد ان یکون فیها ما یکون لقوتها وشرفها یظهر منها الاٰثار فی احوال هٰذا العالم فهی المدبرات امرا (الیٰ) ألیس ان الغزالی رحمه الله قال ان الارواح الشریفة اذا فارقت ابدانها ثم اتفق انسان مشابه للانسان الاول فی الروح والبدن فانه لا یبعد ان یحصل للنفس المفارقة تعلق بهٰذا البدن حتّٰی یصیر کالمعاونة للنفس المتعلقه بذٰلك البدن علٰی اعمال الخیر فتسمّٰی تلك المعاونة الهامًا ونظیره فی جانب النفوس الشریرة وسوسة۔ (ص۲۱۸ ج۸)۔

کلام مجید میں وارد ان پانچ کلمات (نازعات، ناشطات، سابحات سابقات اور مدبّرات) کی تفسیر میں تیسری وجہ یہ ہے کہ ان سے مُراد ارواحِ انسانیہ ہیں۔ اور ان کے ان پانچ مراتب پر منقسم ہونے کی وجہ بیان کرنے کے بعد فرمایا) پھر یہ بلند مرتبت ارواحِ شریفہ بعید نہیں کہ ان میں ایسے رُوح بھی ہوں جو اپنے شرف اور قوّت کے لحاظ سے اس جہان کے احوال میں اثر انداز ہوں اور مدبّرات امر کے مرتبہ پر فائز ہوں جیسے کبھی شاگرد کو مشکل در پیش ہو تو استاد

خواب میں اس کی رہبری کر دیتا ہے اور کبھی باپ فوت ہو جانے کے بعد بیٹے کو
دفون خزانے کی خبر دے دیتا ہے اور جالینوس اپنے مرض کے علاج میں ناکام
ہوا تو خواب میں اس کو دوا بتلائی گئی جسے استعمال کر کے وہ صحتیاب ہو گیا۔
کیا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں فرمایا کہ جب ارواح شریفہ اپنے ابدان
سے جدا ہو جاتے ہیں پھر کوئی ایسا انسان پیدا ہوتا ہے جو روح اور بدن میں
اس انسانِ کامل کے مشابہ ہوتا ہے تو بعید نہیں کہ وہ پہلا کامل انسان اس پچھلے
انسان کے لیے اعمالِ خیر میں معاون ثابت ہو اور اس معاونت کا نام الہام
رکھا جاتا ہے جیسے کہ نفوس شریرہ میں اس تعاون کی نظیر شیطانی وساوس
کہلاتے ہیں۔

۴۔ علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ روح البیان میں اسی آیتِ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

ثم ان النفوس الشریفة لا یبعد ان یظهر منها اٰثار
فی هٰذا العالم سواء کانت مفارقة عن الابدان
اولا فتکون مدبرات (الیٰ) قد یدخل بعض
الاحیاء من جدار ونحوه علیٰ بعض من له حاجة
فیقضیها وذٰلك علیٰ خرق العادة فاذا کانت
التدبیر بید الروح وهو فی هٰذا الموطن فکذا
اذا انتقل الی البرزخ بل هو بعد المفارقة اشد تاثیراً
وتدبیراً لان الجسد حجاب فی الجملة الا ترٰی
ان الشمس اشد احراقا اذا لم یصحبها غمام ونحوه

(ص ۳۱۶ ج ۱۰)

شرافت مآب نفوس سے بعید نہیں کہ ان سے اس جہان میں آثار ظاہر ہوں خواہ ابدان سے جُدا اور مفارق ہوں یا نہ ہوں پس وُہ مدبرات امر ہو جاتے ہیں (تا) کبھی بعض زندہ دیوار وغیرہ سے حاجتمندوں پر خرقِ عادت کے طور پر داخل ہوکر اس کی حاجت کو پورا کر دیتے ہیں پس جب کہ تدبیر و تصرّف رُوح کے ہاتھ میں ہے (نہ کہ جسم کے ہاتھ میں) تو وُہ اسی طرح مدبّر و متصرّف رہے گا خواہ دارِ برزخ کی طرف منتقل ہو جاتے۔

بلکہ بدن سے مفارقت کے بعد اس کی تاثیر اور تدبیر زائد ہو جائے گی کیونکہ جسم فی الجملہ حجاب اور مانع ہے۔کیا دیکھتا نہیں کہ سُورج کس قدر جلا ڈالنے والا ہوتا ہے جب کہ بادل وغیرہ نہ ہو۔

یعنی سُورج تمام تر روشنی اور چمک دمک اور تمازت و حرارت کے باوجود معمولی سے بادل کے سامنے آجانے پر اپنی آب و تاب اور چمک دمک اور تپش و حرارت کھو بیٹھتا ہے اور نمایاں نہیں کر سکتا جب تک وہ حجاب دُور نہ ہو ایسے ہی بندہ تمام تر ریاضات و عبادات کے بعد اپنے رُوح کو لطیف اور نُورانی بنا لیتا ہے لیکن بدن عنصری پھر بھی کچھ نہ کچھ حجاب بنا رہتا ہے لیکن جب موت کی صُورت میں یہ حجاب ہٹتا ہے تو رُوح کے انوار و تجلّیات اور قوّتوں و قدرتوں اور تدبّرات و تصرّفات کا اسی طرح کامل ظہور ہونے لگتا ہے جس طرح کہ سُورج کے آگے سے بدلی ہٹ جانے پر سُورج کے انوار و تجلّیات اور تپش و حرارت کا ظہور ہوتا ہے۔

۵۔ علامہ سید محمُود آلوسی حنفی علیہ الرحمہ روح المعانی میں اسی آیت کریمہ

کے تحت فرماتے ہیں:

قیل اقسام بالنفوس الفاضلۃ حال المفارقۃ للابدان بالموت (الیٰ) فتسبق الیٰ حظائر القدس فتصیر لشرفہا وقوتہا من المدبرات ای ملحقۃ بالملئکۃ او تصلح لان تکون مدبرۃ کما قال الامام انہا بعد المفارقۃ قد تظہر لہا آثار واحوال فی ھٰذا العالم (الیٰ)

ولذا قیل ولیس بحدیث کما توھم اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باھل القبور ای اصحاب النفوس الفاضلۃ المتوفین ولا شک فی انہ یحصل لزائرھم مدد روحانی ببرکتھم وکثیرا ما تنحل عقد الامور بانامل التوسل الی اللّٰہ بحرمتھم وحملہ بعضھم علی الاحیاء منھم الممتثلین امر موتوا قبل ان تموتوا۔ (ص ۲۳ ج ۳۰)

آیتِ مذکورہ میں ان نفوس فاضلہ کے ساتھ قسمیں ذکر کی گئی ہیں جو موت کے ذریعے ابدان سے بزور الگ کیے جاتے ہیں کیونکہ بدن کی محبت کی وجہ سے ان کی جدائی بہت مشکل ہوتی ہے۔ جبکہ بدن اعمالِ خیر میں ان کے لیے بمنزلہ سواری کے ہو سکتا ہے اور بدن میں رہنا مزید خیر و برکت کا موجب ہوتا ہے (اس لیے اس جدائی کو نزع سے تعبیر کیا گیا ہے) تب وہ بدنوں سے جدائی

کے بعد عالمِ ملکوت کی طرف بصد شوق گامزن ہوتے ہیں اور عالمِ ملکوت میں پرواز کرتے ہوئے بارگاہِ قدس میں سبقت لے جاتے ہیں۔ تب اپنے مرتبہ و درجہ اور قدرت وطاقت کی وجہ سے کارکنانِ قضاء و قدر میں سے ہو جاتے ہیں یعنی یا درحقیقت اس جماعت میں داخل ہو جاتے ہیں اور یا ان میں تدبیر و تصرف کی صلاحیت و استعداد عملی صورت میں آجاتی ہے (گویا چاہیں تو تدبیر و تصرف کر سکتے ہیں اور تدبیر و تصرف نہ کریں تو مواخذہ اور جواب طلبی بھی نہیں ہوتی)۔

جیسے کہ امام رازی فرماتے ہیں کہ انسانوں کے نفوسِ کاملہ سے ابدان سے جُدا ہونے کے بعد بھی اس جہان میں مختلف آثار اور افعال ظاہر ہوتے رہتے ہیں (اور امام کا کلام پہلے ملاحظہ فرما چکے اور امام غزالی کا کلام بھی انہیں کے حوالے سے) اور اسی لیے کہا گیا:

اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باهل القبور۔

جب تم امورِ مشکلہ میں حیران و سرگرداں ہو جاؤ تو اہلِ قبور سے مدد چاہو۔ بعض نے اس کلام کو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار دیا ہے، لیکن تحقیق یہ ہے کہ حدیث نہیں ہے (اور اس کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ) فوت شدہ لوگوں کی بزرگ اور شریف روحوں سے مدد طلب کرو اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ان لوگوں کی قبروں کی زیارت کرنے والوں کو ان کی برکت سے روحانی امداد حاصل ہوتی ہے اور بسا اوقات امورِ مشکلہ کے اشکال ان کی عزت و قدر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل کے ذریعے حل ہو

جاتے ہیں اور بعض حضرات نے اس قول کو ان حضرات پر محمول کیا ہے جو زندہ ہونے کے باوجود اس قول پر عمل کیے ہوئے ہیں کہ مرنے سے پہلے مر جاؤ (یعنی اختیاری موت اور نفسانی خواہشات والی موت کے ساتھ مرنے والوں سے استعانت و استمداد کرو)۔

ولا ینبغی التوقف فی ان اللہ قد یکرم من یشآء من اولیاء ہ بعد الموت کما یکرمہ قبلہ بماشاء فیبرئ سبحٰنہ المریض و ینقذ الغریق وینصر علی العدو وینزل الغیث وکیت وکیت کرامۃ لہ۔

(ص ۲۵ ج ۳)

یعنی اس امر میں تردد اور توقف کی کوئی گنجائش نہیں کہ اللہ رب العزت اپنے اولیاء کو وصال کے بعد کراستوں سے نوازتا ہے جیسے کہ حالتِ حیات میں۔ پس کبھی مریض کو ان کے ہاتھ پر بطورِ کرامت شفاء بخشتا ہے اور کبھی کسی کو غرق ہونے سے بچاتا ہے، کبھی دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے تو کبھی ان کے عرض کرنے پر بارش برساتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت علامہ آلوسی صاحب کی تحقیق و تدقیق سے واضح ہوگیا کہ یہ عبارت یعنی اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باھل القبور گو حدیث شریف نہیں اکابرینِ ملت کے اقوال میں سے ہے لیکن اہلِ قبور سے استعانت والا معنیٰ مُراد لینا اس سے درست اور صحیح ہے اور ظاہری الفاظ کے عین مطابق ہے جیسے کہ فی الواقع ان سے استعانت درست ہے اور خود شاہ عبدالعزیز

دہلوی رحمہ اللہ بھی اس کے جواز اور درستی کے قائل ہیں اور اولیہ حضرات کا معمول اور طریقہ ہی یہی ہے لہٰذا اس معنیٰ کو رد کرنے کا کوئی جواز نہیں بلکہ اسلاف میں اس استعانت کا مروّج اور معمول ہونا اس سے ثابت ہو رہا ہے فقال حق القائل ۔

قطبِ دوراں کے بقاءِ عالم کا دار و مدار ہونے کا حقیقی مفہوم

قد یعتذر عنھم بان مراد ھم انہ المدبر باذن اللّٰہ وجاء اطلاق المدبر بھٰذا المعنیٰ علیٰ غیرہ تعالےٰ فی قولہ فالمدبرات امراً ۔ (ص ۹۰ ج ۱)

(یعنی جو لوگ قطبِ وقت کو آسمانوں اور زمینوں میں متصرف مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر قطب نہ ہو تو آسمان زمین پر گر جائیں) تو ان کی طرف سے عذر اور توجیہ یہ پیش کی جا سکتی ہے کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ قطبِ زمان باذن اللّٰہ امورِ کائنات میں متصرف ہے (نہ یہ کہ اللّٰہ تعالیٰ معطل ہے یا قطبِ وقت اللّٰہ تعالیٰ پر غالب ہے؟) (العیاذ باللّٰہ) اور اس معنیٰ کے اعتبار سے مدبّر کا اطلاق اللّٰہ تعالیٰ کے ماسوا پر خود قرآنِ مجید میں پایا گیا ہے ۔

کما قال تعالیٰ :

فالمدبّرات امراً ۔

اقول : اسی کلام حقیقت ترجمان سے سُورج کے روزمرہ غوثِ اعظم رضی اللہ سے اذن لینے کا مطلب بھی واضح ہو گیا اور علامہ سرفراز گکھڑوی کا توہم اور

وسوسہ باطل ہوگیا اور حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے پہلے بھی ہر دُور میں ایسے اقطاب موجود رہے اور بعد میں بھی موجود رہیں گے لہٰذا گردشِ لیل و نہار اور آفتاب کے طلوع و غروب اور اس نظام کے دوام و تسلسل میں کسی قسم کی رکاوٹ اور انقطاع کا توہم نہیں ہوسکتا۔

علامہ ابنِ حجر ہیتمی رحمہ اللہ فتاویٰ حدیثیہ میں رجالِ غیب کے متعلق بحث کرتے ہوئے قطب کے متعلق فرماتے ہیں:

راسهم القطب الغوث الفرد الجامع جعله الله تعالیٰ دائرًا فی الآفاق الاربعة ارکان الدنیا کدوران الفلك فی افق السماء وقد ستر الله احواله عن الخاصة و العامة غيرة عليه الا انه يری عالما کجاهل وابله کفطن وتارکا اخذًا قريبًا بعيدًا سهلًا عسرًا امنًا حذرًا مكانته من الاولياء كالنقطة من الدائرة التی هی مركزها به يقع صلاح العالم۔

(ص ۲۷۹)

رجالِ غیب کا رئیس اور سردار قُطب، غوث، فرد اور جامع کہلاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے چاروں آفاق اور ارکانِ دُنیا میں اس طرح دائر اور مدبر و متصرف بنایا ہے جیسے کہ فلک کی سماوی اور بالائی اُفق میں گردش اور تاثیر ہے اور اللہ ربّ العزت نے اس کے احوال کو عوام و خواص سے ازروئے غیرت پوشیدہ رکھا ہوتا ہے مگر وہ دیکھتا ہے عالم کو جیسے جاہل کو دیکھتا ہے

اور ابلہ کو جیسے کہ ذہین و فطین کو، چھوڑنے والے کو، پکڑنے والے کو، قریب اور بعید کو، آسان اور مشکل کو، امن والے اور اندیشہ ناک کو دیکھتا ہے۔ اور اولیاء کرام میں اس کا وہی درجہ اور مرتبہ ہے جو کہ مرکزی نقطہ اپنے دائرہ میں ہوتا ہے، اسی کے ذریعے عالم کی اصلاح اور درستی پائی جاتی ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ اوتاد چار ہوتے ہیں۔ اور ابدال کے متعلق اصح قول یہ ہے کہ وہ سات ہوتے ہیں اور نقباء چالیس ہوتے ہیں۔ اور نجباء تین سو ہوتے ہیں۔

فاذا مات القطب ابدل بخیار الاربعۃ اواحد الاربعۃ ابدل بخیار السبعۃ اواحد السبعۃ ابدل بخیار الاربعین اواحد الاربعین ابدل بخیار الثلاثمائۃ اواحد الثلاثمائۃ ابدل بخیار الصالحین فاذا اراد اللہ قیام الساعۃ اماتھم اجمعین وذٰلک ان اللہ یدفع البلاء عن العباد بھم وینزل بھم وطر السماء۔ (ص۲۷)

پس جب قطب وصال فرمائے تو چار اوتاد میں سے بہترین شخص کو اس کا قائم مقام بنایا جاتا ہے اور جب اوتاد میں سے کوئی انتقال فرمائے تو سات ابدال میں سے بہترین شخص کو اس جگہ مقرر کیا جاتا ہے اور جب سات ابدال میں سے کوئی رحلت فرما جائے تو چالیس نقباء میں سے بہترین شخص کو وہ منصب دے دیا جاتا ہے اور اگر ان نقباء میں سے کوئی دار آخرت کو سدھارے تو تین صد نجباء میں سے بہترین شخص کو اس مقام پر فائز کیا جاتا ہے اور اگر

ابدال میں سے کوئی دُنیائے فانی سے کوچ کرے تو عام صالحین میں سے بہترین شخص کو اس کی جگہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔

پس جب اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو ان سب پر موت طاری فرما دے گا اور یہ سب اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بلائیں اور مصائب انکے ذریعے دُور فرماتا ہے اور انہیں کے ذریعے بارشیں نازل کرتا ہے۔ اور جب بقائے عالم ہی مقصود نہ رہی تو اس بقا کے اسباب و ذرائع کے باقی رہنے کا بھی کوئی جواز نہیں رہے گا لہٰذا ان سب پر وفات و ممات طاری کر دی جائے گی لیکن اس سے قبل یکے بعد دیگرے قطبیت اور دیگر مناصب پر افراد کا تقرر اور تعین ہوتا رہے گا تاکہ نظم و نسق درہم برہم نہ ہو اور جہان زیر و زبر نہ ہو۔

بعد ازاں علامہ ہیتمی نے محدثینِ کرام اور ان کی مستند کتبِ احادیث سے متعدد روایات نقل فرمائیں جن میں امام احمد طبرانی، اَبُو نعیم، ابنِ حبان، دیلمی، ابنِ عساکر، حاکم، بیہقی اور ابنِ ابی الدُنیا شامل ہیں اور ان کے مصنفات اور ان میں ابدال اور خواص اُمت کے ذریعے بلیات دُور ہونے۔ اعداء پر نصرت کے حصُول اور بارشوں کے برسنے اور عذاب کے ٹلنے اور رزق حاصل ہونے بلکہ ان کے ذریعے زمین کے قائم رہنے کی تصریح منقول ہے اور ان تفاصیل کے متعلق اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

هٰذا صدق وحق لا مریة فیه لان اولیاء الله اخبروا به وحاشاهم من الکذب وممن نقل ذٰلك

الامام الیافعی وھو رجل جمع بین العلوم الظاھرۃ
والباطنۃ ۔ (ملخصاً) ۔

یہ سب کچھ برادرم سچ اور حق ہے جس میں ذرہ بھر شک نہیں ہے کیونکہ اولیاء کرام نے اس کی خبر دی ہے اور وہ مبعوث اور کذب سے محفوظ ہیں اور تفصیل کے ناقلین میں سے امام یافعی بھی ہیں جو علوم ظاہرہ اور باطنہ کے مجمع البحرین ہیں ۔

پھر ابو یحییٰ زکریا الانصاری شیخ الاسلام والمسلمین والامام المتقن والمحققین سے شیخ محمد جوہری کے سامنے ان تفاصیل کے متعلق استفسار کیا اور ان کے انکار اور تردید کا ذکر کیا تو انہوں نے خود بھی تصدیق فرمائی ،

ھل ھم موجودون حقیقۃ فقال نعم واللہ یا ولدی

اور پھر شیخ محمد جوہری سے دریافت کیا اور بار بار انکار کے متعلق استفسار کیا تو بالآخر انہوں نے بھی کہا ،

یا مولانا شیخ الاسلام امنت بذلک وصدقت بہ
وقد تبت ۔

اے مولانا شیخ الاسلام میں اس کے ساتھ ایمان لا چکا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں اور سابقہ نظریہ سے توبہ کر چکا ہوں تو شیخ الاسلام نے فرمایا

ھذا ھو الظن بک یا شیخ محمد ۔

ہمارا بھی آپ کے متعلق حسن ظن یہی تھا کہ ان حقائق کا انکار نہیں کریں گے
نیز مشکوٰۃ شریف میں امام احمد کے حوالے سے مروی ہے مرتضیٰ حضرت علی

شیرِ خدا رضی اللہ عنہ سے ابدال کے متعلق مرفوع حدیث مروی ہے :

یسقی بھم الغیث وینتصر بھم علی الاعداء ویصرف عن اھل الشام بھم العذاب ۔

اور علی قاری رحمہ اللہ نے مرقات میں ابنِ عساکر کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ :

اللہ تعالیٰ نے تین صد نفوس کو حضرت آدم علیہ السلام کے قلبِ اقدس پر پیدا فرمایا اور چالیس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر اور سات کو حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے قلب پر اور پانچ کو جبرئیل علیہ السلام کے قلب پر اور تین کو میکائیل علیہ السلام کے قلب پر اور صرف ایک قدسی نفس کو اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر پیدا فرمایا ۔

(الیٰ) بھم یدفع البلاء عن ھٰذہ الامۃ

(مرقات ص۳۶۹ جلد ۱۱)

انہیں کے ذریعے اس اُمّت سے بلائیں دُور کی جاتی ہیں ۔

اور شیخِ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

تخصیص اہل شام بجہت قرب وجوار ومزید ارتباط ایشاں خواہد بود والا برکت ونصرت ایشاں عالم را شامل است خصوصاً کسیکہ استنصار و استعانت کند از ایشاں ۔

(اشعۃ اللمعات ص۶۵۷ جلد چہارم)

یعنی اس حدیث میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اہلِ شام سے ابدال کی بدولت عذاب ٹلنے کی تخصیص ان کے قُرب وجوار اور کامل تر ربط

وتعلق کی وجہ سے ہے ورنہ ان کی برکت اور امداد و نصرت تمام جہان کو شامل ہے بالخصوص انہیں جو ان سے نصرت و اعانت کے طلبگار ہیں۔

الغرض قطب وغوث، ابدال و اوتاد اور نقبا، ونجبا، کا وجود حقیقت مسلّمہ ہے اور ان کے ذریعے نظام عالم قائم ہے اور جہان اصلاح پذیر ہے اور بالخصوص قطب وغوث کے ذریعے جو سب کا سردار اور رئیس ہے اور بقول الشیخ علاؤ الدین سمنانی:

وھو المظھر الخاص للتجلی الرّحمانی کما کان النّبی صلی اللہ علیہ وسلم مظھرا خاصا للتجلی الالٰھی المخصوص باسم الذات وھو اللہ سبحٰنہ۔

(مرقات ص ۳۶ ج ۱۱)

وہ تجلی رحمانی کا خاص مظہر ہے جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجلیِ الٰہی کے مظہرِ خاص ہیں جو کہ اسمِ ذات یعنی اللہ کے ساتھ مخصوص ہے تو لامحالہ قطب اور غوث کے ذریعے نظامِ عالم کا قیام بھی تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہے اور اسی نظم ونسق کا ایک شعبہ طلوع آفتاب اور گردشِ لیل ونہار بھی ہے، تو اس کے قطبِ دوران اور غوثِ زمان کے اذن سے طلوع ہونے میں کیا استبعاد ہے۔ چنانچہ عظیم مفسر علامہ سید محمود آلوسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قولِ باری تعالیٰ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے تحت فرماتے ہیں کہ اس خلافت ونیابت کا قیام قیامت تک برقرار رہنا لازم اور ضروری ہے، اور جب یہ خلافت ظاہرہ و باطنہ ختم ہو جائے گی تو نظامِ کائنات ہی ختم ہو جائے گا۔

صورت بساطِ عالم ہی اُلٹ جائے گی۔

ولم تزل تلك الخلافة فی الانسان الکامل الی قیام الساعة وساعة القیام بل متی فارق هذا الانسان العالم مات العالم لانه الروح الذی به قوامه فهو العماد المعنوی للسماء والدار الدنیا جارحة من جوارح جسد العالم الذی الانسان روحه۔ (روح المعانی ص۲۲ جلد اوّل)

اور یہ خلافت (صرف آدم علیہ السلام تک محدود نہیں بلکہ) قیامِ قیامت تک اور ساعت قیام وحشر تک انسانِ کامل میں جاری و ساری رہے گی۔ جب ایسا انسان عالم سے جُدا ہو جائے گا تو عالم بھی موت وفنا سے دوچار ہو جائے گا کیونکہ جہان کی رُوح وہی ہے اسی کی بدولت ہی جہان کا قیام ہے پس وہی خلیفہ خُداوند تعالیٰ ہی آسمانوں کے لیے معنوی ستون ہے اور دارِ دُنیا جہان کے جسد کا ایک عضو ہے جس کے لیے وُہ انسان کامل رُوح ہے۔

نیز یہ امر بھی ملحوظ ہے کہ یہ صرف علاّمہ سیّد محمود آلوسی صاحب کی ذاتی اور انفرادی رائے نہیں بلکہ اس کو اہل اللہ کے حوالے سے انہوں نے ذکر فرمایا ہے:

وعند اهل الله المراد بالخلیفة آدم وهو علیه السلام خلیفة الله و ابو الخلفاء والمجلی له سبحٰنه وتعالٰے والجامع لصفتی جماله وجلا لـه ولیس فی الموجودات من وسع الحق سواه (الی) ولم تزل تلك الخلافة۔ الخ

اور اہل اللہ کے نزدیک خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں اور تمام خلفاء کے باپ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جلوہ گاہ اور اس کی صفاتِ جمال و جلال کے جامع اور مظہرِ کامل اور موجودات میں کوئی شخص ایسا نہیں جو حق تعالیٰ کی گنجائش رکھے سوائے ان کے (تا) اور یہ خلافت انسانِ کامل میں قیام قیامت تک باقی رہے گی۔

لہٰذا اس پر بقول علامہ آلوسی رحمہ اللہ تمام اولیاء کرام اور محبوبانِ خداوند تعالیٰ کا اجماع و اتفاق ثابت ہو گیا کہ باطنی نظام اس انسانِ کامل کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کی جلوہ گاہ ہو اور اس کے صفاتِ جمال و جلال کا مجمع البحرین اور مظہرِ اتم ہو۔ اور وہ انسانِ کامل روحِ کائنات ہے اور اس میں مدبر و متصرف اور آسمان و زمین اس روح کے زیر تصرف ہیں جو جسدِ عالم میں متصرف ہے اور ان کی بقاء اسی کی مرہونِ منت ہے۔ اگر علامہ سرفراز صاحب کو یہ حقیقت تسلیم نہیں تو ہمیں معذور سمجھیں ہم ان کے معتقد نہیں ہم تو ان اہل اللہ کے تابع ہیں جو دل کی آنکھوں سے حقائق اشیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے ان کو بیان کرتے ہیں۔

شاہ اسمٰعیل دہلوی کی شہادت

علامہ سرفراز صاحب کے اسلاف نے بھی ان کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے اور ان کی ساری کاوشوں پر پانی پھیر دیا ہے اور زندہ اغواث و اقطاب کیلئے ہی نہیں بلکہ صدیوں پہلے فوت شدگان کے لیے بھی تدبیر و تصرف کو تسلیم کر لیا

ہے۔ چنانچہ مولوی اسمٰعیل دہلوی صاحب حضرت مولائے مرتضیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے متعلق صراطِ مستقیم مترجم ص۹۸ پر تحریر کرتے ہیں:

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے شیخین رضی اللہ عنہم پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وُہ فضیلت ہے آپ کے فرمانبرداروں کا زیادہ ہونا اور مقاماتِ ولایت بلکہ قطبیت اور غوثیت اور ابدالیت اور ان جیسے باقی خدمات کا آپ کے زمانہ سے لے کر دُنیا کے ختم ہونے تک آپ کی وساطت سے ہی ہونا اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وُہ دخل ہے جو عالمِ ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔

گویا اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے طفیل خلافتِ کبریٰ اور نیابتِ عظمٰی کا منصب مولا علی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے اور آپ کے بعد پیدا ہونے والے تمام باطنی خلفاء آپ کے توسّط و توسّل اور فیضِ تربیت سے ہی اس بلند تر مقام اور اعلیٰ مرتبہ و منصب کے قابل اور لائق بنتے ہیں تو آپ کا عظیم تر مدبّر و متصرّف ہونا اور قیامِ قیامت اور ساعتِ قیام تک اس خلافت و نیابت سے مشرّف اور بہرہ ور ہونا علاّمہ صاحب کے سرپرستوں اور رُوحانی مربّی اور مُرشد حضرات کے ہاں بھی تسلیم ہو گیا جبکہ علاّمہ صاحب یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ ان کو علم و ادراک ہی نہیں بلکہ وُہ لوگوں کی ندا، ذپکار سے غافل ہیں۔ اور اگر مکھی کوئی چیز ان سے لے کر بھاگ جائے تو واپس لینے پر قادر نہیں ہیں اور انہیں امورِ کائنات میں ذرّہ بھر تصرّف کا حق نہیں ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اپنے اکابر کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹا ہوا

دیکھ کر یہی کہیں گے۔ ؎

حد ہے اپنی طرف نہیں میں بھی
مگر ان کی طرف خدائی ہے

لیکن مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ سوادِ اعظم اور جمہور اہلِ اسلام بلکہ اہل اللہ کے اجماعی مسلک و مذہب اور نظریہ و عقیدہ سے ہرگز ہرگز روگردانی نہ کریں، کیونکہ یہ روگردانی اور اعراض جہنمی ہونے کا موجب بن جائے گا۔

قال اللہ تبارک و تعالیٰ :

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ○ (سورۃ النساء آیت ۱۱۵)

اور جو شخص مؤمنین کی راہ کے علاوہ کسی راہ پر چلے گا تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرے گا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کی گواہی

نیز علامہ صاحب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بڑے معتقد اور نیاز مند مقلد ہیں ذرا ان کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمادیں اور اپنی حالتِ زار پر ماتم کریں۔

حضرت حکیم الامت "ہمعہ" ص۱۱ میں نسبتِ اویسیہ کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

ہیکل ایں برزخ مثالیہ حضرت پیغامبر اند صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ و از امت آنحضرت اول کسیکہ فاتح باب جذب شدہ است و در آنجا قدم نہادہ است حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہٗ است و لہٰذا سلاسل طرق بداں جانب را راجع شوند (تا) و در اولیاءِ اُمت و اصحاب طرق اقوی کسیکہ بعد تمام راہ جذب باکد وجوہ باصل ایں نسبت میل کردہ است و در آنجا باتم وجہ قدم زدہ است حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اند و لہٰذا گفتہ اندکہ ایشاں در قبرِ خود مانند احیاء تصرف میکنند (تا) و باجملہ ایں اسباب مقتضی آں شدند کہ امروز کسے را مناسبت بروح خاص پیدا شود و از آنجا فیض بردارد غالباً بیروں نیست ازانکہ ایں معنیٰ بہ نسبت حضرت پیغمبر باشد صلی اللہ علیہ وسلم یا بہ نسبت حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہٗ یا بہ نسبت حضرت غوث جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ (ہمعات ص۹۱-۹۲)

یعنی اس نسبتِ اویسیہ کے اور جذبِ ہیکل اور برزخ مثالی صورت میں حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں سے سب سے پہلے باب جذب کو کھولنے والے اور اس مقام بلند میں قدم رکھنے والے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ہیں اور اسی لیے تمام روحانی طریقوں کے سلسلے انہیں کی طرف راجع ہیں (تا) اور اولیاءِ اُمت میں اور اصحاب طرق میں راہِ جذب کے اتمام کے بعد قوی ترین شخصیت حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کی ہے جنہوں نے انتہائی تاکیدی وجوہ کے ساتھ اس نسبت کے اصل کی طرف میلان کیا ہے اور کامل طریقہ پر اس

مقام میں قدم رکھا ہے اسی لیے عرفا نے کہا ہے کہ وہ اپنی قبر انور میں زندہ اولیاء کی مانند تصرف کرتے ہیں۔ (تا) خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ اسباب اس امر کے متقاضی ہوئے کہ آج جس شخص کو بھی کسی خاص روح کے ساتھ مناسبت حاصل ہوتی ہے اور اس سے فیضیاب ہوتا تو وہ غالب طور پر اس کے سوا نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والی نسبت سے یہ مقصد اور فیض حاصل ہوا ہو گا یا حضرت امیرالمؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے یا حضرت غوث جیلانی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے حاصل ہوا ہو گا۔

دلیل دہم

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالٰی قال من عادٰی لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضت علیہ وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا ولئن سئلنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لا عیذنہ الحدیث۔

(مشکوٰۃ باب الذکر والتقرب الی اللہ۔ بخاری شریف جلد ثانی باب التواضع ص ۹۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

جو میرے ولی کے ساتھ عداوت اور دشمنی رکھے گا تو میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ اور نہیں قرب حاصل کیا میری طرف میرے بندے نے کسی چیز کے ساتھ جو مجھے زیادہ محبوب ہو اس پر عائد کردہ فرائض سے اور ہمیشہ بندہ میرے قریب ہوتا رہتا ہے نوافل (کی کثرت اور فراوانی کے ذریعے) حتیٰ کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں، پس جب اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان ہوتا ہوں جن سے سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن کے ساتھ چلتا ہے اور اگر وہ بندۂ محبوب مجھ سے سوال کرے گا تو میں اس کو ضرور بالضرور مطلوبہ چیزیں دوں گا۔ اور اگر مجھ سے پناہ اور تحفظ طلب کرے گا تو ضرور بالضرور اس کو پناہ اور تحفظ مہیا کروں گا۔

اور بعض روایات میں یہ اضافہ ہے :

ولسانه الذی یتکلم بہ ۔

میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ کلام کرتا ہے۔

اور بعض میں یہ الفاظ زائد ہیں :

وفوادہ الذی یعقل بہ

اور میں اس کا دل ودماغ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ علم وادراک اور فہم ودانش حاصل کرتا ہے۔

اور بعض میں یہ اضافہ ہے :

فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی یمشی ۔

پس وہ میرے ساتھ سنتا ہے اور میرے ساتھ ہی دیکھتا ہے اور میرے ساتھ ہی پکڑتا ہے اور میرے ساتھ ہی چلتا ہے ۔

اس حدیث قدسی سے واضح ہوا کہ فرائض کی پابندی اور نوافل کی کثرت سے بندہ مقامِ محبوبیت پر فائز ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے انوار سے منور ہو جاتا ہے اور وہی انوار اس کے حواس اور اعضاء و آلات بن جاتے ہیں اور جب حقیقتِ حال یہ ہوئی تو لا محالہ اس کا دیکھنا سننا اور چلنا، پہنچنا اور پکڑنا، بولنا اور سوچنا لا محالہ عام لوگوں سے مختلف ہوگا اور چونکہ یہ انوار مقامِ محبوبیت کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتے ہیں اور بندۂ محبوب وفات و وصال کے بعد بھی محبوب ہوتا ہے تو وفات و وصال کے بعد بھی اس کے علوم و ادراکات اور شعور و احساسات اور قدرتیں اور طاقتیں عام اہلِ اسلام سے زائد اور فائق اور قوی تر اور موثر ترین ہوں گی ۔ اب اسی حقیقت کی تصریح علماءِ اعلام اور مقتدایانِ انام کی زبانی سماعت فرمائیں ۔

۱ ۔ حضرت امام رازی علیہ الرحمہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں : (ص۲۶۵ ج۵)

وکذلک العبد اذا واظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول اللہ کنت لہ سمعا و بصرا فاذا صار نور جلال اللہ لہ سمعا سمع القریب والبعید و اذا صار ذلک النور نور جلال اللہ لہ بصرا رای القریب

وَالبعید واذا صار ذٰلک النُّور نُورجلال اللہ یداً لہٗ قدر علی التصرف فی الصعب والسھل والقریب والبعید

ایسے ہی کوئی بندہ جب طاعات پر مداومت کرے تو اس مقام تک داخل ہو جائے گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اس کے لیے کان اور آنکھ ہو جاتا ہوں۔ پس جب اللہ تعالیٰ کا نور بندہ محبوب کے کان ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور بعید کو سنتا ہے۔ اور جب اللہ تعالےٰ کا نور اس کی آنکھ بن جاتا ہے جو دور و نزدیک کو دیکھتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا نور بندے کا ہاتھ بن جاتا ہے تو وہ مشکل اور آسان کاموں پر اور نزدیک و دور میں تصرف پر قادر ہو جاتا ہے

۲۔ علامہ سید محمود آلوسی حنفی رحمہ اللہ روح المعانی جلد اول ص۲۰۱ پر فرماتے ہیں:

فسرہ جمع ھھنا بما لا یقع تحت الحواس ولا یقتضیہ بداھۃ العقل (الیٰ) فانہ غیب یعلمہ من اعطاہ اللہ نورا علیٰ حسب ذٰلک النور فلذا تجد الناس متفاوتین فیہ وللاولیاء نفعنا اللہ بھم الحظ الاوفر منہ و من ھنا قیل الغیب مشاھدۃ الکل بعین الحق فقد یمنح العبد قرب النوافل فیکون الحق سبحٰنہ وتعالےٰ بصرہ الذی یبصر بہ وسمعہ الذی یسمع بہ و قد یرقی من ذٰلک الیٰ قرب الفرائض فیکون نوراً فھنالک یکون الغیب لہ شھوداً والمفقود لدینا عندہ موجوداً۔

علماءِ اعلام کی ایک جماعت نے جہاں پر غیب کا معنیٰ و مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ جو حواس کے دائرہ میں نہ آسکے اور بداہتِ عقل بھی اس کا تقاضا نہ کرے (اور وہ دو قسم ہے ایک قسم وہ ہے کہ جس پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی قائم نہیں کی گئی اور اللہ لطیف و خبیر اس کے علم کے ساتھ منفرد ہے جیسے کہ تقدیرات کا علم مثلاً اور دوسرا قسم وہ ہے کہ جس پر کوئی دلیل قائم کی گئی ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات علام کیونکہ یہ ایسا غیب ہے جس کو وہ لوگ جانتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نور عطا فرمایا ہے، پس وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے نور کے مطابق اس کو جان لیتا ہے اسی لیے لوگ اس علم میں مختلف درجات اور متفاوت مراتب رکھتے ہیں اور اولیاء کرام کے لیے اس علم غیب سے بہت وافر حصہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی بدولت نفع اندوزی کی سعادت بخشے۔

اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ غیب (کا علم) ہر چیز کا مشاہدہ کر لینے کا نام ہے اللہ تعالیٰ والی نوری آنکھ کے ساتھ کیونکہ کبھی بندے کو نوافل کا قرب (اور ان پر مترتب نور) عطا کیا جاتا ہے تو اللہ سبحانہٗ و تعالےٰ اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کان بن جاتا ہے جس سے سنتا ہے اور کبھی اس سے ترقی کر کے قرب فرائض (اور ان کے اثرات و ثمرات سمیٹتا ہے اور ان کی بدولت حاصل درجات) تک پہنچتا ہے تو سراسر نور بن جاتا ہے تو اس مقام پر اس بندۂ محبوب کے لیے غیب مانند شہود کے ہو جاتا ہے اور جو ہمارے لحاظ سے ناپید اور معدوم ہوتا ہے وہ اس کے

سامنے آئینہ حال میں موجود (ومشہود) ہوتا ہے۔

۳۔ علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

للغیب مبادی و لواحق فمبادیه لا یطلع علیه ملك مقرب ولا نبی مرسل واما اللواحق فهو ما اظهر الله تعالٰی علی بعض احبائه لوحة علمه وخرج ذٰلك عن الغیب المطلق وصار غیبا اضافیا وذٰلك اذا تنور الروح القدسیة وازداد نوریتها واشراقها بالاعراض عن ظلمة عالم الحس وتجلیة مرآت القلب عن صداء الطبیعة والمواظبة علی العلم والعمل وفیضان الانوار الالٰهیة حتّٰی یقوی النور و ینبسط فی فضاء القلب فتنعکس فیه النقوش المرتسمة فی اللوح المحفوظ ویطلع علی المغیبات ویتصرف فی اجسام العالم السفلی بل یتجلّٰی حینئذ الفیاض الاقدس بمعرفته التی هی اشرف العطایا فکیف بغیره۔

(مرقاۃ جلد اوّل ص۶۲)

غیب کے لیے مبادی بھی ہیں اور لواحق بھی مبادی پر تو ملک مقرب اور نبی مرسل بھی مطلع نہیں ہوتے۔ لیکن لواحق وہ ہیں جو اللہ تعالٰی نے اپنے بعض اولیاء و احباء پر اپنے علم کے نور و ضیا کو ظاہر فرمایا ہے اور وہ غیب مطلق

سے نکل کر اضافی غیب بن جاتا ہے۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب روحِ قدسی منوّر ہو جاتا ہے اور اس کی نورانیت اور چمک دمک بڑھ جاتی ہے بسبب عالم محسوسات کی ظلمت سے روگردانی کے اور دل کے آئینہ کو طبیعت کے زنگ سے دور کرنے کی بدولت اور علم وعمل پر مداومت اور انوارِ الٰہیہ کے فیضان کے طفیل حتّٰی کہ وہ نور قوی ہو جاتا ہے اور قلب کی فضا میں پھیل جاتا ہے تب اس پر لوح محفوظ میں مرقوم نقوش کا عکس پڑنے لگتا ہے اور وہ اسرارِ غیبیہ پر مطلع ہو جاتا ہے اور نچلے جہان میں تصرف کرتا ہے بلکہ خود فیاضِ اقدس یعنی اللّٰہ تعالیٰ اپنی معرفتِ تامہ کاملہ کے ساتھ اس پر جلوہ گر ہوتا ہے جو کہ تمام انعامات اور عطیات سے بلند مرتبت عطاء بخشش ہے، تو دوسری عطاؤں اور انعامات کا تو حدو حساب اور شمار ہی کیا۔

۴۔ قال الشیخ الکبیر ابُو عبد اللّٰہ فی معتقدہ ونعتقد ان العبد یصیر الیٰ نعت الروحانیہ فیعلم الغیب و تطوی لہ الارض و یمشی علی الماء و یغیب عن الابصار

(مرقاۃ ص ۹۲ جلد اوّل)

شیخ کبیر امام ابُوعبداللّٰہ اپنی کتاب عقائد میں فرماتے ہیں:
ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بندہ روحانی کیفیت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے پس وہ غیب کو جانتا ہے اور اس کے لیے زمین سمٹ جاتی ہے اور وہ (خشک پاؤں کے ساتھ) پانی پر چلتا ہے اور نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

۵۔ قال القاضی و ذٰلک ان النفوس الزکیۃ القدسیہ

اذ تجردت عن العلائق البدنية عرجت واتصلت
بالملاء الاعلیٰ ولم یبق لها حجاب فتری الکل کالمشاھد
بنفسها او باخبار الملٰئِکَۃ وفیہ سر یطلع علیہ من
تیسر لہ ذٰلک۔

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ اس لیے ہے کہ پاکیزہ قدسی نفوس
جب بدنی علائق اور آلائش سے مجرد اور پاک ہو جاتے ہیں تو ملاءِ اعلیٰ کی
طرف عروج کر جاتے ہیں اور ان سے جا ملتے ہیں اور ان کے لیے کوئی حجاب
باقی نہیں رہ جاتا پس وہ ہر چیز کو دیکھتے ہیں جیسے کہ اپنی ذات کے ساتھ
مشاہدہ کرنے والا دیکھتا ہے یا ملائکہ کی اطلاع اور خبر دینے کی وجہ سے اور
اس میں راز اور بھید ہے جس پر وہی مطلع ہو سکتا ہے جس کیلئے اللہ تعالےٰ
اس تک رسائی کا سامان کرے۔

حضرت علامہ علی القاریؒ فرماتے ہیں:

۴۔ ان التضییق والانحصار لا یتصور فی الروح وانما
یکون فی الجسد والروح اذا کانت لطیفۃ یتبعھا
الجسد فی اللطافۃ فتصیر بجسدھا حیث
شاءت وتتمتع بما شاءت وتاوی الیٰ ماشاء اللہ لھا
کما وقع لنبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام فی المعراج و
لاتباعہ من الاولیاء حیث طویت لھم الارض و
حصل لھم الابدان المکتسبۃ المتعددہ وجدوھا

فی اماکن مختلفة فی اٰن واحد واللّٰہ علٰی کلِّ شیءٍ قدیر
وھٰذا فی العالم المبنی علی الامر العادی غالبا فکیف
وامر الروح والاٰخرۃ کلھا مبنیۃ علٰی
خوارق العادات۔ (مرقات ص۳۱۱ جلد چہارم)

محل اور مقام میں تنگی اور پابندی اور حبس و قید رُوح کے لحاظ سے تصور نہیں کی جاسکتی بلکہ فقط جسمِ عنصری میں ہوتی ہے۔ بلکہ روح جب لطیف اور پاکیزہ تر ہو جائے تو بدن بھی نُورانیت اور لطافت میں اس کے تابع ہو جاتا ہے اور جسم کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اور جہاں چاہتا ہے فائدہ و منفعت اٹھاتا ہے اور جہاں تک اللّٰہ تعالیٰ اسے پہنچانا چاہے پہنچتا ہے جیسے کہ نبیِ کریم صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شبِ معراج یہ بلند ترین مقام نصیب ہوا اور آپ کے متبع اولیاءِ کرام کے لیے بھی جبکہ زمین ان کے لیے سمیٹ دی جاتی ہے اور انہیں بہت سے مثالی بدن حاصل ہو جاتے ہیں، جنہیں وہ آنِ واحد میں مختلف مکانوں میں موجود پاتے ہیں اور اللّٰہ تعالیٰ ہر شے پر کامل قدرت والا ہے۔

اور رُوح کے لیے یہ لطافت اور نُورانیت اور قدرت و طاقت اس عالم میں ہے جو کہ غالباً امورِ عادیہ پر مبنی ہے اور جب یہاں ان امور میں استبعاد نہیں تو دارِ آخرت میں کونسا استبعاد ہو سکتا ہے کیونکہ رُوح کے اور آخرت کے تمام معاملات خرقِ عادت پر مبنی ہیں۔

۷۔ علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:

و مما ینبغی ان یعلم انما ذکرناہ من شان الروح
یختلف بحسب حال الارواح من القوۃ والضعف
والکبر والصغر فللروح العظمیۃ الکبیرۃ من
ذٰلک مالیس لمن دونہا وانت تریٰ احکام الارواح
فی دارالدنیا کیف تتفاوت اعظم تفاوت بحسب
تفارق الارواح فی کیفیاتہا وقواہا وابطاءھا
واسراعہا والمعاونۃ لہا فللروح المطلقۃ من
اسرالبدن وعلائقہ وعوائقہ من التصرف و
القوۃ والنفاذ والہمۃ وسرعۃ الصعود الی اللہ
والتعلق باللہ مالیس للروح المہینۃ المحبوسۃ فی
علائق البدن وعوائقہ -

فاذا کان ھٰذا وھی محبوسۃ فی بدنہا فکیف
اذا تجردت وفارقتہ واجتمعت فیہا قواھا و
کانت فی اصل شانہا روحا علیۃ زکیۃ کبیرۃ
ذات ھمۃ عالیۃ فہذہ لہا بعد مفارقۃ البدن
شان اٰخر وفعل اٰخر وقد تواترت الرؤیا من
اصناف بنی اٰدم علیٰ فعل الارواح بعد موتہا
ما لا تقدر علیٰ مثلہ حال اتصالہا بالبدن من
ھزیمۃ الجیوش الکثیرۃ بالواحد والاثنین و

العدد القليل ونحو ذٰلك۔

وكم قد رأى النبي صلى الله عليه وسلم ومعه ابوبكر وعمر رضی اللہ عنہما فی النوم قد هزمت ارواحهم عساكر الكفر والظلم فاذا بجيوشهم مغلوبة مقهورة مع كثرة عددهم وعددهم وضعف المؤمنين وقلتهم ۔ (کتاب الروح ص ۱۹۳)

یہ امر جان لینا نہایت موزوں اور مناسب ہے کہ ہم نے رُوح کا حال جو کچھ بیان کیا وُہ ارواح کے اپنے احوال یعنی قوّت و ضعف اور عظمت و حقارت کے مطابق مختلف ہے۔ عظیم اور بڑی مقدار والے رُوح میں جو قوّت و قدرت ہوتی ہے وُہ اس سے کم مرتبہ و مقدار والے رُوح میں نہیں ہوتی اور ہر صاحب عقل و ہوش دیکھتا ہے کہ دُنیا میں ارواح کے احکام اور اثرات میں ارواح کے باہمی فرق کے مطابق کیفیات و قوٰی میں اور رفتار کی نرمی اور تیزی میں اور تعاون و امداد میں عظیم فرق ہے۔

وُہ رُوح جو کہ بدن کی قید سے اور اس کے لوازمات اور موانعات سے آزاد ہوتی ہے اسے وُہ تصرف، قوّت، تسلط اور ہمّت اور اللہ تعالیٰ کی طرف فوری توجّہ اور تعلّق حاصل ہوتا ہے۔ جو اس حقیر اور بدن کی قید و بند اور اس کے لوازمات اور موانعات میں محبوس و مقید کو حاصل نہیں ہوتے پس جب رُوح کا یہ حال ہے جبکہ وُہ بدن میں محبوس و مقید ہے تو اسوقت اس کے حال کا اندازہ کرو جب وُہ تعلّق سے آزاد اور قید بند سے رہا ہو جائے

اس میں اس کی تمام تر قوتیں مجتمع ہوں اور وُہ رُوح اصلی فطرت میں بھی
شان، پاکیزہ فطرت، عظیم القدر اور بلند ہمّت ہو تو ایسے رُوح کا بدن
سے علیحدگی کے بعد نرالا شان ہوگا اور انوکھے افعال ہوں گے اور اولادِ آدم علیہ السلام[1]
کے مختلف گروہوں سے تواتر کے ساتھ یہ مشاہدہ ثابت ہے۔

کہ ارواح سے موت کے بعد ایسے افعال صادر ہوئے جن پر وُہ ظاہری
حیات کی حالت میں اور بدن سے تعلق حلول کے وقت قادر نہیں تھے۔
مثلاً عظیم لشکروں کو ایک، دو یا قلیل ترین تعداد کے باوجود شکست دیدینا
اور اس کی مانند دیگر امور۔

اور کتنی دفعہ نیند میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم حضرت ابُوبکر
اور حضرت عُمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں دیکھے گئے کہ ان کے ارواح مقدسہ
نے کفر وظلم کے لشکروں کو شکست دی اور وُہ کثیر التعداد ہونے اور تمام تر
ساز و سامان کے باوجود مسلمانوں سے ان کے ضعف اور قلّتِ عدد کے باوجود
شکست کھا گئے اور مغلوب ہو گئے۔

۸۔ محبُوب سُبحانی حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ فتوح الغیب
کے چالیسویں مقالے میں رُوحانیوں کے زمرہ میں داخل ہونے کے شرائط
بیان کرنے کے بعد بطور تفریع اور نتیجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فحینئذ تومن علی الاسرار والعلوم اللدنیة وغرائبها
ویرد علیك التکوین وخرق العادات التی هی من
قبیل القدرة التی تکون للمؤمنین فی الجنة فتکون

[1] علیہ السلام۔

فی ھٰذہ الحالۃ کانك احییت بعد الموت فی الاخرۃ
فتکون کلیتك قدرۃ تسمع باللّٰہ وتبصر باللّٰہ وتنطق
باللّٰہ وتبطش باللّٰہ وتسعیٰ باللّٰہ وتعقل باللّٰہ وتطمئن
وتسکن باللّٰہ ۔ الخ

پس اس وقت تجھے اسرار اور علوم لدنیہ اور ان کے عجائبات پر امین بنایا جائے گا اور تجھ پر تکوین کو اور خوارق عادت و کرامات کو لوٹایا جائے گا جو کہ اس قدرت کے قبیل سے ہیں جو مؤمنین کو جنت میں حاصل ہوگی۔ پس تو اس حالت میں اس طرح ہوگا کہ گویا تجھے مرجانے کے بعد دوبارہ عالم آخرت میں زندہ کیا گیا ہے پس تو کلی طور پر مجسمہ قدرت اور سراپا قوت بن جائے گا۔ تو سنے گا اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ اور دیکھے گا اللّٰہ تعالےٰ کے ساتھ اور نطق و کلام کرے گا اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ اور پکڑے گا اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ اور سعی کرے گا اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ اور سوچے سمجھے گا اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ اور تجھے اطمینان و سکون حاصل ہوگا اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ۔

۹۔ شیخِ اجل شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں:

یرد علیك التکوین وباز گردانیدہ میشود بسوئے تو دسپردہ میشود بتو پیدا کردن و موجود گردانیدن اشیاء درد کردہ میشود بسوئے تو پارہ گردانیدن عادتہا کہ از قبیل قدرتیست کہ می باشد مسلماناں را در بہشت بدانکہ عادت ایجاد اشیاء است بتوسط اسباب چنانکہ تا نخورند سیر نشوند و تا گام نزنند بمنزل نرسند و خرق عادت آنکہ امرے بے سبب

باوجود آید و اولیاء را که از عادتِ نفس و رسوم خلق رستہ از مضیق عجز بشریت
بفضائے قدرت حق رسیدہ اند ایں مرتبت و کرامت می بخشند کہ اشیاء را
بے اسباب عادی بر دست ایشاں ایجاد میفرمایند ۔
و ایں خرق عادت از قبیل قدرتیست کہ باشد مرہمہ مومناں را در بہشت
کہ عالم قدرتست و قدرت در ایجاد آشکار است و حکمت پنہاں برخلاف ایں
عالم کہ دریں جا قدرت در حکمت پنہاں است و کاملاں کہ از عادات و رسوم
گذشتہ و فانی شدہ اند امروز بیقید در بہشت و مظہر تجلی اسم القدیر گشتہ اند
و در اصطلاح ایں چنیں کسے را عبدالقادر خوانند ۔ الخ (ص۲۳۱ - ۲۳۲)

اور تجھ پر لوٹائی جائے گی اور تیرے سپرد کر دی جائے گی تکوین یعنی
پیدا کرنا اور اشیاء کو موجود کرنا اور سونپا جائے گا تجھے عادات اور معمولات
کا پارہ پارہ کرنا جو کہ اس قدرت کے قبیل سے ہے جو کہ مسلمانوں کو بہشت میں
حاصل ہوگی ۔

اچھی طرح جان لو کہ عادت اور معمول نام ہے اشیاء کو اسباب کے توسط
سے پیدا کرنے کا جیسے کہ جب تک نہ کھائیں سیر نہیں ہو سکتے اور جب تک
قدم نہ اٹھائیں منزل تک نہیں پہنچ سکتے اور خرق عادت یہ ہے کہ شئی بغیر
سبب کے موجود ہو جائے اور اولیاء کرام جو کہ نفس کی عادات اور مخلوق کی
رسوم سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں اور بشریت والی عاجزی و بے بسی کی تنگنا
سے حق جل و علیٰ کی قدرت والی وسیع فضا میں پہنچتے ہیں ان کو یہ مرتبہ اور
کرامت و شرف عطا کرتے ہیں کہ بغیر اسباب عادیہ کے اشیاء کو ان کے ہاتھ

پہ پیدا کرتے ہیں ۔

اور یہ خرقِ عادات اور کرامات اس قُدرت کے قبیل سے ہیں جو مومنین کو بہشت میں حاصل ہوگی جو کہ عالمِ قُدرت ہے اور قُدرت ایجاد میں نمایاں اور آشکارا ہے اور حکمت پوشیدہ برخلاف اس جہان کے یہاں پر قدرت حکمت میں پوشیدہ ہے اور وُہ کامل لوگ جو عادات و رسُوم سے گزر چکے ہوں اور فنا فی اللہ ہو چکے ہوں تو وُہ آج ہی بغیر کسی پابندی کے گویا بہشت میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسم القدیر کا مظہر بنے ہُوتے ہیں اور اصطلاح میں اس قسم کے کاملین کو عبدالقادر کہتے ہیں ۔

اقول ، حضور سیدنا محبُوب سُبحانی رضی اللہ عنہ نے رُوحانی بننے کے جو شرائط اور ثمرات بیان فرمائے ہیں وُہ یقیناً آپ میں موجود تھے ، اور صرف موجود ہی نہیں تھے بلکہ اتم اور اکمل طریقہ پر موجود تھے تو اندریں صُورت آپ میں وُہ قدرتِ کاملہ تسلیم کرنا واجب و لازم جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسمِ قدیر کی مظہریت کے طور پر کسی بھی ولی کو حاصل ہو سکتی ہے اور آپ کے لیے تکوین اور علوم لدنیہ غریبہ وعجیبہ کا سونپا جانا لازمی طور پر ثابت اور کسی بھی ولی کو جو فیوض و برکات اور درجات و کمالات حاصل ہوتے ہیں وُہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تبعیت اور نیابت کے طور پر حاصل ہوتے ہیں تو لامحالہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لیے القدیر کی مظہریت اور تکوین اور علوم لدنیہ کی تفویض کامل و اکمل طریقہ پر اور بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگی تو اس بیان صداقت نشان اور حق ترجمان سے امام اہلسنت

مولانا احمد رضا صاحب قدس سرہٗ العزیز کے اس قول کی صداقت اور حقانیت واضح ہو گئی۔ ؎

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
سب کن اور کن مکن حاصل ہے یا غوث

اگر سرفراز صاحب ہمت کریں تو شرک کا فتوٰی غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی پر لگائیں اور پھر شاہ عبدالحق محدث دہلوی (رحمہا اللہ) پر اور ان علماءِ اعلام پر جنہوں نے مقامِ محبوبیت کے ان نتائج و ثمرات کو بیان فرمایا اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس حدیثِ قدسی کا یہ محمل اور مصداق بیان فرمایا۔ محض اعلیٰ حضرت بریلوی کو نشانہ بنانا دیانت داری بلکہ ایمانداری کے خلاف ہے۔

مزید کچھ حوالے ملاحظہ فرمالیں ممکن ہے کہ اپنے گھر سے یہی مضمون و مفہوم اور معنیٰ و مقصود اس حدیث کا ثابت ہو جائے۔

۱۰۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرماتے ہیں۔

اما قرب نوافل آنست کہ صفات بشریہ سالک از وے زائل شود و صفاتِ حق بروے ظاہر آیند چنانچہ زندہ گرداند مردہ را و بمیراند زندہ را باذن اللہ و بشنود و ببیند از جمیع بدن خود و بشنود مسموعات را و بہ بیند مبصرات را از بعید و علیٰ ہذا القیاس باقی صفات وے سوائے ایں۔ و ہمیں فنائے صفات بندہ است بصفاتِ حق تعالیٰ و ایں ثمرہ نوافل است۔

(ضیاء القلوب مع ترجمہ ص)

لیکن قربِ نوافل یہ ہے کہ سالک کی بشری صفات اس سے زائل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات اس پر ظاہر اور غالب آئیں چنانچہ مُردوں کو زندہ کرنے لگے اور زندہ لوگوں کو مارنے لگے اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور سُنے دیکھے تمام بدن کے ساتھ مسموعات کو سُنے اور مبصرات کو دیکھے دُور سے اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے اس کی دیگر صفات بھی اور یہی ہے بندے کی صفات کا فنا ہونا اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ۔

واما قرب فرائض پس آں عبارت است از فنائے عبد بالکلیہ از شعور جمیع موجودات حتیٰ کہ از نفس خود نیز فانی شود بحیثیتے کہ باقی نماندہ باشد در نظر سالک مگر وجود حق تعالیٰ و ایں معنیٰ فنائے بندہ است در ذات او تعالیٰ و ایں ثمرۂ قرب فرائض است۔

لیکن فرائض والا قرب یہ کہ بندہ کلی طور پر تمام موجودات کے شعور سے حتیٰ کہ اپنے نفس سے بھی فانی ہو جاتے اس حیثیت سے کہ سالک کی نظر میں باقی نہ رہے مگر وجود حق جل وعلیٰ اور یہ ہے معنیٰ بندہ کے فانی ہونے کا اللہ تعالیٰ کی ذات میں اور یہ قُربِ فرائض کا ثمرہ و نتیجہ ہے۔

۱۱۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی صاحب اپنے پیر و مُرشد سید احمد بریلوی کے ملفوظات اور ارشادات پر مشتمل کتاب صراطِ مستقیم میں مقام فنا و بقا کے بیان میں لکھتے ہیں:

دُوسرا افادہ : پھر جب توفیق کا راہبر اس مشاہدہ کی خوشی کے سرست کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچتا ہے تو فنا اور بقا کا مقام پوشیدگی کے پردہ سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ جس طرح لوہے کے ٹکڑے کو

آگ میں ڈال دیتے ہیں اور آگ کے شعلے ہر طرف سے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں بلکہ آگ کے اجزاءِ لطیفہ اس لوہے کے ٹکڑے کے نفسِ جوہر میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس کی شکل اور رنگ کو اپنے جیسا بنا لیتے ہیں اور گرمی اور جلانا جو آگ کی خاصیتوں میں سے ہے اس لوہے کے ٹکڑے کو بخشش دیتے ہیں۔ اس وقت ضرور وُہ لوہے کا ٹکڑا آگ کے انگاروں میں شمار ہو جاتا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ وُہ لوہا اپنی حقیقت کو چھوڑ کر خالص آگ کی حقیقت سے بدل گیا ہے بلکہ یہ امر تو صراحتہً باطل ہے بلکہ یہ لوہے کا ٹکڑا فی الحقیقت لوہا ہی ہے مگر شعلہائے ناریہ کے لشکروں کے ہجوم کی وجہ سے اس کا لوہا پن اپنے آثار و احکام سمیت بھاگ گیا اور جو آثار و احکام آگ پر مترتب ہوتے تھے وہی آثار و احکام سارے کے سارے بے کم و کاست اس لوہے کے ٹکڑے پر مترتب ہو سکتے ہیں اور یوں نہیں بلکہ وُہ آثار و احکام اب بھی آگ ہی پر مترتب ہیں جس نے اس لوہے کے ٹکڑے کا احاطہ کیا ہوا ہے لیکن چونکہ آگ نے اس لوہے کے ٹکڑے کو اپنی سواری بنا کر اپنی سلطنت کا تختہ قرار دے رکھا ہے اس لیے وُہ آثار و احکام لوہے کے ٹکڑے کی طرف نسبت کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِیْ[1]

حضرت خضر نے فرمایا میں نے اس کام کو اپنے اختیار اور ارادہ سے نہیں کیا۔ میں اس کیفیت کا بیان ہے۔ اور آیت کریمہ:

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا[2] (سورہ کہف)

سو تیرے رب نے ارادہ کیا (کہ وُہ دونو یتیم بچے اپنی قوت و طاقت اور جوانی کو پائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں) اسی کی طرف اشارہ ہے۔

[1] سورہ کہف

الغرض اگر اس حال میں لوہے کے ٹکڑے کو بولنے کی طاقت ہوتی تو سو زبان کے ساتھ اپنی اور آگ کی اہلیت اور یک جان ہونے کا شور اور غُل مچاتا اور ضرور ایک ساعت کے لیے اپنی حقیقت سے غافل ہو کر یہ کلمہ بول اُٹھتا کہ میں جلانے والی آگ کا انگارہ ہوں اور میں وہ چیز ہوں کہ باورچیوں اور لوہاروں اور سُناروں بلکہ تمام پیشہ وروں اور کاریگروں کے کاروبار میرے ساتھ وابستہ اور متعلق ہیں۔

اسی طرح جب اس طالب کامل کے نفسِ کامل کو رحمانی کشش اور جذب کی موجیں اواحدیت کے دریاؤں کی گہری تہ میں کھینچ لے جاتی ہیں تو

انا الحق " اور لیس فی جنبی سوی اللہ ۔

میں خدا ہوں اور میرے ہر دو پہلوؤں میں بجز اللہ کے کچھ نہیں۔

کا آوازہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی :

کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها ۔

میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

اور ایک روایت کی رو سے :

ولسانه الذی یتکلم به ۔

اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے۔

اور حدیث :

اذ قال اللہ علیٰ لسان نبیہ سمع اللہ لمن حمدہ

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کہا اللہ تعالیٰ نے اس کی بات کو سُن لیا جس نے اس کی تعریف اور حمد کی۔

اور حدیث :

یقضی اللہ علیٰ لسان نبیہ ماشاء ۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو حکم چاہے دیتا ہے اسی سے کنایہ ہے۔

اور یہ نہایت باریک بات اور نہایت نازک مسئلہ ہے چاہیے کہ تو اس میں خوب تامل اور غور کرے اور اس کی تفصیل کو دوسرے مقام پر چھوڑے

وراء ذٰلک فلا اقول لانہ سر، لسان النطق عنہ اخرس ۔

اس کے بعد میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ ایسا بھید ہے جس سے بولنے والی زبان گونگی ہے۔

اور زنہار خبردار اس معاملہ پر تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادیٔ مقدس کی آگ سے ندا آئے :

اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ (سورۃ القصص آیت ۳۰) ۔

بیشک میں خدا ہوں تمام جہان کا پروردگار

صادر ہوئی پھر اشرف الموجودات سے جو حضرت ذات سبحانہ کا نمونہ ہے، اگر انا الحق کی آواز صادر ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں۔

اور اس مقام کے لوازم میں سے ہے عجیب عجیب خوارق کا صادر ہونا اور قوی تاثیروں کا ظاہر ہونا اور دعاؤں کا مستجاب اور قبول ہونا اور آفتوں اور بلاؤں کا دور کر دینا اور اس معنیٰ کی تصریح اس حدیث قدسی میں موجود ہے

لئن سألنی لاعطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه۔

اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اسے دونگا اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور اسے پناہ دوں گا۔

اور اس مقام کے لوازم میں سے ایک یہ ہے کہ اس صاحب حال کے دشمن اور بداندیش پر وبال اور مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے چنانچہ حدیث قدسی

من عادی لی ولیا فقد اٰذنته بالحرب۔

جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو میں اسے لڑائی کے لیے میدانِ کارزار میں للکارتا اور پکارتا ہوں۔

اس مضمون کا فائدہ دیتی ہے۔

علامہ سرفراز صاحب کی تاویل اور اس کا رد اسکے اکابر کی زبانی

علامہ سرفراز صاحب اور ہمچوں قسم علماء نے اس حدیث شریف اور اس کی شرح میں مذکور علمائے اعلام اور اکابرین اسلام کے اقوال دیکھ کر اور اپنے مزعوماتِ فاسدہ کا قلعہ مسمار ہوتے دیکھ کر یہ تاویل کر دی کہ اس حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کے بندہ کے کان آنکھ وغیرہ بننے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سراسر نور بن جاتے ہیں اور دور و نزدیک سے سنتے اور دیکھتے

ہیں اور تصرف کر سکتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ تو ان کے اس قول کا رد علامہ انور شاہ صاحب کی زبانی پیش کیا جاتا ہے لیکن حق کا دلوں میں القاء کیا جانا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی ممکن ہے ہمارے بس میں نہیں ہے۔ ؎

گلیم بخت کسے کہ بافند سیاہ
بآب کوثر و تسنیم سفید نتواں کرد

۱۔ اما علماء الشریعۃ فقالوا معناہ إن جوارح العبد تصیر تابعۃ للمرضاۃ الالٰہیۃ حتّٰی لا تتحرک الا بما یرضٰی بہ ربہ فاذا کانت غایۃ سمعہ و بصرہ وجوارحہ کلھا ھو اللہ سُبحٰنہ فھی حینئذ صح ان یقال انہ لا یسمع الا لہ ولا یتکلم الا لہ وکان اللہ سُبحٰنہ صار سمعہ وبصرہ۔

قلت وھٰذا عدول عن حق الالفاظ لان قولہ کنت سمعہ بصیغۃ المتکلّم یدل علٰی انہ لم یبق من المتقرب بالنوافل الا جسدہ وشبحہ وصار المتصرف فیہ الحضرۃ الالٰہیہ فحسب۔

(ص ۴۲۸ ج ۴)

لیکن علماءِ شریعت نے کہا ہے کہ اس حدیث شریف کا معنیٰ یہ ہے کہ بندے کے جوارح اور اعضاء اللہ تعالیٰ کی رضا مندیوں کے تابع ہو جاتے

ہیں حتیٰ کہ وہ حرکت نہیں کرتے مگر اسی امر کے ساتھ جس سے اس کا رب تبارک و تعالیٰ راضی ہو پس جب اس کے کان، آنکھ اور تمام اعضاء کی غایت اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہو تو اس وقت ان کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ نہیں سنتا مگر اللہ کے لیے اور نہیں کلام کرتا مگر اللہ تعالیٰ کیلئے اور گویا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے کان، آنکھ ہوگیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس معنیٰ میں حق الفاظ سے عدول ہے اور انکا تقاضا پورا نہیں ہوتا کیونکہ کنت سمعہ متکلم کے صیغہ کے ساتھ اس امر پر دال ہے کہ نوافل کے ذریعے قرب حاصل کرنے والے کا صرف جسم اور ظاہری ڈھانچہ باقی رہ گیا اور اس میں مدبر و متصرف اور کارساز و کارآفرین صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ ہے۔

۲- اقول = نیز ان مقربین کے اعضاء و جوارح کے نورانی بن جانے اور اللہ تعالیٰ کے سمع و بصر اور قدرت و دیگر صفاتِ کمالیہ کا مظہر بن جانے اور رضائے حق اور مرضیاتِ خداوند تعالیٰ میں ہی استعمال ہونے میں منافات بھی نہیں ہے تاکہ ایک معنیٰ کا اثبات دوسرے کی نفی کو مستلزم ہو کیوں کہ جب تک نفس کی ظلمت و کدورت غالب رہے گی تو برائیوں کی طرف رغبت و میلان بھی رہے گا اور جوں جوں مجاہدات و ریاضات بڑھتے جائیں گے، اور نفسانی ظلمات و کدورت دور ہوتی جائیں گی، نفس کو نیکی اور بھلائی والے کاموں میں اطمینان و سکون محسوس ہوگا اور برائی کی طرف جذب و کشش ختم ہوتی چلی جائے گی اور جب حواس و اعضاء اور قلب و روح مکمل طور پر نورانی ہو جائیں گے تو نفس کی مزاحمت و ممانعت بھی مکمل طور پر ختم ہو جائے گی اور تقویٰ و پرہیزگاری اور احکامِ شرع کی پابندی طبیعت ثانیہ اور طبعی

تقاضا بن جائے گی اور طبیعت پر جبر و اکراہ کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ لہٰذا ان دونوں معانی میں کوئی منافات اور تضاد نہیں کہ ایک کا اثبات دوسرے کی نفی کو مستلزم ہو۔

۳۔ علاوہ ازیں جب تک بندہ اپنے آپ کو شریعت مطہرہ کا پابند نہ بنائے اور فرائض و واجبات بلکہ مستحبات تک کا التزام نہ کرے اور محرمات و مکروہات تحریمیہ بلکہ مکروہات تنزیہیہ سے اجتناب پر ثابت قدم نہ ہو تو محبوبیت کے درجہ پر فائز ہو ہی نہیں سکتا تو جو امر محبوبیت کے درجہ پر فائز ہونے کا سبب، موجب اور موقوف علیہ اور وارد مدار ہے اسکو مقامِ محبوبیت کا ثمرہ اور نتیجہ قرار دینا کس طرح موزوں اور مناسب ہو سکتا ہے۔

ورنہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں، فاجروں، زانیوں شرابیوں وغیرہ کو دوست بناتا ہے' العیاذ باللہ۔ اور دوست بنانے کے بعد ان کے اعضا اور جوارح کو اور حواس و مشاعر کو برائیوں سے محفوظ فرماتا ہے جب کہ کوئی عقلمند انسان یہ باور نہیں کر سکتا۔

یہ تاویل و توجیہ بقول علامہ انور شاہ صاحب جس طرح خلافِ منقول ہے اور کنت سمعہ الذی یسمع بہ کے صیغہ متکلم کے خلاف ہے اسی طرح خلافِ معقول بھی ہے۔ وارثِ کو عین مدار اور موقوف کو موقوف علیہ کا عین اور مسبب و معلول کو عین سبب اور عین علت قرار دینے کے مترادف ہے۔

۴۔ نیز ان مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کے خداداد مراتب و درجات کے انکار کے مترادف ہے اور جن علماءِ اعلام اور شریعت و طریقت کے جامعین نے

یہ معانی بیان کیے ان پر بھی رد و انکار اور تنقید و اعتراض ہے جو قطعاً ناقابلِ اعتداد و نالائق اعتبار ہے۔

کیا لوہے اور آگ کی تمثیل فریقِ مخالف کی طرف سے ہے

علامہ سرفراز صاحب نے اس حدیثِ قدسی پر طبع آزمائی کرتے ہوئے کہا:

فریقِ مخالف کا آخری حربہ ایک حدیثِ قدسی آتی ہے (تا) اس حدیث کو پیش کر کے فریقِ مخالف کہا کرتا ہے کہ جیسے آگ اور لوہا دو الگ الگ چیزیں ہیں لیکن جب لوہا آگ میں گرم ہو جاتا ہے تو اسی طرح کا اثر اس سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے جو آگ کا ہوتا ہے جس طرح آگ جلاتی ہے اسی طرح لوہا بھی جلاتا ہے تو یونہی سمجھو کہ جب بندہ کثرت سے عبادات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفات بندہ میں حلول کر جاتی ہیں تو جو کچھ بندہ کرتا ہے وہ حقیقتاً اس کا فعل نہیں ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔

(ص ۲۰۹، ص ۲۱۰ دل کا سرور)

مولوی شاہ اسمٰعیل دہلوی صاحب کی عبارت صراطِ مستقیم سے مفصل طور پر ذکر کی جا چکی ہے اس کو دوبارہ پڑھیں (نیز یہی تمثیل شمائم امدادیہ کے حوالے سے آخر میں مذکور کی) اور اس عبارت کو بھی بار بار پڑھیں کہ فریقِ مخالف کہا کرتا ہے اور اندازہ لگائیں کہ علامہ صاحب جھوٹ بولنے میں کس قدر سابقین اولین میں شمار ہوتے ہیں اور اس معاملہ میں اللہ سے شرم و حیا تو نہیں کرنی تھی اور نہ ہی کی کم از کم دنیوی فضاحت و رسوائی سے بچنے کے لیے

مخلوقِ خدا سے ہی حیاء و شرم کا مظاہرہ کر لیتے۔ کس قدر افسوسناک اور حیرت انگیز اور تعجب خیز بات ہے کہ اپنے اکابر کا بیان کیا ہوا معنیٰ اور ان کی ذکر کی ہوئی تمثیل و نظیر کو فریقِ مخالف کے ذمے لگا دیا اور اس پر مترتب فوائد و ثمرات اور متفرع مراتب و کمالات کو بھی فریقِ مخالف کی اختراع قرار دیدیا حالانکہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور سید احمد بریلوی صاحب اور شاہ اسمٰعیل صاحب دہلوی سنے یہ تقریبات اور ثمرات و نتائج بیان فرمائے ہیں جو علماءِ دیوبند کے مسلم پیشوا ہیں اور دیگر مسلم اکابرین نے جو کہ علماءِ دیوبند اور علماءِ بریلی کے متفق علیہ مقتدا و پیشوا ہیں۔ ہمیں اب تک یہ معلوم نہ تھا کہ تعصب انسان کو اتنا اندھا بھی کر دیتا ہے جتنا کہ اس نے علامہ سرفراز صاحب کو اندھا کر دکھایا ہے۔

بہرحال قارئینِ کرام ضیاء القلوب اور صراطِ مستقیم سے منقولہ عبارات کو غور سے پڑھیں اور اس حدیث قدسی کا صحیح معنیٰ و مفہوم سمجھنے کی کوشش فرمادیں۔

کیا اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بندۂ محبوب میں حلول تسلیم کرنا لازم آتا ہے؟

علامہ سرفراز صاحب نے فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کے عقیدہ کو اور قربِ نوافل و فرائض کے ثمرات و اثرات کو حلول سے تعبیر کر کے اور عیسائیوں کے ساتھ اس نظریہ میں شرکت ثابت کر کے شرک اور کفر کا فتویٰ

صادر فرما دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے کہا:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو پہلے کافر فرمایا ہے اور بعد میں ان کا عقیدہ بیان کیا ہے کیونکہ انہوں نے یہی کہا تھا کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) فنا فی اللہ ہو گئے ہیں۔ ان میں اور اللہ تعالیٰ میں اتحاد پیدا ہو گیا ہے۔ اب جو چیز حضرت مسیح کرتے ہیں وہ گویا خدا ہی کرتا ہے۔ اسی وجہ سے عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کہتے تھے اور اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے عبدیت سے نکال کر عیسائیوں کی طرح اوپر نہ لے جانا میں تو خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ مگر ان نام کے محبوں نے سنن من کان قبلکم کی اتباع کرتے ہوئے عیسائیوں کو بھی چند قدم پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

علامہ سید شریف جرجانی نے لکھا ہے کہ کفریہ عقیدوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں میں حلول کر جاتا ہے۔

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں جس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو فلاں سے ہے اور معین شخص کی طرف اشارہ کیا یا یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اجسام میں سے کسی کے جسم میں حلول کرتا ہے اور اس کا روپ بدلتا ہے (تا) تو ایسے شخص کی تکفیر میں آج تک دو آدمیوں میں بھی اختلاف نہیں ہوا ہے۔ (ص ۲۱۰-۲۱۱)

اکیلے سرفراز صاحب فتویٰ لگائیں

علامہ سرفراز صاحب نے حدیث قدسی کے اس معنیٰ و مفہوم کو باری تعالیٰ

کی ذات وصفات کے بندہ کی ذات وصفات میں حلول کرنے سے تعبیر کیا اور اس کو عیسائیوں کے عقیدہ و نظریہ سے ملا کر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اس نظریہ کے کفر ہونے میں آج تک دو آدمی بھی باہم مختلف نہیں ہوتے۔ حوالہ جات تو معروض ہو چکے ہم کسی دوسرے دیوبندی عالم کا بھی ساتھ شامل کرنا لازم نہیں ٹھہراتے صرف سرفراز صاحب ہی ان سب حضرات کو کافر کہہ دیں جن کی عبارات ذکر کی جا چکی ہیں اور اگر سرفراز صاحب کو اور انکے آباؤ اجداد کو اور معنوی ذریت کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ ایسے اکابرین ملت پر حلول واتحاد کا نظریہ اپنانے کا الزام و اتہام عائد کریں اور کفر و شرک کا فتویٰ صادر کریں تو پھر ماننا پڑے گا کہ حلول و اتحاد والا فاسد و باطل عقیدہ اپنائے بغیر محبوبانِ خداوند تعالیٰ اور اس کے مقبولانِ بارگاہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص قسم کا تعلق ہوتا ہے جس سے ان کی ذوات اور صفات نورانی بن جاتی ہیں، اور عام انسانوں بلکہ عام مومنوں کی ذاتوں اور صفتوں سے وہ ممتاز اور منفرد ہو جاتی ہیں جیسے کہ سورج کا تعلق زمین کے ساتھ ہرگز ہرگز حلول و اتحاد والا نہیں بلکہ صرف تقابل والا ہے لیکن زمین کی آبادی اور اس پر تمام تر رونق و بہار اور چہل پہل اور زندگی و پائندگی اسی کی بدولت ہے۔ نیز لوہے اور آگ والی تمثیل میں بھی لوہے اور آگ میں حلول و اتحاد والا تعلق نہیں بلکہ اتصال و قرب والا تعلق ہے۔ نیز موت کے بعد روح کا بدن کے ساتھ تعلقِ حلولی ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اہلِ قبور میں علم و ادراک اور احساس و شعور اور لذتِ تنعیم یا المِ عذاب اور زائرین کا علم و ادراک اور ان کے سلام و کلام

کا سماع اور انہیں جواب دینے کی قدرت و صلاحیت وغیرہ بدن کے ساتھ رُوح کے تعلق اور اتصال کی بدولت ہی ممکن ہوتا ہے جس سے ثابت ہوگیا کہ خاص حلولی تعلق کی نفی سے مطلق تعلق کی نفی لازم نہیں آتی۔

لہٰذا فرائض اور نوافل کے ذریعے بھی بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حلول و اتحاد والا تعلق قائم ہونا لازم نہیں آتا بلکہ ان مقبولانِ بارگاہِ اقدس کو قربِ خاص اور بے کیف وصل حاصل ہوتا ہے جس کی بدولت اللہ تعالےٰ کے انوار و تجلّیات کے عکس و پرتو سے منوّر و مستنیر ہو جاتے ہیں۔ کما قیل :؎

اتصالے بے تکیف و بے قیاس
ہست ربّ النّاس را با جان ناس

اگر کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ کے نُورِ اقدس کا ظہور ہو سکتا ہے اور وُہ اس سے منوّر و مستنیر ہو سکتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام اس تجلّی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اگرچہ پُرسکون انداز سے نہ سہی اور ان کی نگاہیں اس تجلّی کے مشاہدہ کے بعد تیس تیس میل تک اندھیری رات میں پہاڑ کی چوٹی پر چلتی ہوئی چیونٹی کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔

جیسے قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے شفاء میں نقل فرمایا :

عن ابی هریرة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال لما تجلی اللّٰه لموسیٰ علیهِ الصلوٰة والسلام کان یبصر النملة علی الصفا فی اللیلة الظلماء مسیرة عشرة فراسخ

(شفاء مع نسیم الریاض ص ۳۸۱ جلد اوّل)
(ہذا الحدیث رواہ الطبرانی فی [illegible] ص ۳۸۱)

تو دُوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھی اپنی استعداد و استطاعت کے مطابق ان انوار و تجلیات کے مشاہدہ سے مشرف اور بہرہ ور کیا جا سکتا ہے اور بالخصوص اس ذاتِ اقدس کو جنہوں نے لامکان میں دیدار ذات کا شرف حاصل کیا اور اس امتیازی شان کے ساتھ مخصوص اور مختص ٹھہرائے گئے۔

ارشادِ خداوند تعالیٰ ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ط (سُورہ بقرہ آیت)

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ○ (سُورہ ق آیت ۱۶)

اور فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اقرب ما یکون العبد من ربہ اذا یکون ساجداً

اور حدیثِ قدسی میں ہے:

انا معہ حین یذکرنی۔ نیز:

انا جلیس من ذکرنی وغیر ذٰلک۔

لہٰذا مقبولانِ بارگاہ کو خصوصی اتصال اور قربت و نزدیکی حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی بدولت مظہر انوارِ الٰہیہ اور آئینۂ کمالاتِ سرمدیہ بن جاتے ہیں اگر چودھویں کے چاند میں سُورج کا حلول تسلیم کیے بغیر اس کو سُورج کے لیے مظہرِ اتم اور آئینۂ انوارِ شمسیہ کہہ سکتے ہیں تو ان کاملین و اکملین خلائق کو بھی مظاہر انوارِ صمدانیہ اور آئینۂ تجلیاتِ الٰہیہ کہہ سکتے ہیں۔ نیز فنا فی اللہ اور

متعلق ہوجاتا ہے اور اس مقام میں (حدیث قدسی میں بیان کیا ہوا) یہ مرتبہ متحقق ہوتا ہے کہ بندہ محبوب میرے ساتھ ہی سُنتا ہے اور اور میرے ساتھ ہی دیکھتا ہے اور میرے ساتھ ہی پکڑتا ہے اور میرے ذریعے ہی چلتا ہے اور میرے ذریعے ہی علم و ادراک حاصل کرتا ہے کیونکہ فانی ذات اور فانی صفات اس مقام میں دائمی اور باقی وجود کے لباس میں تبدیل ہوکر خفار اور پوشیدگی کی قبر سے ظہور کے میدانِ حشر کی طرف خروج کرتی ہیں۔

دُوسرے مقام پر ثمرات ذکر بیان کرتے ہُوئے فرمایا:

فیتحلل اعضاء البدن بتاثیر الذکر وتتاثر النفس بنار الذکر ونوره وكما قلنا ان ناره تخلی ونوره تحلی تتبدل ظلمات النفس بالانوار و تزول عنها الاخلاق المذمومة و يتحلّٰى بالاخلاق المحمودة فيتخلص القلب من ظلمات النفس ويزداد القلب نوراً على نور فيستعد لفيضان انوار صفات الرب تعالٰى و على قدر الملازمة تظهر النتيجة ۔ (مثلا)

ذکر کی تاثیر سے اعضاء بدن پگھلتے ہیں اور نفس ذکر کی آگ اور نُور سے متاثر ہوتا ہے اور جیسے کہ ہم نے کہا کہ ذکر کی آگ بمنزلہ تخلیہ اور تصقیل کے ہے اور اس کا نُور بمنزلہ تحلیہ اور تزئین و آرائش کے ہے نفس کی ظلمات انوار میں بدل جاتی ہیں اور اخلاقِ مذمومہ زائل ہوجاتے ہیں اور اخلاقِ حمیدہ کے ساتھ آراستہ ہوجاتا ہے پس دل ظلمات نفس سے خلاصی پاتا ہے اور دِل

بقاء باللہ اولیاء کرام اور علماء اعلام کے ہاں مسلم امر ہے۔ حاجی امداد اللہ صاحب اور دیگر اکابر کا کلام اس کی دلیل ناطق ہے اور اس پر شاہد صادق ہے۔ بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز نے "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں اکابرین سلاسل کے حوالے سے اس کو متعدد جگہ ذکر فرمایا ہے اور مستقل عنوان سے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

سئلوا الخواجہ نقشبند قدس سرہٗ الفناء علیٰ کم وجہ فقال علیٰ وجہین (الیٰ) و فی ھٰذا المقام یتحقق السیر فی اللہ فان العبد بعد الفناء المطلق الذی ھو فناء الذات وفناء الصفات یخلع علیہ الوجود الحقانی حتّٰی یتشرف بذلک الوجود بالاوصاف الالٰھیۃ ویتخلق بالاخلاق الربانیۃ وفی ھٰذا المقام یتحقق مرتبۃ بی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی یمشی وبی یعقل، فان الذات والصفات الفانیۃ فی ھٰذا المقام تتبدل بکسوۃ الوجود الباقی خارجۃ من قبر الخفاء الی محشر الظھور الخ (فصل فی الفناء والبقاء، مترجم ص ۵۲-۵۳)

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے لوگوں نے سوال کیا کہ فنا کی کتنی انواع واقسام ہیں تو انہوں نے فرمایا دو قسم ہے (تا) اور اس مقام (مقام فناء) میں سیر فی اللہ متحقق ہوتی ہے کیونکہ فناء مطلق یعنی فناء ذات اور فناء صفات کے بعد بندہ کو وجود حقانی کی خلعت پہنائی جاتی ہے حتّٰی کہ اس وجود حقانی کی بدولت اوصاف الٰہیہ کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے اور اخلاق ربانیہ کیساتھ

انوار و تجلیات میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے تب وہ صفاتِ ربانیہ کے انوار کے فیضان کے قابل اور لائق ہو جاتا ہے اور ذکر کو جس قدر لازم پکڑے گا، اسی کے مطابق نتیجہ و ثمرہ کا ظہور ہوگا۔

واذا ارتفعت الجسمية وتلاشت الجهات يلاحظ قرب الصفات ولا يحتاج الى التكلفات فعوالم الارواح منزهة عن الجهات فيدرك قربه تعالٰى بالمعنى والصفة ثم يترقى الٰى ما فوق ذٰلك۔

(صفحہ ۱۱۱)

پھر جب جسمیت و مادیت ختم ہو جائے اور جہات (کی تقیید بھی) ختم ہو جائے تو صاحبِ ذکر قربِ صفات کو ملاحظہ کرے گا اور تکلفات کی طرف محتاج نہیں ہوگا کیونکہ ارواح کا عالم جہات سے منزہ ہے تو اسوقت اللہ تعالٰی کے قرب کو پالے گا معنیٰ و صفت کے ساتھ پھر اس سے مافوق کی طرف ترقی کرے گا۔

نیز حضرت شیخ ابراہیم کردی کے حوالے سے ذکر فرمایا کہ فرائض کی ادائیگی کے بعد تقربِ خداوندی کا راستہ طلب کرے پسندیدہ اقوال اور افعال کا التزام کرکے خالص عبودیت کے ساتھ جس کا ثمرہ و نتیجہ محبتِ الٰہیہ ہے اور اس محبتِ الٰہیہ کا ثمرہ و نتیجہ وہ ہے جو حدیثِ قدسی میں بیان کیا گیا ہے۔

ينبغى لطالب الحق سبحٰنه ان يسئال بعد اداء ما افترض عليه طريق التقرب بالتزام ما يطيقه

من مندوبات الاقوال والافعال بخالص العبودية فانها تنتج المحبة الالٰهية المنجبة لما قال صلی اللہ علیہ وسلم فیما یرویہ عن ربہ تبارک وتعالیٰ ما تقرب الی عبدی الحدیث ص۳۰ ۔

اور پہلے ان اقوال کا ذکر بھی ہو چکا ہے آخر میں خاتم المفسرین کی زبانی بھی اس کا اقرار و اعتراف ملاحظہ فرمالیں اور قرآنِ مجید سے اس کا اثبات معلوم کرلیں :

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ قولِ باری و تبتل الیہ تبتیلا کی تفسیر میں طریقۂ تبتیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

تاریک مکان میں بیٹھ جائے اور اپنے سر کو ڈھانپ لے، آنکھوں کو بند کرلے اور زبان کو ذکرِ خداوندی کے علاوہ ساکت رکھے (تا) اور فرائض و سنن راتبہ اور ذکر دائم کے ساتھ مشغول ہوجائے قبلہ رو رہے اور طہارتِ کاملہ پر ہو اور دل و جان سے حاضرِ بارگاہ ہو ابتداء میں زبان کے ساتھ ذکر کرے (تا) حتیٰ کہ ذکر اس کے احوال میں سے ایک حال بن جائے :

دریں وقت محبت قریبہ حادث شود و مذکور را اصلا فراموش کردن نتواند باز غیبت از جمیع اشیاء ظاہراً و باطناً رو آرد تا آنکہ از نفس و صفات نفسِ خود نیز غائب گردد و ایں مرتبہ را قرب نامند۔ باز نوبت بآں رسد کہ از ذکر نیز غیبت رو دہد و محض شہود مذکور باقی ماند و ایں سرحد فنا است بعد ازاں اتصالے بے تکیف و بے قیاس با محبوبِ خود حاصل شود و بقا ہمیں است و دریں مرتبہ

اورا شاہ و ولی و واصل خطاب تواں داد و سابق ازاں طالب مُرید و شوقین وجویا تواں گفت ۔ (ص۱۸۹ ج ۲۹)

اس وقت بہت قوی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور ذاکر اپنے مذکور (محبوب) کو فراموش نہیں کر سکتا ۔ پھر تمام اشیاء سے ظاہری اور باطنی طور پر غیبت متحقق ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اپنے نفس اور اس کی صفات سے غائب ہو جاتا ہے اور اس مرتبہ کو قرب کا نام دیتے ہیں پھر نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ ذکر سے بھی غیبت حاصل ہو جاتی ہے اور صرف مذکور (محبوب) کا شہود ونظارہ باقی رہ جاتا ہے اور یہ سرحد فنا ہے ۔ اس کے بعد بے کیف اور بے قیاس اتصال محبوب کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اور یہی بقا ہے اور اس مقام میں ذاکر ومتبتل کو شاہ ، ولی اور واصل کا خطاب اور لقب دیا جا سکتا ہے اور پہلے مرتبے میں طالب و مُرید اور شوقین و جویا کہا جا سکتا ہے ۔

لہٰذا واضح ہو گیا کہ حلول واتحاد کا فاسد و باطل عقیدہ علیحدہ امر ہے اور قُرب و وصل اور فناء فی اللہ و بقاء باللہ علیحدہ امر ہے اور اگر علامہ صاحب کے نزدیک قُرب و وصل اور فناء و بقا حلول واتحاد کے مترادف ہیں تو پھر تمام اولیاء کرام اور علماءِ اعلام کو ان عیسائیوں کی طرح کافر اور مشرک کہنا پڑے گا جو کہ فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کے قائل تھے اور علامہ صاحب کے لیے یہ سودا بہت مہنگا پڑے گا لہٰذا ان کا اپنے مزعوم فاسد اور باطل گمان کے تحفظ کے لیے حدیثِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں معنوی تحریف کر ڈالنا اور اکابرینِ اُمت کو عیسائی بنا ڈالنا ظلم عظیم ہے اور کسی عام مسلمان کے لیے بھی

ایسا قول روا نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ بزعمِ خویش بےنظیر محدث کو معتبر کو۔ اور اس حدیث قدسی سے علماء اہل السنت کے استدلال و استناد کا برحق ہونا بالکل واضح ہو گیا۔ اور علامہ سرفراز صاحب کا جواب سے عجز اور بےبسی بھی واضح ہو گئی

نوٹ: فناء و بقاء اور قولِ صوفیہ انا الحق اور سُبحانی ما اعظم شانی اور مافی جبتی الا اللہ کے متعلق حضرت علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ نے فتاوے حدیثیہ ص۲۵۷ پر اپنی طرف سے اور ص۲۸۷ پر علامہ التفتازانی کی زبانی عمدہ تحقیق نقل فرمائی ہے اور اتحاد و حلول سے الگ تعلق اللہ اور بندۂ عارف کے درمیان ثابت فرمایا ہے اور اسی شہود الحق اور فناء و بقاء کو حدیثِ قدسی کا محل اور مصداق قرار دیا ہے لہٰذا اصل کتاب سے اس مبحث کا مطالعہ ضرور فرمادیں۔

کیا معجزاتِ انبیاء علیہم السلام اور کراماتِ اولیاء غیر اختیاری ہوتے ہیں!

اس حدیثِ قدسی اور اس کی تشریح و توضیح میں مذکور و منقول اکابر علماءِ اعلام کے اقوال اور مخالفین کے مسلّمہ مقتداؤں اور پیشواؤں کی تصریحات سے یہ حقیقت نمایاں ہو گئی کہ مجاہدات و ریاضات، فرائض کی پابندی اور نوافل کی کثرت سے مومن اپنی جسمانی کثافت اور نفسانی ظلمت سے خلاصی اور نجات حاصل کر لیتا ہے اور اس کی روحانیت پوری طرح نکھر جاتی ہے اور وہ پیکرِ نور بن جاتا ہے اور یہی امر معجزہ اور کرامت کا دار و مدار اور موقوف علیہ ہوتا ہے فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ نبی و رسول علیہ السلام کی ذاتِ اقدس میں تجرد و لطافت کا وجود و تحقق پہلے ہوتا ہے اور ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ ان کی مناسبت

اور موافقت پہلے پائی جاتی ہے تب اس اعزاز و امتیاز اور منصب و مرتبہ کے مالک بنائے جاتے ہیں جیسے کہ اس کتاب کے مقدمہ میں اور کوثر الخیرات اور تنویر الابصار میں مدلل اور مبرہن انداز میں اس امر کو بیان کیا جا چکا ہے اور انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا باعتبار اپنے حقائق اور بواطن کے اپنی اُمتوں سے مختلف اور ممتاز ہونا واضح کر دیا گیا ہے لیکن اولیاء کرام میں یہ تجرد اور لطافت و نورانیت اپنے نبی کی غلامی اور کامل اتباع و اطاعت کے طفیل و توسل سے پائی جاتی ہے اور اس تجرد و لطافت اور نورانیتِ قلب اور شفافیتِ رُوح پر ہی معجزہ اور کرامت کا دار و مدار ہوتا ہے۔

نیز افعالِ عباد کے اختیاری ہونے کی بحث میں بھی اس امر پر تنبیہ کر دی گئی ہے کہ عام مکلفین کے لیے جس طرح قدرت و قوت اور ارادہ و مشیت کا وجود و تحقق ضروری ہے اور قدرتِ عباد اور ان کا ارادہ افعال کے وجود و تحقق کے لیے سبب ہے اسی طرح ان خواص اور اخص الخواص کے افعال و اعمال میں ان کی خداداد قدرت و طاقت اور ان کا ارادہ اور مشیت فی الجملہ مؤثر ہے فرق صرف دائرہ کار کے محدود و مخصوص ہونے اور عام و غیر مخصوص ہونے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ عامہ خلائق کا اختیار و تصرف افعالِ عادیہ تک محدود ہوتا ہے اور ان مقبولانِ بارگاہ کا تصرف و اقتدار افعالِ غیر عادیہ کو بھی شامل اور محیط ہوتا ہے۔ چنانچہ معجزہ کی تعریف سے ہی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

دلیل یازدہم

معجزہ کی تعریف ہی اس کے اختیاری ہونے کی دلیل ہے۔

المعجزة هی امر يظهر بخلاف العادة علیٰ ید مدعی النبوة عند تحدی المنکرین - (شرح عقائد نسفی)

یعنی معجزہ وہ امر ہے جو خلافِ معمول اور عادتِ جاریہ کے خلاف ظاہر ہو مدعیِ نبوت علیہ السلام کے ہاتھ پر منکرین کے معارضہ اور مقابلہ کے وقت

علیٰ وجه یعجز المنکرین عن الاتیان بمثله -

ایسے طریقہ پر کہ منکرین کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دے۔

وجہ دلالت یہ ہے کہ منکرین کو چیلنج نبی و رسُول کی طرف سے دیا جائے یا منکرین کی طرف سے نبی و رسُول کو چیلنج دیا اور مقابلہ و معارضہ کی دعوت دی جائے تو یہ ناممکن ہے کہ اس نبی و رسُول کا اس امرِ خارق کے ظہور میں کوئی دخل نہ ہو نہ خلق و ایجاد کے لحاظ سے اور نہ کسب و سببیت کے لحاظ سے بلکہ نبی و رسُول علیہ السلام کے ارادے اور مشیّت اور قدرت و قوت کے تعلق کے بغیر یہ امرِ خارق متحقق ہو جائے جیسے کہ رعشہ والے آدمی سے غیر ارادی اور غیر اختیاری حرکات سرزد ہوتی ہیں دیکھیے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون جادوگروں کے ذریعے مقابلہ و معارضہ کا اعلان کرتا ہے اور دونو فریق باہم رضامندی سے جگہ کا اور وقت کا تعیّن کرتے ہیں اور جب جادوگر رسّے اور چھڑیاں لے کر میدان میں پہنچ جاتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان کے سامنے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے اور اپنی حقانیت و صداقت ثابت کرنے کے لیے آکھڑے ہوتے ہیں اور جب جادوگر ان سے دریافت کرتے ہیں کہ پہل تم کرو گے یا ہم کریں۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝

(سورہ اعراف آیت ۱۱۵)

تو حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرمایا:

القوا .... تم (پہلے) پھینکو۔

اور سورۂ شعراء میں اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا گیا:

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۝ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝

(سورہ شعراء آیت ۳۸ تا ۴۳)

پس جادوگروں کو جمع کیا گیا مقرر دن میں اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہونے والے ہو۔ ہو سکتا ہے ہم جادوگروں کی اتباع کریں اگر وہ غالب ہو جائیں تو پس جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ کیا ہمارے لیے اجر ہے اگر ہم غالب آ جائیں، اس نے کہا ہاں اور (مزید براں) بیشک تم میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے تو موسٰی علیہ السلام نے ان سے فرمایا پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو۔

الحاصل باہم مقابلہ کے لیے جادوگر اپنے ارادے اور مشیت سے اور ساحرانہ قوت و طاقت سے اپنے رسّوں اور چھڑیوں کو سانپوں کی صورت

میں چلتا پھرتا دکھانے لگے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کمالِ بے نیازی سے انہیں کہہ دیا پہل تمہاری ہے اور جو چاہو میدان میں پھینکو اور بعد ازاں آپ نے اپنا عصا پھینکا جو کہ سب رسیوں چھڑیوں کو نگل گیا اور میدان آپ کے ہاتھ میں رہا اور حق کا بول بالا ہوا۔ جادوگر اپنے فریب کو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق اور حقانیت کو معلوم کر چکے تو بے اختیار اللہ رب العزت کی عظمت کے آگے جبینِ نیاز زمینِ عجز و نیاز پر رکھی اور ایمان لانے کا اعلان کر دیا کیونکہ صاحبِ فن تھے سحر اور معجزہ میں فرق سمجھ سکتے تھے۔ لہٰذا اعترافِ حقیقت میں بُخل سے کام نہ لیا بلکہ برملا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی اتباع و اطاعت کا اعلان کر دیا۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ جادوگروں نے جو کچھ کیا اس میں ان کے قصد و ارادہ اور مشیت و اختیار کا دخل تھا اور وہ اسی بنا پر دریافت کر رہے تھے کہ پہل اور آغاز کون کرے تو کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام یونہی بندھے بندھائے بلا قصد و ارادہ میدان میں آگئے اور جادوگروں کو پہل کا اذن بھی آپ سے بلا قصد و ارادہ سرزد ہو گیا اور پھر آپ کے ہاتھ سے عصا بھی بلا ارادہ اور بلا قصد میدان میں گر گیا اور وہ سانپ بھی آپ کے ارادے اور مشیت کے بغیر ہی بن گیا۔

اور اگر ایسا نہیں اور بالکل نہیں تو یہ امر تسلیم کرنا لازم ٹھہرا کہ اس معجزہ کے ظہور میں آپ کے قصد و ارادہ اور رضا و مشیت کا دخل تھا اور خداداد قدرت و طاقت کا بھی۔ اگرچہ ساحر کے سحر پہ مترتب امر کا خالقِ حقیقی اللہ تعالیٰ

ہے اور نبی کے معجزہ کا حقیقی خالق اللہ تعالیٰ ہے مگر جس طرح ہمارے اعمال مخلوقِ باری تعالیٰ بھی ہیں اور ہمارے مقدور بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے بھی ہیں اور ہمارے کسب سے بھی سرزد ہونے والے ہیں۔ ایسے ہی معجزات بھی مخلوقِ خداوند تعالیٰ بھی ہیں اور مقدور انبیاء علیہم السلام بھی اسی طرح آپ کا پتھر پر عصا مار کر چشمے جاری کرنا اور یدِ بیضا کا معجزہ آپ کے ارادہ کے بغیر ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مٹی کے مجسمے بنانا اور پرندوں کی شکل و صورت پر ڈھالنا اور پھر روح اور جان پیدا کرنے کے لیے پھونک مارنا بھی آپ کے قصد و ارادے سے تھا اور برص، کوڑھ کو دُور کرنا اور مادر زاد اندھوں کو روشن آنکھیں عطا کرنا آپ کے قصد و ارادہ اور کسب و سببیت کے طور پر ہوتا تھا اور ہزاروں مریض روزانہ آپ کے ہاتھ پھیرنے سے شفایاب ہوتے تھے۔

سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا کفار کے مطالبے پر درخت جڑوں پر چلانا اور پتھر پانی پہ تیرانا اور چاند کو دو لخت کرنا صحابہ کرام علیہم الرضوان کو پانی پلانے اور وضو کرانے کے لیے بارہا انگلیوں سے چشمے جاری فرمانا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے کھلیان سے قرض خواہوں کے قرضے دُور کرنا اور حضرت اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کی لاغر و نزار بکری سے اس قدر دُودھ نکالنا کہ سارے ساتھی بھی سیر ہو گئے اور اس کے ہاں برتن بھر کر باقی بھی چھوڑا وغیر ذٰلک ایسے امور ہیں کہ کوئی بھی عقلمند انسان یہ باور نہیں کر سکتا کہ یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا اور سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے قصد و ارادہ اور خُداداد قُدرت و

[قدر]ت کا اس میں ذرہ بھر دخل نہیں تھا نہ سببیت کے طور پر اور نہ ایجاد و اختراع کے طور پر بلکہ رعشہ والے کی غیر ارادی اور غیر اختیاری حرکت کی طرح یہ امور آپ سے سرزد ہو گئے۔ العیاذ باللہ۔

عجیبہ ، جبریہ نے تمام انسانوں کو مُردہ بدست زندہ اور قلم بدست کاتب کی مانند مجبور و بے بس ثابت کیا اور معتزلہ نے سب کو مُوجد اور خالق مان لیا مگر علماءِ دیوبند نے انبیاء و رسل اور اولیاء و اقطاب کو معجزات و کرامات کے معاملہ میں جبریہ کی طرح مجبُور محض مانا اور دیگر افعال میں با اختیار گویا کچھ جبریت اور کچھ سُنّیت ملا کر نیا مذہب تیار کر لیا اور انبیاء و رسل کے تصرّف و اختیار کا بہرحال انکار کرنا ضروری سمجھا۔

حالانکہ خلق و ایجاد صرف اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے اور بطریق کسب و سببیت اور بطورِ عادت تدبیر و تصرّف ان حضرات کی شانِ والا کے شایان ہے اور یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ افعالِ عادیہ اور غیر عادیہ سب میں عباد کی قدرت و قوت بطور سببیت مؤثر ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت بطور علتِ تامہ

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

ان النبوۃ عبارۃ عما یختص بہ النبی ویفارق بہا غیرہ وھو یختص بانواع من الخواص۔ منہا انہ یعرف حقائق الامور المتعلقۃ باللہ وصفاتہ وملٰئکتہ والدار الاخرۃ لا کما یعلمہ غیرہ بل عندہ من کثرۃ المعلومات وزیادۃ الیقین والتحقیق مالیس

عند غيره وله صفة تتم له بها الافعال الخارقة للعادات كالصفة التی تتم بها لغيره الحركات الاختيارية وله صفة بها يبصر الملٰئكة ويشاهد بها الملكوت كالصفة التی يفارق بها البصير الاعمٰی وله صفة بها يدرك ما سيكون فی الغيب ويطالع ما فی اللوح المحفوظ كالصفة التی يفارق بها الذکی البليد فهذه صفات كمالات ثابتة للنبی الخ

(فتح الباری شرح بخاری ص۳۶۳ ج ۱۲ ۔ زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص۱۹ ج ۱)

نبوّت عبارت ہے اس امر سے کہ جو نبی کی ذات کے ساتھ مختص ہے اور اس کی بدولت وُہ دُوسروں سے ممتاز و منفرد ہوتا ہے اور نبی کئی قسم کے خواص کے ساتھ مختص ہوتا ہے ۔

۱ ۔ ایک یہ ہے کہ وُہ ان اُمور کے حقائق سے آگاہ ہوتا ہے جو اللہ تعالےٰ کی ذات ، اس کی صفات ، ملائکہ اور دارِ آخرت سے تعلق رکھتے ہیں نہ اس طرح کی آگاہی جیسے کہ دُوسروں کو ہوتی ہے بلکہ اس کے پاس معلومات کی ایسی کثرت اور یقین و تحقیق کی ایسی فراوانی ہوتی ہے کہ دُوسروں کے لیے نہیں ہوتی ۔

۲ ۔ دُوسرا یہ کہ اس میں ایسی صفت اور قوّت موجود ہوتی ہے جس کے ذریعے اس سے خلافِ معمُول اور خرقِ عادت پر مبنی افعال صادر ہوتے ہیں جیسے کہ دُوسروں میں موجود صفت اور قوّت کے ذریعے دُوسروں کی طرف سے حرکات

اور افعالِ عادیہ واختیاریہ انجام پذیر ہوتے ہیں۔

۳۔ تیسرا یہ کہ اس میں ایسی صفت اور قوتِ باصرہ موجود ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ ملائکہ کو دیکھتا ہے اور ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے جیسے وہ صفت کہ اس کے ذریعے بصیر وبینا اندھے اور نابینا سے ممتاز ہوتا ہے۔

۴۔ چوتھا یہ کہ اس میں ایسی صفت وبصیرت ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے دریافت کرلیتا ہے جو عالمِ غیب میں وقوع پذیر ہونے والا ہوتا ہے، اور مطالعہ کرتا ہے اس کا جو لوحِ محفوظ میں ہے جیسے وہ صفت کہ جس سے ذکی بلید سے اور ذہین کند ذہن سے ممتاز ہوتا ہے۔ پس یہ صفات کمالیہ ہیں جو نبی کے لیے ثابت ہوتی ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ نبی ورسول کی قدرتِ فاعلہ ومدبرہ کا تعلق افعالِ غیر عادیہ اور امورِ خارقہ کے ساتھ اسی طرح ہوتا ہے اور وہ افعال اس سے اسی طرح سرزد ہوتے ہیں جس طرح ہماری قوتِ مدبرہ ومتصرفہ سے افعالِ عادیہ اور امورِ معمولہ صادر اور سرزد ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جادو اور سحر کے متعلق فرمایا:
"یک نوع سحر کہ اورا تعلق ہمت ووہم گویند ومعمول جوگیانِ ہند نیز از ہمیں قبیل است وچوں نفوس دریں تاثیر مختلف اند بعضے قوی وبعضے ضعیف ازیں جہت دریں تاثیرات اختلاف وتفاوت ظہور میکند ودر بعضے اوقات ایں قسم تاثیرات موروث می باشد وتقلیل غذا وگوشہ گیری وانقطاع عن الوفات

وشہتیات کسب ایں تاثیر نیز میتواند شد بلکہ نفوسے کہ دریں تاثیر بہ کمال می رسند میتوانند کہ دیگراں را نیز بہ القار ایں ملکہ مانند خود سازند چنانچہ در قصہ ہائے ڈاآن کہ در اصطلاح اہلِ عزیمت آنرا کفتار گویند بتواتر ثابت است۔"

سحر اور جادُو کا ایک نوع اور قسم وُہ ہے جس کو تعلق ہمّت اور وہم کہتے ہیں اور ہند کے جوگیوں کا معمول سحر بھی اسی قبیل سے ہے اور جب نفوس اس تاثیر میں مختلف ہیں بعضے قوی ہیں اور بعضے ضعیف ہیں اسی وجہ سے تاثیرات میں بھی اختلاف اور تفاوت ظاہر ہوتا ہے اور بعض اوقات اس قسم کی تاثیرات وراثہ کے طور پر منتقل ہوتی ہیں اور غذا کی قلت اور گوشہ نشینی اور پسندیدہ اور محبوب اشیار سے انقطاع کے ذریعے اس تاثیر کا کسب اور حصُول ممکن ہوتا ہے۔ بلکہ ایسے نفوس جو اس قسم کی تاثیر میں بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں ان میں یہ قوّت وطاقت بھی ہوتی ہے کہ اس ملکہ واستعداد کے القار اور افاضہ سے دُوسروں کو بھی اپنے جیسا بنا دیں جیسے کہ ڈاآن جس کو اہلِ عزیمت کی اصطلاح میں کفتار کہتے ہیں کہ قصوں میں تواتر کے ساتھ یہ امر ثابت ہے۔

حضرت خاتم المفسّرین والمحدّثین کے مذکورہ بالا بیان سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہند کے جوگی اور ساحرانِ عالم تو اس قسم کی تاثیرات کے مالک ہوں اور ان میں لطورِ ورثہ بھی اور کسب وریاضت سے بھی یہ تاثیر متحقق ہو اور دُوسروں میں بھی تاثیر و توجّہ کے ذریعے ایسا ملکہ اور صلاحیت واستعداد پیدا کر سکیں تو اولیار کرام میں مجاہدات وریاضات اور فرائض کی پابندی

اور نوافل کی کثرت سے ایسی تاثیر اور قوت و قدرت پیدا نہیں ہو سکتی کہ ان جوگیوں اور جادوگروں کی تاثیرات کو باطل کر دیں اور نورِ حق سے ظلمتِ کفر کو بھگا دیں اور الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ کا عملی نمونہ بن کر حق کا بول بالا کریں جیسے خواجہ ہند حضرت خواجہ معین الحق والملۃ والدین نے راجہ پرتھوی کے جوگیوں کو ذلیل اور خوار اور ناکام و نامراد ٹھہرایا جیسے کہ حضرتِ کلیم علیہ السلام نے فرعون کے جوگیوں اور ساحروں کو شکستِ فاش دی اور فرعون کو ذلیل و خوار کیا

مقامِ تعجب: علامہ سرفراز صاحب اور ان کے ہم مشرب علماء پر تعجب ہے کہ وہ جنات و شیاطین اور ساحروں، جوگیوں اور جادوگروں میں تو کسب و اختیار اور تدبیر و تصرف کا ملکہ اور استعداد اور قدرت و طاقت تسلیم کرتے ہیں مگر انبیاء و رسل اور اولیاء و اصفیاء میں کسب و اختیار اور تدبیر و تصرف اور ملکہ و استعداد کا انکار کرتے ہیں حالانکہ قرآن مجید نے سحر اور جادو کے بارے میں بھی وضاحت سے فرما دیا:

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

(سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۲)

کہ جادوگر اپنے جادو کے ذریعے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ تعالیٰ کے اذن اور ارادہ کے ساتھ۔

گویا یہاں پر باذن اللہ کے الفاظ ان کے کاسب اور مختار ہونے اور مدبر و متصرف ہونے کے منافی نہیں۔ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام باذنِ اللہ فرمائیں تو ان کا مجبور محض ہونا ثابت ہو جائے گا۔

فرعون کے سحر کار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چیلنج دیں اور اپنی رسیوں اور چھڑیوں کو سانپ بنا کر دکھلائیں تو ان کا کسب و اختیار اور تدبیر و تصرف کا ملکہ و استعداد مسلّم مگر ان کو عاجز اور بے بس کر دینے والے رسُول حضرت موسیٰ کلیم علیہ السّلام مجبور و بے بس اور معذور و لاچار، یا للعجب .....

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرّہٗ سے ہی اولیاء کرام کی تاثیرات کی تفصیل سُنیں اور اہل السنّت کے عقیدہ کی حقانیت معلوم کریں:

انواع تاثیر کاملاں در غیر خود کہ آنرا در عرف اہلِ طریقت توجہ نامند آں بچہار قسم میباشد۔ اوّل تاثیر انعکاسی، دوم تاثیر القائی، سوم تاثیر اصلاحی چہارم تاثیر اتحادی۔ کہ شیخ رُوح خود را کہ حامل کمالیست با رُوح مستفید بقوتِ تمام متحد سازد تا کمال رُوحِ شیخ بارُوح مستفید انتقال نماید و ایں مرتبہ اقویٰ ترین انواع تاثیر است چہ ظاہر است کہ بحکم اتحاد روحین ہر چہ در رُوح شیخ است بروح تلمیذ میرسد و بار بار حاجت استفادہ نمی ماند و در اولیاء ایں قسم تاثیر بندرت واقع شدہ از حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرّہٗ منقول است کہ روزے در خانۂ ایشاں چند کس مہمان شدند (تا) فرمودند بخواہ چہ میخواہی او عرض کرد مرا مثل خود سازید فرمودند تحمل ایں حالت نیتوانی کرد چیزے دیگر بخواہ او بر ہمیں سوال اصرار داشت و خواجہ اعراض میفرمودند تا آنکہ لجاج او بسیار شد ناچار او را در حجرہ بردند تاثیر اتحادی بروے کردند چوں از حجرہ بر آمدند درمیان خواجہ و نانوائی در صُورت و شکل ہیچ فرق نماندہ بود و مردم را امتیاز مشکل افتاد۔ اینقدر بود کہ حضرت خواجہ ہشیار بودند و آں نانوائی

مدہوش و بیخود۔ آخر بعد از سہ روز در ایں حالت سکر و بے ہوشی قضا کرد۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (ص ۲۲۵ ج ۳۰) تفسیر عزیزی۔

کاملین کی دُوسرے ناقص لوگوں میں تاثیر جس کو اہلِ طریقت کے عرف و اصطلاح میں توجہ کہتے ہیں چار قسم کی ہوتی ہے اوّل انعکاسی دوم القائی، سوم اصلاحی (جن کی تفصیل اصل کتاب میں ملاحظہ فرمادیں) اور چہارم اتحادی اور تاثیر اتحادی یہ ہے کہ شیخ اپنی رُوح کو جو کہ کمال کے ساتھ موصوف و متصف ہوتی ہے۔ مستفید و مسترشد کی رُوح کے ساتھ پُوری قوت کے ساتھ متحد کر دیتا ہے حتیٰ کہ شیخ کی رُوح میں موجود کمال مستفید و مُرید کی رُوح میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اور تاثیر کے انواع و اقسام میں سے یہ قسم سب سے قوی تر ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ دو نو رُوحوں کے اتحاد کا تقاضا اور اثر مترتب یہی ہے کہ جو کچھ شیخ کی رُوح میں کمال ہوگا وُہ تلمیذ اور شاگرد کی رُوح کو حاصل ہو جائے گا اور بار بار استفادہ کی حاجت نہیں رہے گی اور اولیاء کرام میں اس قسم کی تاثیر (کا ظہور) نادر طور پر ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ ایک دن ان کے گھر میں چند مہمان آئے اور ماحضر موجود نہیں تھا۔ مہمان نوازی کی فکر میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کو پریشانی لاحق ہوئی۔ ضیافت کے سامان کے لیے باہر نکلے، اتفاقاً آپ کے مکان سے متصل نانبائی کی دُکان تھی وُہ اس تشویش پر مطلع ہوا تو اس نے روٹی اور پُر تکلف سالن مرغن آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ کو اس سلوک سے بہت خوشی ہوئی حتیٰ کہ اس کو فرمایا مانگ جو مانگنا چاہتا ہے تو نانبائی

نے عرض کیا مجھے اپنے جیسا بنا دو۔

آپ نے فرمایا تو اس حالت کا متحمل نہیں ہو سکتا کوئی دوسری چیز طلب کر۔ اس نے اسی مطالبہ پر اصرار کیا اور آپ اس سے اعراض فرماتے تھے۔ یہانتک کہ جب اس کا لجاج اور اصرار زیادہ ہُوا تو ناچار آپ اس کو حجرہ میں لے گئے اور اس پر تاثیر اتحادی فرمائی جب حجرہ سے باہر آئے تو حضرت خواجہ باقی باللہ اور اس نانبائی کے درمیان صُورت اور شکل میں (بھی) کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا اور لوگوں کے لیے ان میں باہم امتیاز مشکل ہو چکا تھا، صرف اتنا فرق محسوس ہوتا تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ حالتِ صحو اور ہوش میں تھے اور وُہ نانبائی مدہوش اور بیخود تھا۔ بالآخر تین دن کے بعد اسی حالت سکر اور مدہوشی میں انتقال کر گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خاتم المفسرین کے کلام صداقت نشان حقیقت ترجمان سے واضح ہو گیا کہ اولیاء کرام میں اپنے کسب و اختیار اور تدبیر و تصرف اور فعل و تاثیر سے خوارقِ عادات اور خلافِ معمُول امور کے صادر کرنے اور سرانجام دینے کی صلاحیت، استعداد اور مکنت و استطاعت موجود ہوتی ہے اور وہ ناقصوں کو کامل بنانے اور نااہل لوگوں کو اہل بنانے اور کاملین کو اکملین بنانے پر قادر ہوتے ہیں اور ان سے ایسے امور اتفاقاً اور بلا قصد و بلا ارادہ سرزد نہیں ہوتے۔

نوٹ: ہمارا مقصد صرف اس حقیقت پر تنبیہ کرنا تھا اور اہلِ فہم و دانش کو متوجّہ کرنا ورنہ اس بحث کا احاطہ یہاں پر مشکل متعذر ہے اور مستقل

کتب میں انبیاء کرام علیہم السلام اور خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بیان کیے گئے ہیں اور اولیاء کرام کے کرامات اور خوارقِ عادات بیان کیے گئے ہیں جن میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کے متعلق قصد و ارادہ اور رضا و مشیت کے ساتھ اور دعوٰی و ادعاء کے ساتھ صادر ہونے کی تصریح موجود ہے۔

مخالفین کا منشاءِ غلطی

علامہ سرفراز صاحب نے "راہِ ہدایت" میں کہا:

جس طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات حق ہیں مگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ان کے صادر کرنے میں کوئی دخل نہیں ہوتا اسی طرح اولیاء کرام علیہم الرضوان کے کرامات بھی حق ہیں لیکن ان کے صادر کرنے میں بھی اولیاء کرام کا کوئی کسب اور اختیار نہیں ہوتا۔ جب اللہ تعالٰی چاہتا ہے ان کے ہاتھ پر کوئی کرامت صادر کر دیتا ہے۔ بسا اوقات ان کو علم اور شعور تک بھی نہیں ہوتا کہ یہ چیز بھی ہمارے ہاتھ پر صادر ہوگی یا ہو سکتی ہے۔ اس کی چند مثالیں ہم احادیث سے عرض کرتے ہیں۔ (ص ۹۱-۱۰۲)

اس ضمن میں علامہ صاحب نے چند معجزات اور کرامات ذکر کیے ہیں جن میں بقول ان کے انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء و مقبولانِ بارگاہِ قدس کے کسب و اختیار کا دخل نہیں تھا۔

مگر کوئی ان سے پوچھے کہ آیا معجزات اور کرامات صرف یہی ہیں جو جناب نے ذکر فرمائے ہیں؟ اور اگر اس کے علاوہ ہزاروں لاکھوں معجزات و کرامات

ثابت ہوں اور ان میں نبی و رسُول کے قصد و ارادہ اور مشیت و منشاء کا دخل بھی ثابت ہو اور تدبیر و تصرّف بھی ثابت ہو تو پھر مطلقاً نبی و رسُول اور ولی و محبُوب کے معجزہ و کرامت کے صدور میں دخل کی نفی کیسے ہوگئی؟

علاّمہ صاحب بڑے ماہر مدرس اور اُستاد ہونے کے مدعی ہیں لہٰذا ان کو ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ چند جزئیات کی حالت دیکھ کر حکمِ کلی لگانا استقراء غیر تام ہے اور وُہ مفید ظن ہوتی ہے یقین کا فائدہ نہیں دیتی اور جب ان جزئیات کے برعکس حکم رکھنے والی جزئیات مل جائیں تو ظن غالب کا فائدہ بھی نہیں دیتی جبکہ علاّمہ صاحب کی ذکر کردہ جزئیات کے مقابل قصد و ارادہ سے جو معجزات اور کرامات سرزد ہوتے ان کی تعداد زیادہ ہے اور صحاح ستہ میں بھی مذکور ہیں تو ایسی صُورت میں ان کا استدلال سراسر لغو و باطل ہے، کیونکہ نہ قیاس ہے اور نہ استقراء اور نہ اس سے علم یقینی معجزات و کرامات کے قصد و ارادہ سے صادر ہونے کی نفی کا ہوسکتا ہے اور نہ ہی علم ظنی، لہٰذا ان کی یہ ساری کاوش بے سُود ہے۔ اور اگر بعض جگہ ان مقبُولانِ خُداوند تعالیٰ کے قصد و ارادہ کا دخل نہیں تو اس سے تو اُلٹا قصد و ارادہ کی صُورت میں معجزہ و کرامت کا صادر و سرزد ہونا بطریقِ اولیٰ ثابت ہو جائے گا کیونکہ جو رحیم و کریم خُداوند جل و علیٰ ان کے چاہے بغیر اور ارادہ و مشیت کے تعلق کے بغیر ان کا شانِ امتیاز اور مقامِ اعجاز ظاہر فرماتا ہے تو اس کے فضل و کرم اور شانِ عنایت و التفات کا تقاضا یہی ہے کہ قصدُ ارادہ اور اختیار و مشیت کی صُورت میں بطریقِ اولیٰ اس فعل کو موجود و متحقق کرے

ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مخالفت لازم آئے گی کہ وہ نہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ وہ کام کر دے اور چاہیں تو نہ ہونے دے۔ یہ نبوت و رسالت اور محبوبیت و ولایت کے قطعاً شایانِ شان نہیں۔ ایسا سلوک تو اعداء اور مخالفین کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ ان کی مرضی و منشاء کا خلاف کیا جاتے نہ کہ محبوبین و مقبولین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ جن کی رضامندی کا طالب ہوتا ہے۔

کما قال تعالیٰ:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ (سورہ والضحیٰ آیت ۵)

قال تعالیٰ:

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا (سورۃ البقرہ آیت ۱۴۴)

اور بندۂ محبوب کے لیے حدیث قدسی میں یہ وعدہ کیا گیا ہے:

لئن سالنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ

(بخاری شریف ص ۹۶۳)

اگر بندۂ محبوب مجھ سے مانگے تو میں ضرور اس کو عطا کروں گا اور اگر پناہ طلب کرے اور تحفظ و امان چاہے تو ضرور پناہ اور تحفظ مہیا کروں گا اور حدیث شریف میں وارد ہے:

ان من عباد اللہ من لو اقسم علی اللہ لابرہ

(بخاری شریف، مسلم شریف، مشکوٰۃ کتاب القصاص)

اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کھا لیں (کہ وہ ایسے نہیں کرے گا یا اس طرح کرے گا) تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر

دیتا ہے (خواہ اللہ تعالیٰ سے دُعا و التجا نہ بھی کریں تاکہ ان کے قول کی لاج رہ جائے اور وُہ بے عزّت و بے آبرو نہ ہوں)۔

الغرض ان چند غیر ارادی اور بلا قصد سرزد ہونے والے خوارق عادات میں حصر کا دعوٰی بھی باطل اور تمام خوارق کے بلا قصد و ارادہ سرزد ہونے کا دعوٰی بھی باطل ہے اور اہل السنّت کے نظریۂ کسب و اختیار کے بھی خلاف ہے اور اکابر کی تصریحات کے بھی خلاف ہے اور مقام نبوّت اور مقام ولایت کے تقاضوں کے بھی سراسر خلاف ہے۔ اور مقامِ نبوّت اور منصبِ رسالت کے خواص اور مقام ولایت اور مرتبۂ محبوبیت کے ثمرات کے بھی سراسر خلاف ہے۔

ابلیسی توحید

یہ کیسی توحید ہے کہ شیطانوں اور جنّوں اور جوگیوں اور جادُوگروں میں قوّتیں اور طاقتیں اور صلاحیتیں اور استعدادیں خوارق عادات اور تاثیراتِ قویہ کے تسلیم کرنے سے اس میں خلل نہیں لازم آتا مگر انبیاء کرام علیہم السّلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان میں ایسے تصرّفات و اختیارات تسلیم کرنے سے اس میں خلل لازم آجاتا ہے۔ ابلیس دعوٰی کرے، لاغوینهم اجمعین تو اس کا اپنا ارادہ اور کسب و اختیار واجب التسلیم اور حضرت عیسٰی ابری الاکمه والابرص واحی الموتٰی کہیں تو مجبور و بے بس۔ عفریت دعوٰی کرے:

أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ۝ (سورۃ النمل آیت ۳۹)

تو اس کا اپنا فعل و اختیار اور کسب و اقتدار مسلم ہو اور حضرت آصف کہیں:

أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ

(سورۃ النمل آیت ۴۰)

تو وہ مجبور و معذور اور کسب و اختیار اور ارادہ و مشیت سے خالی ہوں عفریت کی تخت لانے کی اپنی طرف نسبت حقیقت پر مبنی ہو اور حضرت آصف رضی اللہ عنہ جنہوں نے عملی طور پر تخت لا کر پیش کیا اور عفریت پر اپنی برتری ثابت کر دی ان کی طرف لانے کی نسبت محض مجاز کے طور پر ہو۔ حضرت آصف نے تو اسم اعظم کے ذریعے دعا کی اور اللہ تعالیٰ تخت لے آیا مگر عفریت کس اسم کے زور سے لانے کا دعویٰ کر رہا تھا' اور اگر لانیوالا صرف اللہ تعالیٰ تھا حضرت آصف رضی اللہ عنہ وغیرہ کا دخل نہیں تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا ان سے مطالبہ ہی غلط ہو گیا۔ آپ کو براہِ راست اللہ تعالیٰ سے کہنا چاہیے تھا کہ تو تخت لا دے خواہ کسی کے ہاتھ پر لائے یا براہِ راست لائے۔ ؎

رہے نہ اہل بصیرت تو بیخود چمکے
فروغِ نقش ہوا عقل کے زوال کے بعد

درحقیقت علامہ سرفراز صاحب اور ان کی جماعت کو کسب و خلق میں اہل السنت کے مذہب و مسلک کا صحیح علم نہیں اور جبریہ و قدریہ کے ساتھ ان کا ما بہ الامتیاز معلوم نہیں اور بالخصوص ماتریدیہ کے مذہب اور اشاعرہ

کے حقیقی مذہب سے شناسائی نہیں ورنہ اس طرح کی جہالتوں اور حماقتوں کا مظاہرہ نہ کرتے اور نبی و رسول کے نفس قدسی کا تمام ملائکہ اور جنات سے قوی تر ہونا اور ولی و صفی کے نفس کا جوہری نکھار اور سراسر نورانی بن جانا معلوم نہیں ورنہ اس طرح کی ہٹ دھرمی اور ضد و عناد کا مظاہرہ نہ کرتے کہ انبیاء و اولیاء سے کسب و سببیت کی بھی نفی کر دیتے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

ذهب جمهور المسلمين الیٰ جواز الكرامة للاولياء ومنعهٗ اكثر المعتزلة والاستاذ ابو اسحٰق يميل الیٰ قريب من مذهبهم كذا قال امام الحرمين ثم المجوزون ذهب بعضهم الیٰ امتناع كون الكرامة بقصد واختيار من الولی (الیٰ) قال الامام هٰذه الطرق غير سديدة - (ص۲۰۳ ج ۲)

جمہور اہلِ اسلام کا مذہب یہ ہے کہ کراماتِ اولیاء صحیح اور ثابت ہیں اور اکثر معتزلہ کراماتِ اولیاء کے منکر ہیں اور استاد ابو اسحٰق کا میلان بھی ان کے مذہب کے قریب قریب ہے۔ ایسے ہی امام الحرمین نے کہا ہے، پھر کرامات کو جائز اور درست ماننے والوں میں سے بعض اس طرف گئے ہیں کہ کرامت کا ولی کے قصد اور اختیار سے صادر ہونا ممتنع ہے (تا) امام الحرمین فرماتے ہیں کہ سب وجوہ (جو کرامت کے تعقیدات و تخصیصات میں ذکر کیے گئے ہیں) ناتمام اور ضعیف ہیں:

والمرضی عندنا تجویز جملة خوارق العادات فی معرض الکرامات۔

ہمارے نزدیک مختار اور راجح امر یہی ہے کہ جملہ خوارق عادات کا بطور کرامات سرزد ہونا درست اور صحیح ہے (خواہ ارادہ و اختیار سے ہوں۔ خواہ دعویٰ کے مطابق و موافق ہوں، خواہ معجزات انبیاء کی جنس سے ہوں)

معتزلہ جو کراماتِ اولیاء کے منکر ہیں انہوں نے بھی معجزاتِ انبیاء کا اللہ تعالیٰ کی تمکین اور قدرت و قوت عطا کرنے سے سرزد ہونا تسلیم کر لیا ہے۔

چنانچہ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں :

ان مجرد التمکین وترك الدفع من قبل الحکیم القادر المختار کاف فی افادة المطلوب ولهذا ذهب المعتزلة الی ان المعجزة تکون فعلا لله او واقعا بامره او بتمکینه۔ (ص ۱۷۹ ج ۲)

بیشک امرِ خارق پر قدرت دینا اور مزاحمت و مدافعت ترک کر دینا اللہ حکیم قادر و مختار کی طرف سے افادہ مطلوب یعنی معجزات کے تصدیقِ نبی کے لیے سرزد ہونے میں کافی ہے (خواہ بالفعل محض اللہ تعالیٰ کی تاثیر سے ہو یا نبی و رسول کی تاثیر کسبی و سببی بھی شامل ہو) اور اسی لیے معتزلہ نے یہ مذہب اپنایا ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے یا اسکے امر اور حکم سے واقع ہوتا ہے اور یا اس کے قدرت و استطاعت عطا کرنے سے۔

اور یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ معتزلہ میں اور اہل السنت میں فرق

فقط اس لحاظ سے کہ بندہ ان کے نزدیک خالق وموجد ہے اور مستقل موثر ہوتا ہے جبکہ اہل السنت کے نزدیک اس میں خلق وایجاد کی قدرت نہیں ہوتی بلکہ کسب کی استطاعت ہوتی ہے اور وہ فعل مقدور میں بطورِ سبب موثر ہوتی ہے نہ بطورِ علت۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی صاحب نبراس میں فرماتے ہیں :

شرط بعضهم ان لایکون المعجزة مقدورة للنبی فاذا مشی علی الماء او طار فی الهواء فلیس المعجزة مشیه وطیرانه بل نفس القدرة علیهما والقدرة لیست مقدورة له والصحیح ان نفس المشی والطیران معجزة ۔ (ص۲۳۱)

بعض نے یہ شرط لگائی ہے کہ معجزہ نبی ورسول کا مقدور نہیں ہونا چاہیے لہٰذا جب وہ پانی پر چلے یا ہوا پر اڑے تو اس کا معجزہ پانی پر چلنے اور ہوا پر اڑنے والا مقدور فعل نہیں ہے بلکہ ان افعال کی قدرت وطاقت اس کا معجزہ ہے اور یہ قدرت اس کے اختیار اور مشیت سے نہیں ہے اور صحیح یہی ہے کہ چلنا اور اڑنا معجزہ ہے (اور اس کا مقدور ہونا ان بعض کے نزدیک بھی مسلّم ہے) لہٰذا معجزہ کے نبی کا مقدور نہ ہونے کی شرط لغو اور باطل ہوگئی۔

میر سید نے شرح مواقف میں فرمایا :

اذ لو کان مقدورًا له لم یکن نازلا منزلة التصدیق من الله تعالٰی ولکن لیس بشیٔ لان قدرته مع عدم

قدرۃ غیرہ عادۃ معجز -
یعنی اگر معجزہ نبی کی قدرت اور اختیار میں ہو تو اس کا صادر ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نبی کی تصدیق کے قائم مقام نہیں ہوگا لیکن یہ استدلال لغو ہے کیونکہ نبی کا قادر ہونا باوجود غیر نبی کے اس پر بطور عادتِ جاریہ اور معمول کے قادر نہ ہونے کے معجزہ ہے ۔ (اور نبی کے لیے دعویٰ نبوت میں مؤید اور مصدق ہے)۔ (ص۹۹۶)

قال الآمدی هل یتصور کون المعجزه مقدور الرسول ام لا۔ اختلفت الائمة فذهب بعضهم الی ان المعجز فیما ذکر من المثال لیس هو الحرکة بالصعود والمشی لکونها مقدورة له بخلق الله القدرة فیه علیها انما المعجز هناك هو نفس القدرة علیها وهٰذه القدرة لیست مقدورة له وذهب آخرون الی ان نفس هٰذه الحرکة معجزة من جهة کونها خارقة للعادة ومخلوقة لله تعالی وان کانت مقدورة لنبی الله وهو الاصح ۔

علامہ آمدی نے فرمایا کہ معجزہ کا نبی و رسول کی قدرت میں ہونا متصور ہو سکتا ہے یا نہیں اس میں ائمہ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ پانی پر چلنے اور ہوا پر اُڑنے کی مثال میں معجزہ اُڑنے والی حرکت اور چلنے والی حرکت کا نام نہیں کیونکہ یہ تو نبی کی مقدور ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف

سے اس پر قدرت و استطاعت پیدا کرنے کی وجہ سے۔ یہاں معجزہ صرف اور صرف اُڑنے اور پانی پر چلنے کی قدرت و استطاعت ہے اور یہ استطاعت و قدرت نبی کی مقدور نہیں ہے اور دُوسرے ائمہ کرام کا مذہب مختار یہ ہے کہ یہ حرکت خلافِ معمول ہونے اور عادتِ جاریہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے معجزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اگرچہ نبی خدا اور اس کے رسُول کی قدرت و استطاعت میں بھی ہے اور یہی مذہب صحیح ترین ہے۔

علاّمہ صاحب اور ان کے ہم مشرب کس کی شان بڑھا رہے ہیں؟

الغرض صحیح ترین اور مختار و راجح مذہب کے مطابق اور اکثر آئمہ کے نزدیک وزنی اور پسندیدہ مذہب کے مطابق انبیاء و رسل علیہم السلام سے معجزات اور اولیاء کرام علیہم الرّضوان سے کرامات قصد و ارادہ اور رضا و مشیّت سے اور خُداداد قوّت و طاقت و قدرت و استطاعت سے صادر اور سرزد ہوتے ہیں ہاں بعض دفعہ ان کے ارادے اور مشیّت کے تعلّق کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ ظاہر فرما دیتا ہے لیکن اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ ان کے ارادے اور مشیّت کے بغیر ہی ظاہر فرماتا ہے یا اگر وُہ ارادہ کریں، اور قصد فرما دیں تو اس وقت ظاہر نہیں فرماتا یا مزاحمت اور مدافعت کرتا ہے اور ان سے قوّت سلب کر لیتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء سے معجزہ و کرامت کے قصداً صادر ہونے کا انکار کر کے علاّمہ صاحب کس کی شان بڑھا رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی

شان تو اس سے ہرگز نہیں بڑھتی۔ کیونکہ ان کو ان امتیازات میں مجبور و معذور اور بے بس ولاچار ثابت کیا جا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اس لیے ظاہر نہیں ہوتی کہ اس کی عطا و بخشش اور فضل و کرم اور جود و نوال کو محدود و مقید کر دیا گیا ہے کہ عادی اور معمول کے افعال کی قدرت تو بندوں کو عطا کرتا ہے مگر غیر عادی اور خارق عادات امور کی قدرت اور طاقت نہیں دیتا اگر دینے پر قادر نہیں تو اللہ تعالیٰ کی شان میں اس سے تفریط اور تقصیر لازم آگئی کہ وہ عاجز ہے اور اگر وہ قادر ہے مگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اہل اس قدرت و طاقت کے نہیں تو شانِ انبیاء و اولیاء میں تفریط و تقصیر لازم آگئی اور اگر وہ قادر بھی ہے اور یہ اس طرح کی استطاعت و قدرت عطا کیے جانے کے اہل بھی ہیں تو پھر نہ عطا کرنے کا باعث اگر بخل ہے تو یہ یہودیوں ملعونوں کا نظریہ ہے :

قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا (سورۃ المائدہ آیت ۶۴)

اللہ تعالیٰ کی شانِ جود و نوال تو یہ ہے :

بل يداه مبسوطتان ينفق كيف يشاء

اور قولہ تعالیٰ :

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ

(سورہ آلِ عمران آیت ۲۶)

نیز ملائکہ اور شیاطین و جنات کو اس کی طرف سے عظیم قوتیں اور قدرتیں

عطا بھی کی گئی ہیں اور علماءِ دیوبند کے ہاں وہ قوتیں مسلّم بھی ہیں تو جو خدا اپنے بزرگ و برتر دشمنوں کو بھی اس طرح جود و نوال سے بہرہ ور کر دے اس کے لیے ان محبوب اور مقبول ہستیوں کے لیے اس قسم کی قوتیں اور قدرتیں بخشنے میں مانع کیا ہے؟

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

نیز جن آئمہ کرام کی اکثریت نے معجزات کا مقدورِ انبیاء ہونا اور کرامات کا مقدورِ اولیاء ہونا تسلیم کیا ہے ان پر کیا فتویٰ عائد ہوگا؟ کیا وہ بھی ہماری طرح مشرک قرار پائیں گے یا انہیں معاف کر دیا جائے گا؟ نیز عقیدہ و نظریہ میں یکسانیت کے باوجود بعض مشرک قرار دیئے جائیں اور بعض کو مشرک نہ کہا جائے اس کا کیا جواز ہے؟ نیز شرع شریف میں یہ تفرقہ کیونکر روا رکھا گیا ہے کہ شیاطین و عفاریت اور جنات اور ناری مخلوق میں قصد و ارادہ بھی ہو اور مشیت و رضا بھی اور قدرت و طاقت بھی ہو اور اس کا ماننا لازم و ضروری بھی ہو اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندی میں ایسی قوتیں اور قدرتیں معدوم بھی ہوں اور ان کا ماننا شرک اور کفر بھی ہو۔ ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فیصلہ

حضرت حکیم الامت نے "ہمعات" میں ارشاد فرمایا:

باید دانست کہ ایں فقیر را آگاہانیدہ اند کہ خوارق عادات در حد ذات خویش امور عادیہ اند باں معنیٰ کہ سنت اللہ جاری شدہ کہ چوں نفس ناطقہ کسیا وجبلۃً بمرتبہ رسد او را امور غائبہ منکشف شوند یا دعائے او مستجاب شود و علیٰ ہذا القیاس، ہمچنانکہ سنت اللہ جاری شدہ کہ چوں کسے تریاق خورد اثر زہر از وے مندفع میگردد یا گوشت و سمن تناول کند قوی تر شود و علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن چوں مخالف عادت مالوفہ است او را خارق عادت گویند۔ نیز آگاہانیدہ اند کہ ہر نوعے از خوارق را کسبے ست کہ چوں باں کسب تمسک نمایند آں خارق از وے صادر شود، تا از فروع ہمیں مقدمات است آنچہ از صوفیہ دیدہ میشود از تصرف در خلق بہ افاضۂ توبہ بر عاصی یا تسخیر دلِ کسے یا افاضۂ واقعہ در مدرکۂ کسے یا افاضہ نسبتے از نسبتہا یا رفع مرض و مانند آنہا۔

(ہمعات ص ۱۳۱–۱۳۸ - ہمعہ ۲۱)

جاننا چاہیے کہ مجھے آگاہ فرمایا گیا ہے کہ خوارق عادت یعنی معجزات اور کرامات بذاتِ خود عادتِ جاریہ اور معمول کے مطابق چلنے والے امور کے قبیل سے ہیں مگر بایں معنیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اس طرح جاری ہے کہ جب کوئی نفس ناطقہ کسب اور مجاہدہ و ریاضت کے ذریعے یا جبلی اور پیدائشی استعداد و صلاحیت کی وجہ سے بلند مرتبہ پر فائز ہوتا ہے تو اس پر غیبی امور منکشف

ہوتے ہیں یا اس کی دُعا مقبول ہوتی ہے وعلیٰ ہٰذا القیاس جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ قدرت ہے کہ جب کوئی شخص تریاق استعمال کرتا ہے تو اس سے سانپ کا زہر دُور ہو جاتا ہے یا گوشت اور مکھن استعمال کرتا ہے تو قوی اور توانا تر ہو جاتا ہے وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

لیکن چونکہ یہ امر (مُعجزہ اور کرامت) عادتِ جاریہ اور مانوس طریقِ کار کے خلاف ہوتا ہے تو اس کو خارق عادت (معجزہ و کرامت) کہہ دیتے ہیں، نیز مجھے مطلع کیا گیا ہے کہ خوارق عادت کے ہر نوع کے لیے مخصوص کسب اور ذریعہ و وسیلہ ہوتا ہے جب اس سبب اور وسیلہ سے تمسک کریں اور اس کا سہارا لیں تو وُہ خارق (مُعجزہ اور کرامت) صادر ہو جاتا ہے۔ تا۔

اور انہیں مقدّمات کے فروعات سے ہیں وُہ امور جو کہ صوفیہ کرام سے دیکھے جاتے ہیں یعنی مخلوقِ خُدا میں تصرّف کر کے عاصی کو توبہ کا فیضان پہنچانا یا کسی کے دل کو مسخر کر لینا یا کسی واقعہ کا مدرکہ اور ہو ماغ میں داخل کر دینا یا ولایت کی نسبتوں میں سے کسی نسبت کا افاضہ یا مرض دُور کر دینا وغیرہ ذٰلک۔

اگر اب بھی علّامہ سرفراز صاحب اپنے غلط نظریہ سے باز نہیں آتے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وُہ ہر حال میں نئے مذہب کو جاری کرنے پر مُصر ہیں اور اسلاف اور اکابرین کے مذہب و مسلک اور ان کے نظریہ وعقیدہ کو لوگوں کے قلوب واذہان سے نکال باہر کرنے پر ہی بضد ہیں۔

فخرِ المفسّرین کا فیصلہ

امام رازی علیہ الرحمہ نے اپنی نادرۂ روزگار تفسیر میں حدیث قدسی کی تشریح

...بھی بیان فرمائی ہے جیسے کہ قبل عبارت ذکر کی جا چکی ہے اور اسی ضمن میں
...روح انسانی کی تنویر و لطافت اور تجرید و شفافیت کی بدولت اس سے ملائکہ
...مقربین کی طرح افعالِ خارقہ پر قدرت و طاقت اور ان کے ملکہ و استعداد پر
سیر حاصل بحث فرمائی ہے:

الحجة السابعة وهى مبنية على القوانين العقلية الحكمية وهى انا قد بينا ان جوهر الروح ليس من جنس الاجسام الكائنة الفاسدة المتعرضة للتفرق والتمزق بل هو من جنس جواهر الملٰئكة و سكان عالم السمٰوٰت والنوع المقدسين المطهرين الا انه لما تعلق بهٰذا البدن واستغرق فى تدبيره صار فى ذٰلك الاستغراق الى حيث نسى الوطن الاول والمسكن المتقدم وصار بالكلية متشبها بهٰذا الجسم الفاسد فضعفت قوته وذهبت مكنته ولم يقدر على شيئ من الافعال - اما اذا استانست بمعرفة الله ومحبته وقل انغماسها فى تدبير هٰذا البدن واشرقت عليها انوار الارواح السماوية العرشية المقدسة و فاضت عليها من تلك الانوار قويت على التصرف فى اجسام هٰذا العالم مثل قوة الارواح الفلكية

علیٰ ھٰذہ الاعمال وذٰلک ھو الکرامات۔

(ص ۴۳۶ طبع جدید)

صحت کرامات پر ساتویں دلیل جو کہ قوانین عقلیہ حکمیہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ روح انسانی ان اجسام مخلوقہ میں سے نہیں ہے جو انعدام و فساد اور افتراق و انتشار کے درپے ہیں بلکہ وہ ملائکہ کے جواہر کی جنس سے ہے اور عالم سمٰوات کے ساکنین اور مقدس و مطہر جواہر کے نوع سے تعلق رکھتا ہے مگر جب وہ اس بدن سے متعلق ہوا اور اس کی تدبیر میں مستغرق ہو گیا تو اس استغراق کی وجہ سے وطن اصل اور قدیمی مسکن کو بھول گیا اور مکمل طور پر اس فاسد بدن کے مشابہ ہو گیا پس اس کی قوت و توانائی ضعف و ناتوانی میں بدل گئی اور اس کی طاقت زائل ہو گئی اور وہ کسی فعل پر قادر نہ رہا۔ لیکن جب اس کو معرفتِ الٰہیہ اور محبتِ خداوند تعالیٰ سے انس حاصل ہوا اور اس بدن کی تدبیر میں اس کا انہماک کم ہوا اور سماوی و عرشی مقدس ارواح کے انوار اس پر چمکے اور ان انوار کا اس پر فیضان ہوا تو اس جہان کے اجسام پر تصرف کی قدرت حاصل ہو گئی مانند ارواح فلکیہ کے ان افعال و اعمال پر قدرت قوت کے اور یہ ہی کرامات ہیں۔

۲۔ وفیہ دقیقۃ اخری وھی ان مذھبنا ان الارواح البشریۃ مختلفۃ بالماھیتہ ففیھا القویۃ والضعیفۃ وفیھا النورانیۃ والکدرۃ (الیٰ)

فاذا اتفق فی نفس من النفوس کونها قویۃ القوۃ القدسیۃ العنصریۃ مشرقۃ الجوھر علویۃ الطبیعۃ ثم انضاف الیھا انواع الریاضات التی تزیل عن وجھھا غبرۃ عالم الکون والفساد اشرقت وتلألأت وقویت علی التصرف فی ھیولٰی عالم الکون والفساد باعانۃ نور معرفۃ الحضرۃ الصمدیۃ وتقویۃ اضواء حضرۃ الجلال والعزۃ ولنقبض ھھنا عنان البیان فان وراءھا اسرارًا دقیقۃ واحوالا عمیقۃ من لم یصل الیھا لم یصدق بھا۔ (ص۲۳۶ طبع جدید)

اور اس میں دوسرا باریک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارا مذہب و مسلک یہ ہے کہ ارواح بشریہ از روئے ماہیت مختلف ہیں پس بعض ان میں قوی و توانا ہیں اور بعض ضعیف و ناتواں اور بعض نورانی ہیں اور بعض ظلمانی (تا) پس جب نفوسِ انسانیہ میں اتفاق سے قوی و توانا قوتِ قدسیہ والا ہو اور اس کا جوہرِ روح روشن اور منور تر ہو اور طبعًا عالی استعداد و صلاحیت والا ہو پھر اس کے ساتھ مختلف النوع مجاہدات و ریاضات بھی شاملِ حال ہوں جو اس کے چہرے سے عالمِ کون و فساد اور جہانِ ہست و بود کی گرد و غبار کو دھو ڈالیں تو وہ روح چمک اُٹھے گی اور روشن ہو جائے گی اور عالم کون و فساد کے ہیولٰی اور حقائق میں تصرف پر قادر ہو جائے گی حضرتِ صمدیت کے نورِ معرفت کی اعانت اور بارگاہِ عزت و جلال کی ضیاؤں کے قوت و توانائی بہم پہنچانے

سے۔ اور چاہیے کہ ہم یہاں پر بیان کی لگام روک لیں کیونکہ اس سے آگے دقیق اسرار اور عمیق احوال ہیں کہ جو خود ان تک رسائی حاصل نہ کرے الا کی تصدیق نہیں کر سکتا۔

۳۔ الحجة السادسة ۔ لا شك ان المتولی للافعال هو الروح لا البدن ولا شك ان معرفة الله تعالٰی للروح کالروح للبدن علی ما قررناه فی تفسیر قوله تعالٰی:

"ینزل الملٰٓئکة بالروح من امره"

وقال علیه الصلٰوة والسلام:

ابیت عند ربی فیطعمنی ویسقینی ولهٰذا المعنٰی نری ان کل من کان اکثر علما باحوال عالم الغیب کان اقوٰی قلبًا واقل ضعفا ولهٰذا قال علی بن ابی طالب کرم الله وجهه:

والله ما قلعت باب خیبر بقوة جسدانیة ولکن بقوة ربانیة وذٰلك لان علیًا کرم الله وجهه فی ذٰلك الوقت انقطع نظره عن عالم الاجساد و اشرقت الملٰٓئکة بانوار عالم الکبریاء فتقوٰی روحه وتشبه بجواهر الارواح الملکیة و تلألأت فیه اضواء عالم القدس والعظمة فلاجرم حصل له من القدرة ما قدر بها علی ما لم یقدر

علیہ غیرہ ۔ (ص ۳۶۱ تفسیر کبیر طبع جدید)

جوازِ کرامات کی چھٹی دلیل : اس میں شک و شبہ نہیں ہے کہ افعال و اعمال میں متولی و متصرف رُوح ہے نہ کہ بدن اور اس میں بھی شک و شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رُوح کے لیے اسی طرح ہے جیسے کہ رُوح بدن کے لیے ہے جیسے کہ ہم نے قولِ باری تعالیٰ :

ینزل الملٰئکۃ بالروح من امرہ

کی تفسیر میں بیان کیا ہے اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

میں راتیں اپنے رب تعالیٰ کے پاس گزارتا ہوں پس وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے ۔ اور اسی معنیٰ و حقیقت کے پیشِ نظر ہم دیکھتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کو عالمِ غیب کے احوال کا علم زیادہ ہوتا ہے وہ از روئے قلب قوی تر ہوتا ہے اور اس میں ضعف و ناتوانی کالعدم ہوتی ہے اور اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا :

بخدا میں نے قلعہ خیبر کا دروازہ اپنی جسمانی قوّت کے ساتھ نہیں اکھیڑا بلکہ ربانی اور رُوحانی قوّت کے ساتھ اکھیڑا ہے ۔

اور اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر اس وقت عالمِ اجساد سے منقطع ہو چکی تھی اور ملائکہ ان پر عالمِ کبریا کے انوار کیساتھ ضو فگن ہو گئے تھے لہٰذا ان کی رُوح بہت قوی و توانا ہو گئی اور ارواحِ ملائکہ کے مشابہ و مماثل ہو گئی اور اس میں عالمِ قدس و عظمت کے انوار اور ضیا میں چمک اٹھیں تو لامحالہ انہیں ایسی قدرت و طاقت حاصل ہو گئی جس کی

بدولت وُہ ایسے فعل وعمل پر قادر ہو گئے جس پر کوئی دُوسرا قادر نہ ہو سکا۔

۴۔ قولِ باری تعالیٰ:

وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰتِ والارض

کے تحت فرمایا:

وھھنا دقیقۃ عقلیۃ وھی ان نور جلال اللہ لائح غیر منقطع ولا زائل البتۃ والارواح البشریۃ لا تصیر محرومۃ عن تلک الانوار الا لاجل حجاب ولیس ذٰلک الحجاب الا الاشتغال بغیر اللہ تعالیٰ واذا کان الامر کذٰلک فبقدر ما یزول ذٰلک الحجاب یحصل ھٰذا التجلی (الی) فلما زال ذٰلک الحجاب لاجرم تجلی لہ ملکوت السمٰوٰت بالتمام۔ (ص ۳۲ ج ۵)

اور یہاں ایک عقلی باریک نکتہ ہے اور وُہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کا نُورِ جلال ہر جگہ جلوہ فگن ہے بغیر انقطاع کے اور بشری ارواح ان انوار سے محروم نہیں ہو سکتے مگر ایک حجاب کی وجہ سے اور وُہ حجاب اور پردہ صرف اور صرف غیر اللہ کے ساتھ مشغولیت والا ہے اور جب حقیقتِ حال یہ ہوئی تو جس قدر وہ حجاب زائل ہوتا جائے گا اسی قدر ملکوت السمٰوٰت والارض کی تجلی وانکشاف حاصل ہوتا چلا جائے گا۔ (تا) اور حضرت ابراہیم[1] کے لیے جب یہ حجاب بالکل زائل ہو گیا تو ان کیلئے تمام تر ملکوتِ سماوی

[1] علیہ السلام۔

دارمنی منکشف ہو گئے۔

ان تمام عبارات کا ماحصل اور واضح معنیٰ و مفہوم یہی ہے کہ عبادت وطاعت اور مجاہدہ وریاضت سے رُوح کی تطہیر حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اس میں معائنہ ومشاہدہ اور تدبیر وتصرف کی غیر معمولی اور غیر معتاد قوت و قدرت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔

۵۔ امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے:
کما قال تعالیٰ:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ ..... (الآیۃ)۔

اور اللہ تعالیٰ مؤمنین کا ولی ہے:

اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا (الآیۃ)۔ وقولہ تعالیٰ:

وَھو یتولی الصّٰلحین ..... وقولہ تعالیٰ:

انما ولیکم اللّٰہ ورسولہ وقولہ تعالیٰ:

اَنْتَ مَوْلٰنا ...... وقولہ تعالیٰ:

ذٰلک بان اللّٰہ مَوْلَی الَّذین اٰمنو

لہٰذا دو طرفہ ولایت ثابت ہو گئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بندوں کا محبوب ہے اور صالح بندے اللہ تعالیٰ کے حبیب و محبوب ہیں۔ قال تعالیٰ:

یحبھم و یحبونہ .... قال تعالیٰ:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اشد حبًّا للّٰہ وقال تعالیٰ:

انّ اللّٰہ یحب التوابین ویحب المتطھرین

لہٰذا دو طرفہ محبت بھی ثابت ہو گئی۔

فنقول اذا بلغ العبد فی الطاعۃ الیٰ حیث یفعل کل ما امرہ اللّٰہ وکل ما فیہ رضاہ وترک کل ما نہی اللّٰہ وزجر عنہ فکیف یبعد ان یفعل الرّب الرّحیم الکریم مرۃ واحدۃ ما یریدہ العبد بل ھو اولیٰ لان العبد مع لومہ وعجزہ لما فعل کل ما یریدہ اللّٰہ ویامرہ بہ فلان یفعل الرّب الرّحیم مرۃ واحدۃ ما ارادہ العبد کان اولیٰ ولھٰذا قال تعالیٰ:

اوفو بعھدی اوف بعھدکم

تو ہم کہتے ہیں کہ بندہ جب اطاعت و فرمانبرداری میں اس مقام تک جا پہنچے کہ وُہ ہر اس کام کو کرے جس کا اللّٰہ تعالیٰ اسے حکم دے اور جس میں وُہ راضی ہو اور ہر اس کام کو ترک کر دے جس سے اللّٰہ تعالےٰ منع اور زجر فرمائے تو یہ کیونکر بعید اور نا قابلِ وقوع امر ہو سکتا ہے کہ ربِ رحیم و کریم بھی ایک دفعہ وُہ کام کر دے جس کا بندۂ مطیع ارادہ کرے بلکہ یہ زیادہ قرینِ قیاس اور موزوں تر امر ہے کیونکہ بندہ اپنی کمزوری اور عاجزی کے باوجود جب ہر وُہ کام کرے جس کا اللّٰہ تعالیٰ حکم دے اور ارادہ فرمائے تو ربِّ رحیم (باوجود قوی و قدیر ہونے کے) وُہ کام کر دے جس کا بندہ ارادہ رکھتا ہے تو زیادہ مناسب اور موزوں تر ہو گا اور اسی لیے اللّٰہ تعالےٰ

نے فرمایا تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کروں گا۔

(تفسیر کبیر مطبع جدید ص۲۳۵ جلد ۷)

گویا بقول امام رازی اللہ تعالیٰ اگر اس بندے کی مراد پوری نہ فرمائے تو دعوائے محبت میں اس کا ناقص اور کمتر ہونا لازم آئے گا اور یہ اس کی بلند و بالا شان کے قطعاً لائق نہیں ہے اور اسی لیے اس نے اعلان فرمادیا ہے:

لئن سألنی لاعطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه

یہ بندہ محبوب مجھ سے سوال کرے گا تو میں اسے ضرور دوں گا اور مجھ سے پناہ اور حفظ و امان طلب کرے گا تو ضرور مہیا کروں گا۔

مزید بحث تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرماویں بہت عمدہ تحقیق فرمائی۔

جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

فخر المتکلمین علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ کا فیصلہ

علامہ تفتازانی مقاصد میں فرماتے ہیں:

الکرامة ظهور امر خارق للعادة من قبله بلا دعوی النبوة وهی جائزة ولو بقصد الولی ومن جنس المعجزات لشمول قدرة اللہ تعالیٰ وواقعة کقصة مریم وآصف واصحاب کهف وما تواتر جنسه من الصحابة والتابعین وکثیر

من الصّٰلحین وخالفت المعتزلۃ۔

یعنی کرامت خلاف معمول امر کے ولی سے سرزد ہونے کا نام ہے بغیر دعوائے نبوت کے اور اس کا صدور ممکن ہے اگرچہ ولی کے قصد و ارادہ سے ہی ہو اور معجزاتِ انبیاء علیہم السلام کی جنس سے ہو کیونکہ اللہ تعالےٰ کی قدرت اس کو محیط و شامل ہے۔

اور کرامت بالفعل واقع اور متحقق بھی ہے جیسے حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت آصف بن برخیا اور اصحابِ کہف[1] کا قصہ ہے اور اسی قسم کے واقعات صحابہ کرام، تابعین اور بہت سے صالحین سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ (جلد ثانی ص۲۰۳)

شرح مقاصد میں فرمایا:

ذھب جمھور المسلمین الی جواز کرامۃ الاولیاء ومنعہ اکثر المعتزلۃ الخ۔

یعنی جمہور اہلِ اسلام کرامات اولیاء کو جائز رکھتے ہیں اور اکثر معتزلہ ان کے امتناع اور عدم جواز کے قائل ہیں۔ پھر جو ان کے امکان و جواز کے قائل ہیں ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ کرامت ولی کے قصد و اختیار سے سرزد نہیں ہو سکتی

ذھب بعضھم الی امتناع کون الکرامۃ بقصد واختیار من الولی۔

اور بعض اس کے قائل ہیں کہ کرامتِ ولی اس کے دعوٰی کے مطابق وقوع پذیر

[1] رضی اللہ عنہم۔

نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ اگر ولی ولایت کا دعویٰ کرے اور خلافِ عادت امور کا اعتقاد کرے تو یہ جائز نہیں بلکہ وہ خرقِ عادت امر وقوع پذیر ہی نہیں ہو سکے گا بلکہ بسا اوقات وہ مقامِ ولایت سے گر جاتے گا اور بعض کہتے ہیں کہ کرامتِ ولی معجزاتِ انبیاء کی ہمجنس نہیں ہو سکتی۔

قال الامام ھٰذہ الطرق غیر سدیدۃ والمرضی عندنا
تجویز جملۃ خوارق العادات فی معرض الکرامات

(صفحہ نمبر ۲۰۳)

امام الحرمین نے فرمایا کہ یہ سبھی اقوال اور مذاہب ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہیں اور ہمارے نزدیک مختار اور پسندیدہ امر یہی ہے کہ ہر قسم کے خوارق عادات اور خلافِ معمول امور کرامات کے ضمن میں وقوع پذیر ہو سکتے ہیں۔

علامہ ہیتمی مکی کا فیصلہ

علامہ ابنِ حجر ہیتمی رحمہ اللہ نے بھی امام الحرمین کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ جنہوں نے کہا ہے کرامت میں ولی کا قصد و ارادہ اور مرضی و اختیار نہیں ہوتا، یہ قول صحیح نہیں ہے۔

فمنھم من شرط ان لا یختارھا الولی وبھذا
فرقوا بینھا وبین المعجزۃ وھٰذا غیر صحیح۔

(صفحہ نمبر ۲۵۸) فتاویٰ حدیثیہ۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ولایت کے دعویٰ کے اثبات میں اور اس کو برحق ثابت کرنے کے لیے کرامت کا صادر ہونا ممتنع ہے ورنہ معجزہ اور کرامت میں اشتباہ و التباس واقع ہو جائے گا۔

وھٰذا غیر مرضی عندنا بل قد تقع مع دعویٰ ذٰلک۔

اور یہ قول بھی ہمارے نزدیک ناپسندیدہ اور ناقابلِ اختیار ہے بلکہ کرامت کبھی دعوائے ولایت کی تصدیق کے لیے بھی وقوع پذیر ہوتی ہے۔

امام اہل التصوّف قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ

نیز امام ابوالقاسم قشیری کے حوالے سے حضرت سہل تستری کا یہ قول نقل فرمایا:

الذاکر اللہ علی الحقیقۃ اِن ھم ان یحیی الموتیٰ لفعل یعنی باذن اللہ تعالیٰ و مسح بیدہ علیٰ علیل بین یدید فبرئ۔

صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا اگر مُردوں کو زندہ کرنے کا ارادہ کرے تو وُہ ضرور انہیں زندہ کرے گا یعنی باذن اللہ اور سامنے موجود مریض پر اپنا ہاتھ پھیرے تو وُہ تندرست ہو جائے گا۔

سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

حضور شیخ محی الدّین عبدالقادر جیلانی قدّس سرّہٗ سے ایک عورت نے عرض کیا:

یا سیدی تاکل لحم الدجاج ویاکل ابنی خبز الشعیر فوضع یدہ علی ذلک الطعام وقال قومی باذن اللہ محی العظام فقامت الدجاجۃ سویۃ وصاحت فقال الشیخ اذا صار ابنک ھکذا فلیاکل الدجاج او ماشاء (۳۵)

اے میرے آقا تم مرغی کا گوشت کھا رہے ہو اور میرا بیٹا جو دوں کی روٹی کھا رہا ہے تو آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اس کھانے پر رکھا اور فرمایا اے مرغی ہڈیوں کو زندگی عطا کرنے والے اللہ کے اذن سے اُٹھ کھڑی ہو تو مرغی زندہ ہوگئی اور چلائی تو حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا جب تیرا بیٹا اس مقام پر فائز ہو جائیگا تو پھر مرغیاں کھائے یا جو جی چاہے (اس سے پہلے مجاہدات وریاضات کی خاردار وادی سے گزرنا پڑے گا)۔

اقول: اگر دل میں بطورِ قصد وارادہ اور مرضی واختیار سے ایسے کرامات ظاہر کرنا جائز نہ ہوتے تو آپ کیوں فرماتے کہ جب تیرا بیٹا اس مقام الخ..........

امام یافعی رحمہ اللہ کا فیصلہ

امام یافعی فرماتے ہیں کہ معجزہ اور کرامت میں باہمی امتیاز یہ ہے:

ان المعجزۃ یجب علی النبی اظہارھا والکرامۃ یجب علی الولی اخفاءھا الا عند ضرورۃ او اذن او حال غالب لا یکون لہ فیہ اختیار او تقویۃ یقین مرید۔ قال واطلاق المحققین انہ یجوز لہ اظہار ما یحمل علی بعض ھذہ

الصور للعلم بان اظهارہ لغیر غرض صحیح لایجوز بخلافہ لغرض صحیح ۔ (ص۲۹۰)

کہ معجزہ کا اظہار نبی پر واجب ہوتا ہے اور کرامت کا اخفا ولی پر واجب ہوتا ہے مگر ضرورت یا اذن کے وقت یا مغلوب الحال ہونے کی صورت میں جبکہ اس کا اس حالت میں اختیار اور قصد وارادہ نہ ہو یا مرید کے یقین کی تقویت مقصود ہو اور فرمایا کہ محققین کا مطلقاً کرامات کے اظہار کو جائز رکھنے کا محل بھی یہی بعض صورتیں ہیں کیونکہ اس امر کا یقینی علم ہے کہ بغیر صحیح غرض اور مقصد کے اس کا اظہار درست نہیں بخلاف صحیح مقصد کے کہ اس صورت میں اظہار جائز ہے۔

اقول : اگر معجزہ وکرامت میں نبی اور ولی کے قصد وارادہ کا دخل ہی نہیں بلکہ نبی علیہ السلام اور ولی کی ذات صرف قلم بدست کاتب اور مردہ بدست زندہ کی مانند ہو تو قطعاً یہ وجوب متصور نہیں ہو سکتا لہٰذا یہ حقیقت تسلیم کرنا ضروری ہے کہ ان کے قصد وارادہ کا اس میں دخل ضرور ہوتا ہے

شیخِ محقق محدث دہلوی رحمہ اللہ کا فیصلہ

اس قصد وارادہ پر مقصود اور مراد کا ترتب کس طرح ہوتا ہے وہ حضرت شیخ محقق کی زبانی سماعت فرمادیں :

گفتہ اند بسم اللہ الرحمٰن الرحیم از عارف ہمچوں کلمہ کن است از پروردگار تعالیٰ وتقدس ۔ (اشعۃ اللمعات ص۲۴۰ جلد دوم)

اکابرینِ ملت نے فرمایا ہے کہ عارف کی زبان سے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

صادر ہونا اس طرح مؤثر اور مفیض و مفید مطلب ہوتا ہے جیسے کہ پروردگار
حق و تعالیٰ کی طرف سے کلمۂ کُن، کہ اس کے بعد فوری طور پر وُہ شے
موجود ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عارف کسی کام کے ارادہ پر بسم اللہ شریف پڑھے
تو کام فوراً ہو جاتا ہے۔

نیز شیخِ اجل شیخ المحققین شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے
اشعۃ اللمعات میں کرامات کی بحث میں فرمایا:

حق جوازِ وقوع است بقصد و اختیار و بے قصد و از جنس معجزہ و غیر
معجزہ و تمام کلام در اثبات کرامت بدلائل و رفع شبہ مخالفان در کتب کلام
مذکور است و لاحاجة الی البیان بعد العیان۔ (جلد چہارم ص۲۱۶)

یعنی گو کرامات کے قصد و ارادہ کے ساتھ اولیاء کرام سے سرزد ہونے
میں بعض نے اختلاف کیا ہے لیکن صواب اور برحق مذہب یہی ہے کہ ان کا قصد
و ارادہ کے ساتھ وقوع پذیر ہونا صحیح و درست ہے اور بغیر قصد و ارادہ
کے سرزد ہونا بھی اور معجزات کی قسم سے بھی ہو سکتی ہیں اور ان سے مختلف
جنس کے قبیل سے بھی اور اس کی مکمل بحث یعنی دلائل کے ساتھ اثبات کرامات
و رد مخالفین کے شبہات کا جواب اور ردّ و قدح کتب کلامیہ میں مذکور
ہے اور مشاہدہ کے بعد بیان اور بحث و تحمیص کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

فائدہ جلیلہ اقول: اس امر کی تحقیق و تدقیق پہلے ہو چکی ہے کہ

افعالِ عادیہ و غیر عادیہ میں حقیقی مؤثر اور ان کا موجد و خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے
اور بندوں کی قدرت و استطاعت عادت کے طور پر مؤثر ہوتی ہے جس طرح
پانی سیرابی میں اور روٹی سیری میں اور آگ جلانے میں خواہ امورِ عادیہ ہوں
یا غیر عادی ہوں اور بندوں کی قدرت و استطاعت کا دخل تسلیم نہ کرنا مذہب
جبر ہے اور ان کو مستقل مؤثر ماننا حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ جس فعل کا بندے سے
ارادہ کرے اور بندہ نہ کرے تو فعل موجود و متحقق نہ ہو اور بندہ ارادہ فعل
کا کرے اور اللہ تعالیٰ اس فعل کے عدم کا ارادہ کرے پھر بھی وہ فعل موجود
و متحقّق ہو جائے تو یہ مذہب اعتزال ہے اور اگر بندے کا ارادہ مغلوب
اور تابع ہو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تو یہ مذہب اہل السنّت ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اعلم ان مذھب المعتزلة ان اللّٰہ یرید الایمان و
الطاعة من العبد والعبد یرید الکفر والمعصیة
لنفسه فیقع مراد العبد ولا یقع مراد اللّٰہ فتکون
ارادة العبد غالبة وارادة اللّٰہ مغلوبة واما عندنا
فکل ما ارادہ اللّٰہ تعالیٰ فھو واقع فھو تعالیٰ یرید الکفر
من الکافر و یرید الایمان من المؤمن وعلیٰ ھذا
التقدیر فارادة اللّٰہ غالبة وارادة العبد مغلوبة۔

(ص ۲۵ جلد ۳)

جان لو کہ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے ایمان او

ت کا ارادہ کرتا ہے اور بندہ کفر و معصیت کا ارادہ کرتا ہے پس بندے کا ارادہ پوری ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد پوری نہیں ہوتی بندے کا ارادہ غالب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ مغلوب ہوتا ہے لیکن ہمارے نزدیک ہر امر جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے وہی وقوع پذیر ہوتا ہے تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کافر سے کفر کا اور مومن سے ایمان کا ارادہ فرماتا ہے اس تقریر کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ارادہ غالب ہے اور بندے کا مغلوب ہے۔

لیکن عام بندوں کو اپنے افعالِ عادیہ میں با اختیار ماننا اور ان کے ارادہ اور کسب و اختیار کا دخل تسلیم کرتا لیکن انبیاء کرام علیہم السلام اولیاء کرام علیہم الرضوان کو صرف افعالِ عادیہ میں با اختیار تسلیم کرنا اور عادیہ میں بے اختیار ماننا نہ مذہب جبر ہے نہ مذہب اعتزال اور نہ اہلسنت مذہب مختار لیکن علماء دیوبند نے اسی کو اختیار کر کے نئے مذہب و مسلک بنیاد ڈال دی ہے۔

ضروری تنبیہ: اگر بعض متقدمین علماء اعلام نے اس حدیث قدسی ذریعہ میں اعضا اور جوارح کے مرضیات حق تعالیٰ میں استعمال ہونے کے معنیٰ کو ذکر کیا ہے تو انہوں نے دوسرے معنیٰ یعنی اعضاء و جوارح کے انوار الٰہیہ سے منور ہونے کی نفی بھی نہیں کی اور نہ ہی اس کا انکار کیا ہے، علامہ سرفراز صاحب وغیرہ دوسرے معنیٰ کے انکار اور اس کی تردید درپے ہیں حالانکہ فہم عوام سے بالاتر ہونے کی بنا پر کسی معنیٰ کے بیان

سے سکوت و اختیار کرنا علیحدہ امر ہے اور اس کا انکار کر دینا علیحدہ امر
لہٰذا منکرین کے لیے ایسے حوالہ جات سے تمسک و استدلال کی کوئی گنجائش
نہیں ہے۔

نوٹ: حدیثِ قدسی کے اس معنیٰ و مفہوم پر مزید بہت سے حوالہ
پیش کیے جا سکتے ہیں مگر طوالت کا خوف مانع ہے اور اگر اللہ تعالیٰ
انصاف نصیب کرے تو مذکورہ حوالہ جات میں کافی و وافی سامانِ بصیرت
ہدایت موجود ہے اور انہیں سے ہی حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں
جاتی ہے کہ مقامِ محبوبیت پر فائز حضرات اپنے تمام حواس اور اعضاء
قدرت و قوت میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال کے مظاہر اور نمونے ہوتے
ہیں۔ اور مختلف اطوار اور انداز میں اہلِ دنیا کی امداد و اعانت فرما
رہتے ہیں اور جب وہ خود بخود ایسے احسانات اور نوازشات فرماتے
رہتے ہیں تو ان سے اپیل کرنے اور امداد و اعانت طلب کرنے پر وہ
بالضرور ہی باذن اللہ امداد و اعانت فرمائیں گے نہ کہ اس وقت غافل
بے خبر و مجبور و معذور ہو جائیں گے۔ العیاذ باللہ۔

دلیلِ دوازدہم

نور فراست اور نورِ خداوند تعالیٰ سے مشرف حضرات کا علم و ادراک
امتیاز و اختصاص امام ترمذی علیہ الرحمہ نے قولِ باری تعالیٰ

ان فی ذٰلک لاٰیٰت للمتوسمین

تحت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ ثم قراء ان فی ذٰلک للاٰیٰت للمتوسمین

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے پھر آپ نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بیشک اس میں آیات اور دلائل ہیں آثار اور علامات کے ساتھ استدلال کرنے والوں کے لیے۔

اور امام ترمذی نے بعض اہلِ علم کے حوالے سے متوسمین کی تفسیر متفرسین ذکر فرمایا:

یعنی نورِ فراست حاصل کر لینے والوں کے لیے دلائل و امارات ہیں۔

(جامع ترمذی ابواب التفسیر جلد ثانی ص ۱۴۵ - تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۲ ج ۲ - تفسیر درمنثور ص ۱۰۳ ج ۴)

(تفسیر ابن جریر ص ۳۱-۳۲ ج ۱۴)

اب فراست کے متعلق علماءِ اعلام، اساطینِ علم اور اکابرینِ ملت کی تصریحات ملاحظہ فرمادیں:

۱ - علامہ ابنِ حجر ہیتمی اولیاء کرام کے لیے علمِ غیب ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یکفی دلیلا قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخبر الصحیح، ان فی امتی ملھمون او محدثون ومنھم عمر - وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا

فراسة المومن فانه ينظر بنور الله (الیٰ) وسئل بعضهم عن الفراسة فقال ارواح تتقلب فی الملكوت فتشرف علیٰ معان الغيوب فتنطق عن اسرار الخلق نطق مشاهدة وعيان لانطق ظن وحسبان ۔ (فتاویٰ حدیثیہ صفحہ ۲۷۵)

یعنی اولیاء کرام کے علمِ غیب پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کافی و وافی دلیل ہے جو حدیث صحیح میں وارد ہے کہ میری اُمت میں ملہم یا محدّث موجود ہیں اور ان میں عُمر فاروق بھی ہیں۔ نیز آپ کا یہ فرمان کہ مومن کی فراست سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ وُہ اللہ تعالیٰ کے نُور سے دیکھتا ہے۔ اور بعض اکابر سے فراست کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کچھ ارواح ملکوت میں گردش کرتے رہتے ہیں اور وُہ غیبی امور پر مطلع ہوتے ہیں پس وُہ اسرارِ خلق کے متعلق مشاہدہ و معائنہ کے بعد خبر دیتے ہیں نہ ظن و گمان پر مبنی خبر اور اطلاع دیتے ہیں۔

۲۔ علامہ شہاب الدّین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء للقاضی عیاض میں لطائف المنن لابن عطاء اللہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

اطلاع العبد علیٰ غيب من غيوب الله بنور منه بدليل ، اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله ، لا يستغرب وهو معنیٰ قوله كنت بصره الذی يبصر به فمن كان الحق بصره

فاطلاعه علی غیبه غیر مستغرب ۔ (ص ۳۷۶)

یعنی بندے کا اللہ تعالیٰ کے غیبوں میں سے کسی غیب پر مطلع ہونا اس کے ہی نور سے اس دلیل کے ساتھ کہ مومن کی فراست سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے کوئی انوکھا اور تعجب خیز امر نہیں ہوسکتا اور یہی معنیٰ ہے (حدیث قدسی میں وارد اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا) میں اس بندہ محبوب کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ دیکھتا ہے لہٰذا حق سبحانہٗ و تعالیٰ جس کی آنکھ بن جائے تو اس کا غیب پر مطلع ہونا کوئی انوکھا اور اچنبھے کی بات نہیں ہے ۔

۴۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری شرح البخاری ص ۳۴۳ ج ۱۲ میں ابن السمعانی کے حوالے سے اس حدیث

اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ

کے متعلق فرماتے ہیں :

ونحن لا ننکر ان اللہ یکرم عبدہ بزیادۃ نور منہ یزداد بہ نظرہ ویقوی بہ رأیہ و (الیٰ) وانما ھو نور یختص اللہ بہ من یشاء من عبادہ ۔ الخ ۔

اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ محبوب کو نوازتا ہے ایسے زائد نور کے ساتھ کہ جس کی بدولت اس کی نظر اور بصارت و بصیرت ترقی پا جاتی ہے اور رائے اور نظریہ قوی ہوجاتا ہے (تا) اور یہ ایسا نور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ مخصوص ٹھہراتا ہے اپنے بندوں

میں سے جس کو چاہے۔

۴۔ علامہ علی قاری علیہ الرحمہ مرقات شرح مشکوٰۃ ص۲۶۴ ج۱ پر فرماتے ہیں:

والفراسۃ علم ینکشف من الغیب بسبب تفرس آثار الصور اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ فالفرق بین الالہام والفراسۃ انہا کشف الامور الغیبیہ بواسطۃ تفرس آثار الصور والالہام کشفہا بلا واسطۃ۔

فراست وہ علم ہے کہ جس کا غیب سے انکشاف ہوتا ہے صورتوں کے آثار میں غور و تأمل سے۔ مومن کی فراست سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے پس الہام اور فراست میں فرق یہ ہے کہ فراست امور غیبیہ کا انکشاف ہے صور و اشکال کے آثار میں غور و تأمل کے واسطہ سے اور ان کا بلا واسطہ منکشف ہونا الہام ہے۔

فائدہ: علامہ ابن کثیر کی درج کردہ روایات کے مطابق حدیث مذکور اور اس کے ہم معنیٰ اور مؤید و مؤکد روایات حضرت انس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس بن مالک۔ حضرت ثوبان اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے مروی و منقول ہیں، اور امام ترمذی کے علاوہ ابن جریر اور حافظ ابوبکر بزار نے ان کو مختلف اسانید کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ اور علامہ سخاوی کی تصریح کے مطابق اس کو ہروی، طبرانی اور ابونعیم نے بھی روایت کیا ہے، اور عسکری نے بھی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ والی روایت ذکر کی ہے اور عسکری

نے حضرت ابُوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت نقل کی ہے:

اتقوا فراسۃ العلماء فانھم ینظرون بنور اللہ انہ یقذفہ اللہ فی قلوبھم والسنتھم ۔

یعنی علماء کی فراست سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ وُہ اللہ تعالیٰ کے نُور سے دیکھتے ہیں اور وُہ ایسی شَے ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے قلوب میں القا فرماتا ہَے اور زبانوں پر جاری فرماتا ہَے ۔

بالخصوص طبرانی، بزار اور ابُو نعیم نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے:

ان للہ عباداً یعرفون النّاس بالتوسم ۔

اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو لوگوں کو غور و تامل اور آثار و اشکال سے پہچان لیتے ہیں ۔

اور اسی کا مؤید ہے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عمران بن حصین کو فرمانا جبکہ انہوں نے آپ کی دستار مُبارکہ کا کنارہ پیچھے سے پکڑا تھا۔

واعلم ان اللہ یحب الناظر الناقد عند مجیٔ الشبہات

خُوب جان لے کہ اللہ تعالیٰ محبُوب رکھتا ہے تنقیدی نظر سے دیکھنے والے کو شبہات کے وارد ہوتے وقت ۔ (ص ۴۲)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث کے طور پر دیلمی نے اس طرح نقل کی ہے:

المؤمن ینظر بنور اللہ الذی خلق منہ ۔ (مقاصد حسنہ للسخاوی ص ۴۳۶)

مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے جس سے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ اور امام سیوطی علیہ الرحمہ کی تصریح کے مطابق اس کو بخاری نے تاریخ میں نقل کیا اور حکیم ترمذی اور ابن السنی وغیرہم نے بھی نقل کیا ہے۔

لہٰذا اس حدیث پر وضع کا حکم لگانا تو سراسر لغو ہے اور ضعیف کہنا بھی خلافِ تحقیق ہے کیونکہ بعض روایات سندِ حسن کے ساتھ مروی ہیں علاوہ ازیں تعددِ طرق اور کثرتِ اسانید سے بھی ضعف دور ہو جاتا ہے اور روایت درجۂ حسن تک پہنچ جاتی ہے، بالخصوص جبکہ حدیث صحیح کا یہ جملہ

"وبصره الذی یبصر به"

اس کی معنوی صحت کی واضح دلیل اور روشن برہان ہے اور اس کی علماءِ اعلام نے تصریح فرمائی ہے۔

نیز علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس کی تحسین فرمائی ہے، اور دیگر علماءِ اعلام نے بھی:

کما قال عبد اللہ محمد صدیق محشی المقاصد الحسنة

بل هو حدیث حسن کما قال الحافظ الهیثمی وغیره۔

(مقاصد حسنہ للامام السخاوی رحمہ اللہ ص ۴۲)

وجہِ استدلال وطریقِ احتجاج

الغرض ان احادیثِ مبارکہ اور ان کے ضمن میں علماءِ اعلام کے تشریحی اقوال اور آیاتِ مبارکہ سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اور

اولیاءِ عظام علیہم الرضوان کے نفوس وارواح اللہ تعالیٰ کے خصوصی انوار و تجلیات کے ساتھ منور و مستنیر ہونے کی بدولت قوتِ مدرکہ اور قوائے محرکہ میں اور حواسِ ظاہرہ اور باطنہ میں اور ادراکاتِ عقلیہ میں عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں، نہ علم و ادراک اور بصیرت و فراست میں ان کا کوئی مماثل ہو سکتا ہے اور نہ تدبیر و تصرف اور قدرت و طاقت اور صلاحیت و استعداد میں اور نفس و روح کی اسی تجرید و لطافت اور صفا و نورانیت پر ہی معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیاء کا دارومدار ہے۔

معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیاء کا دارومدار

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز نے علومِ ظاہرہ و باطنہ کے مجمع البحرین جناب سید عبدالاول جونپوری کے حوالے سے اخبار الاخیار میں اس موضوع پر بہت عمدہ بحث نقل فرمائی ہے ان کے ارشادات کا ملخص آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ (ص ۲۵۵)

روحِ حیوانی، روحِ انسانی اور قلب ہر بدن میں جزئی حقیقی ہیں اور دوسرے بدن کے روح و قلب کے مغایر ہیں لیکن سر خفی کے متعلق ظاہر یہی ہے کہ ان میں سے ہر ایک ایسی روح اور فرشتہ ہیں جو واحد اور جزئی ہونے کے باوجود تمام ابدان کے ساتھ نفوس و ارواحِ انسانیہ کیساتھ متعلق ہیں اور تمام میں متصرف ہیں۔ اور روحِ واحد کا تعلق ابدانِ کثیرہ کیساتھ بیان کرنا آسان ہے مثلاً انسانی نفس بدن میں اور اس کے تمام اعضاء اور اجزا

بس متصرّف ہے تو ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک نفس ایسا قوی ہے جو کہ جس طرح بدن میں تصرّف کرتا ہے اسی طرح تمام مکان اور اس کے در و دیوار میں بھی تصرّف کرتا ہے بایں معنیٰ کہ شرقی دیوار کو غربی بنا دے اور غربی کو شرقی و علیٰ ہٰذا القیاس اس سے بھی قوی تر نفس ہو جو پورے شہر میں متصرّف ہو اور شہر اس کے لیے اعضاء و جوارح کی مانند ہو جاتے اور ایسے ہی ایک نفس ایسا ہو کہ تمام اقلیم میں متصرّف ہو۔ اور ایک نفس ایسا ہو کہ وہ تمام عناصر میں متصرّف ہو اور ایک نفس ایسا قوی ہو کہ تمام افلاک اور عناصر میں تدبیر و تصرف کا مالک ہو مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام کی روح کیلئے تمام افلاک اور عناصر بدن کی مانند ہیں اور ساتوں آسمانوں کو محیط ہے۔ اور اس لیے اس کا مقام سدرۃ المنتہیٰ ہے جو کہ ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ

ادرك عبدی یوسف

میرے بندے یوسف کو پہنچ کر اپنی تحویل میں لے۔

چنانچہ وہ ابھی کنویں کی تہ تک نہیں پہنچے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے انہیں اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور آرام سے نیچے اتارا پس جبریل علیہ السلام کے متعلق یہ نہیں کہیں گے کہ انہوں نے سات ہزار سال کی راہ کو ایک لحظہ میں

طے کر لیا اور کنوئیں میں پہنچ گئے۔ بلکہ ساتوں آسمان اور عناصر ان کے اعضا ہیں اور ان کا سارے جہاں میں تصرف یوں ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے اعضاء بدن میں تصرف کرے۔ گویا حضرت جبریل علیہ السلام کی گردن کے ہار سے ایک موتی ٹوٹ کر گرا اور ابھی ان کے سینہ تک نہ پہنچا تھا کہ انہوں نے اسے اپنے ہاتھ پر اٹھا لیا۔

اور ایسے ہی حضرت عزرائیل علیہ السلام کی رُوح کے لیے تمام ارواح اعضاء وجوارح کی مانند ہیں لہٰذا ان کا تصرف ارواح کے قبض کرنے میں اسی طرح ہے جس طرح کوئی آدمی اپنے اعضاء میں تصرف کرے۔

وتصور این معنی اساس اثبات معجزاتِ انبیاء علیہم السلام وکراماتِ اولیاء علیہم الرضوان ہست چہ نفس نبی وولی قوتے می یابد کہ در خارج بدن تصرف میکند ہمچناں کہ در بدن وچوں رُوحِ مقدس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانِ ہمہ عالم است باید کہ در ہمہ اجزاء عالم متصرف باشد واز ینجاست کہ باشارت قمر را دو شق کرد گویا فضلۂ ناخن را از ناخن جدا فرمود۔ (ص۲۵۵)

اور رُوح کے اسی مقام ومرتبہ کا تصور معجزاتِ انبیاء علیہم السلام اور کراماتِ اولیاء علیہم الرضوان کے اثبات کے لیے اساس اور بنیاد ہے کیونکہ نبی اور ولی کا نفس ورُوح ایسی قُدرت وقوت حاصل کر لیتا ہے کہ بدن سے باہر (دوسری اشیاء میں اسی طرح) تصرف کرتا ہے جیسے کہ اپنے بدن میں اور جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نفسِ اطہر اور رُوحِ منور تمام جہان کی جان ہے تو چاہیے کہ تمام جہان میں متصرف ہو اور یہی وجہ ہے کہ

آپ نے اشارہ سے چاند کو دو لخت فرما دیا گویا ناخن کے زائد حصّہ کو ناخن سے جُدا فرما دیا۔

اور یہ حقیقت بھی مدلّل انداز میں بیان ہو چکی کہ کاملین کے وصال کے بعد ان کی ارواح مدبرات امر میں سے بن جاتی ہیں اور ملاء اعلیٰ کے ساتھ شامل ہو کر اللہ تعالیٰ کے اذن اور مشیت کے مطابق تدبیر و تصرف فرماتے ہیں اور اہلِ ایمان و اسلام کی بالخصوص مدد فرماتے ہیں لہٰذا ان سے ان کی شان کے لائق استمداد و استعانت کرنا اسی طرح جائز اور مباح اور درست اور روا ہوگا جیسے کہ حیاتِ ظاہریہ میں مباح اور مستحسن تھا۔ حیاتِ ظاہرہ دنیویہ اور حیاتِ برزخیہ میں فرق کرنا سراسر غلط ہے بلکہ بعض اکابر کے نزدیک بعد از وصال امداد و اعانت قوی طریقہ پر پائی جاتی ہے جیسے کہ حضرت شیخ محقق نے حضرت شیخ زروق رحمہ اللہ سے نقل فرمایا اور علامہ اسمٰعیل حقی نے اکابر کے حوالے سے اس حقیقت کو اُجاگر فرمایا۔ اور بہت سے حوالہ جات حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ابن القیم حنبلی اور دیگر اعلام کی تصریحات پر مشتمل ذکر کیے جا چکے ہیں لہٰذا منکرین کا ان مقبولانِ خداوند تعالیٰ کو بعد از وصال اس جہان سے اور اس کے باسیوں سے اور بالخصوص امداد و اعانت کے طلبگاروں سے بیخبر اور غافل کہنا اور اصنام و اوثان والی آیات ان پر منطبق کرتے ہوئے انکی امداد و اعانت سے بھی عاجز و قاصر اور مجبور و معذور قرار دینا سراسر لغو اور باطل ہے اور ان آیات و احادیث اور اکابرینِ اُمت اور مقتدایانِ ملت کی تکذیب کے مترادف ہے۔

۵۔ علامہ ابن القیم کتاب الروح میں فرماتے ہیں :

ھٰذہ الفراسة نشأت له من قربه من الله فان القلب اذا قرب من الله انقطعت عنه معارضات السوء المانعة من معرفة الحق وادراکه وکان تلقیه من مشکوٰة قریبة من الله تعالیٰ بحسب قربه منه واضاء له النور بقدر قربه فرأی فی ذٰلک النور مالم یره البعید والمحجوب کما ثبت فی الصحیح من حدیث ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم فیما یروی عن ربه عزوجل انه قال ما تقرب الیّ عبدی بمثل ما افترضت علیه ولا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل (الیٰ) فاخبر سبحٰنه ان تقرب عبده منه یفیده محبته له فاذا احبه قرب من سمعه وبصره ویده ورجله فسمع به وابصر به وبطش به ومشی به فصار قلبه کالمرأة الصافیة تبدو فیها صور الحقائق علیٰ ما هی علیه فلا تکاد تخطی له فراسة فان العبد اذا ابصر بالله ابصر الامر علیٰ ما هو علیه فاذا سمع بالله سمعه علیٰ ما هو علیه ولیس هٰذا من علم الغیب بل علام الغیوب قذف الحق فی قلب قریب

مستنیر بنوره غیر مشغول بنقوش الاباطیل والخیالات والوساوس التی تمنعه من حصول صور الحقائق فیه و اذا غلب علی القلب النور فاض علی الارکان وبادر من القلب الی العین فکشف بعین بصره بحسب ذلک النور۔ (ص ۲۲۸)

یہ فراست بندۂ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کے قرب سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ قلب جب اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے تو اس سے وُہ تمام بُرائی والے معارضات اور موانع دُور ہو جاتے ہیں جو معرفت حق تعالیٰ اور اس کے ادراک سے باز رکھتے ہیں اور اس کو معرفت و علم کا حصول اللہ تعالیٰ کے قریب والی مشکوٰۃ نُور سے ہوتا ہے اپنے قرب کے مطابق اور اس کے لیے نُورِ حق روشن ہوتا ہے اپنے قرب کے مطابق تو یہ اس نُور کی ضیا میں وُہ کچھ دیکھتا ہے جس کو بعید اور محجوب نہیں دیکھ سکتا جیسے کہ صحیح بُخاری میں حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نقل کی ہے ان احادیث میں سے جو آپ اپنے رب عزّوجل سے روایت فرماتے ہیں۔

کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں قریب ہوا مجھ سے کوئی میرا بندہ مثل قریب ہونے اس کے ان امور کے سبب جو میں نے اس پر فرض کیے ہیں اور ہمیشہ قریب ہوتا رہتا ہے نوافل کے ذریعے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں پس جب میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں

جس سے سُنتا ہے، اور اس کی آنکھ جس سے دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ جس کے ساتھ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے چلتا ہے پس وُہ میرے ساتھ ہی سُنتا ہے اور میرے ساتھ ہی دیکھتا ہے اور میرے ساتھ ہی پکڑتا ہے اور میرے ساتھ ہی چلتا ہے۔

پس اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے خبر دی کہ بندے کا اللہ تعالےٰ سے قرب اس کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا فائدہ دیتا ہے پس جب وُہ بندے کو محبُوب بنا لیتا ہے تو وُہ بندے کی سمع و بصر اور ہاتھ و قدم کے قریب ہو جاتا ہے پس وُہ اس کے ذریعے سُنتا ہے اور اسی کے ذریعے دیکھتا ہے اور اسی کے ساتھ پکڑتا اور اسی کے ساتھ چلتا ہے تب اس کا دل صاف و شفاف آئینہ کی مانند ہو جاتا ہے جس میں حقائق اپنی واقعی حالت و کیفیّت کے مطابق نمایاں ہوتے ہیں تو اس وقت اس کی فراست خطا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھتا ہے تو وُہ ہر چیز کو اس کی نفس الامری حالت میں دیکھتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو سُنے تو اس کو بھی واقعی حالت و کیفیّت کے مطابق سُنتا ہے۔

اور یہ علمِ غیب کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ علام الغیوب نے حق کو اس دل میں ڈال دیا جو اس کے قریب ہے اور اسی کے نُور سے منوّر ہے اور ایسے باطل نقوش اور خیالات و وساوس کے ساتھ مشغول نہیں جو حقائق کی صورتیں اس میں حاصل ہونے میں مانع ہوں۔ اور نُور کا جب دل پر غلبہ ہوتا ہے تو ارکان و اعضاء کی طرف فوری طور پر سرایت کرتا ہے اور دل سے فوراً

آنکھ کی طرف پہنچ جاتا ہے تو اس نُور کے مطابق اس کی آنکھ پر انکشاف ہو جاتا ہے۔

وقد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یریٰ اصحابہ فی الصلوٰۃ وھم خلفہ کما یرا ھم امامہ ورأی بیت المقدس عیاناً وھو بمکۃ ورای قصور الشام وابواب صنعاء ومدائن کسریٰ وھو بالمدینہ یحفر الخندق ورأی امراءہ بموتۃ وقد اصیبوا وھو بالمدینۃ ورأی النجاشی بالحبشۃ لما مات وھو بالمدینۃ فخرج الی المصلی فصلّی علیہ۔

رسولِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو نماز میں مشاہدہ کرتے تھے باوجود پس پشت ہونے کے جیسے کہ سامنے سے دیکھا کرتے تھے اور آپ نے بیت المقدس کو سر کی آنکھوں سے دیکھا جبکہ آپ مکہ مکرمہ میں تھے اور آپ نے خندق کی کھدائی کے دوران شام کے محلات اور صنعاء کے دروازے اور کسریٰ کے شہر مدائن کو مشاہدہ فرمایا اور آپ نے اپنے امرائے لشکر کو شہادت پاتے موتہ میں دیکھا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں تھے اور جب حضرت نجاشی ؓ کا انتقال ہُوا تو اس کو حبشہ سے دیکھ لیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں تھے تب آپ جنازگاہ کی طرف نکلے اور ان پر نمازِ جنازہ پڑھائی۔

ورای عمر ساریة بنهاوند من ارض فارس هو وعساکر المسلمین وهم یقاتلون عدوهم فناداه یاساریة الجبل ودخل علیہ نفر من مذحج فیھم الاشتر النخعی فصعد فیہ النظر وصوبه وقال ایھم ھذا؟ قالوا مالک بن الحارث فقال ماله قاتله الله انی لاری للمسلمین منه یومًا عصیبًا۔ (ص۲۳۹)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کمانڈر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو فارس کے علاقہ نہاوند سے دیکھ لیا اور مسلم عساکر کو بھی جب کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ برسرپیکار تھے پس پکار کر کہا اے ساریہ پہاڑ کو لازم پکڑو۔ اور قبیلہ مذحج کی ایک جماعت آپ پر داخل ہوئی جن میں اشتر نخعی بھی تھا آپ نے اس کو بغور اوپر سے نیچے تک دیکھا اور دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ مالک بن حارث ہے۔ آپ نے فرمایا اسے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے۔ بیشک میں اس سے مومنین کے لیے سخت ترین دن دیکھ رہا ہوں۔

وھذا عثمان بن عفان دخل علیہ رجل من الصحابة وقد رای امرءة فی الطریق فتامل محاسنھا فقال له عثمان رضی اللہ عنه یدخل علی احدکم واثر الزنا ظاھر علی عینیه فقلت أوحی بعد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال لا ولکن

تبصرۃ وبرہان و فراسۃ صادقۃ ۔

اور یہ ہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں ایک صحابی حاضر ہُوئے جنہوں نے راستے میں ایک عورت کو دیکھا اور اس کے حسن وجمال کا خُوب غور اور غائر نظر سے جائزہ لیا تو آپ نے فرمایا تم میں سے ایک شخص مجھ پر داخل ہوتا ہے اور زنا کے آثار اس کی آنکھوں پر نمایاں ہوتے ہیں ۔ (وُہ صحابی کہتے ہیں)، تو میں نے عرض کیا کہ رسُولِ کریم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم کے بعد بھی وحی (نازل ہونے لگی) ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں یہ وحی نہیں ہے بلکہ بصیرت اور قوی دلیل اور فراستِ صادقہ ہے ۔

ان کے علاوہ علامہ ابن القیم نے بہت سے واقعات فراستِ صادقہ کے ذکر کیے اور آخر میں بطورِ تفریع اور نتیجہ فرمایا :

فھٰذا شان الفراسۃ وھی نور یقذفہ اللہ فی القلب فیخطر لہ الشیٔ فیکون کما خطر لہ و ینفذ الی العین فیری ما لا یراہ غیرھا ۔ (ص ۲۴۰)

پس یہ ہے فراست کا شان اور یہ ایک نُور ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتا ہے پس اس میں ایک چیز کھٹکتی ہے اور اسی طرح ہو جاتی ہے جیسے کہ کھٹکے اور وہی نُور آنکھ کی طرف نفوذ و سرایت کرتا ہے پس وُہ آنکھ جو کُچھ دیکھتی ہے جو دُوسری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں ۔

تنبیہ نبیہ : علامہ ابن القیم کی اس طویل عبارت سے ترمذی شریف

کی اس حدیث کی تشریح و توضیح بھی ہوگئی اور بخاری شریف والی حدیث قدسی کی تشریح اور تفسیر بھی ہوگئی اور مزید دلائل بھی قائم ہوگئے جن سے واضح ہو گیا کہ کاملین عباد انبیاء و رسل اور اولیاء کرام اور محبوبانِ خداوند تعالےٰ اللہ تعالیٰ کے انوار سے منور ہو جاتے ہیں اور انکی جسمانی و روحانی قوتوں کا اور مشاعر و حواس اور عقل و خرد کا منبع و سرچشمہ وہی نور ہوتا ہے اور جتنا زیادہ قرب کسی کو نصیب ہوگا اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کا نور ان میں منعکس ہوگا اور اسی قدر اس کی روحانی اور قلبی اور جسمانی و قالبی قوتیں روشن و مستنیر ہونگی اور دارِ تکلیف میں ہوتے ہوئے جب ان کے علم و ادراک اور سمع و بصر اور قوۃ اخذ و بطش وغیرہ میں عام اہلِ اسلام کی نسبت بعد بعید اور بین و واضح فرق ہے تو دارِ برزخ اور عالمِ آخرت میں یہ فرق مزید نمایاں اور اجاگر ہوگا کیونکہ وہ تو ہے ہی خوارق عادات کا عالم اور اس میں یہ کاملین ملاء اعلیٰ کے ساتھ لاحق ہوتے ہیں اور کارکنانِ قضاء و قدر میں شامل ہو چکے ہوتے ہیں تو ان میں غیب اضافی کا علم و ادراک اور دائرہ تدبیر و تصرف میں معائنہ و مشاہدہ اور باذن اللہ امداد و اعانت اور تدبیر و تصرف تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہے اور اس کا انکار سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے۔ آیات و احادیث سے اعراض و روگردانی ہے اور اکابرینِ ملت کے بیان کردہ معانی و مطالب سے انحراف و استنکار ہے اور واقعات و حقائق کا جحود و انکار ہے جو عام مومن کے بھی لائق نہیں چہ جائیکہ کسی عالم کے لائق ہو اور جس طرح کی

کی استمداد و استعانت ان سے دنیوی اور ظاہری حیاتِ طیبہ میں ہوسکتی تھی اس قسم کی استمداد و استعانت بعد از وفات اور وصال بھی جائز اور صحیح ہے کیونکہ اپنی شان کے لائق امداد و اعانت کرنا رُوح کا کام ہے اور وُہ زندہ ہے اس پر موت وارد نہیں ہوتی بلکہ موت بدن پر وارد ہوتی ہے اور بدن کا غلاف الگ ہونے سے رُوح کی نورانیت اور ان کی قوتیں مزید نکھر جاتی ہیں اور جب دنیوی زندگی میں تقیید جسم و اور پابندیٔ بدن کے باوجود مکتسب نورانیت سے دُور و نزدیک یکساں ہو جاتے ہیں اور دیکھنے سُننے اور پکڑنے پہنچنے میں بعد مسافت حائل نہیں ہوتا تو اس اطلاق اور تجرد کے بعد بطریقِ اولیٰ اور ملیک مقتدر کے حضور محبوبیت کی مسند نشینی کے بعد باحسن طریقِ امداد و اعانت ہو سکتی ہے۔

رُوح کے لیے قرب بُعد یکساں ہیں

اگرچہ ہمارے پیش کردہ حوالہ جات سے یہ حقیقت عیاں اور مستغنی از بیان ہو چکی ہے لیکن مزید چند حوالے پیش خدمت ہیں تاکہ اہلِ تسلیم کے لیے مزید تسکین و اطمینان کے موجب بن جائیں اور متردد دین و مذبذبین کے لیے ہدایت و ارشاد کا ذریعہ و وسیلہ بن سکیں۔

وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

۱- حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

ارواح نیکاں بعد از قبض در آں جا (علیین) می رسند و مقربان یعنی انبیاء و اولیاء در آں مستقر میمانند و عوام صلحاء بعد از نویسانیدن و رسانیدن عملہائے برحسب مراتب در آسمان دنیا یا درمیان آسمان و زمین یا در چاہ زمزم قرار می دہند و تعلق بقبر نیز ایں ارواح را میباشد کہ بحضور زیارت کنندگان و اقارب و دیگر دوستان بر قبر مطلع و مستانس میگروند زیرا کہ روح را قرب و بعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود۔ (ص ۔۔ ج عم)

نیک لوگوں کی ارواح قبض کیے جانے کے بعد علیین کے مقام میں پہنچ جاتی ہیں اور مقربانِ خداوند تعالیٰ یعنی انبیاء اور اولیاء اسی مقام میں قرار پکڑتے ہیں اور عام صلحاء کی ارواح کے نام اعلیٰ علیین میں لکھوانے اور وہاں پہنچانے کے بعد ان کے مراتب و درجات کے مطابق آسمانِ دنیا میں یا آسمان و زمین کے درمیان یا زمزم کے چشمہ میں ٹھکانہ دیتے ہیں اور ان روحوں کو قبر کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے حتیٰ کہ زیارت کرنے والوں کی حاضری اور اقارب اور دوست احباب کی قبر پہ آمد سے مطلع ہو جاتے ہیں اور انس و راحت حاصل کرتے ہیں۔

کیونکہ روح کے لیے مکان کے لحاظ سے قریب یا بعید ہونا اس علم و ادراک میں مانع نہیں ہوسکتا۔

۲- علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں :

ان البعد علیٰ مذھبنا غیر مانع من السماع (ص۲۳ ج۱۴)

ہمارے (اہل السنت کے) مذہب میں بعد مسافت سننے میں مانع نہیں ہو سکتا۔

۳۔ علامہ ابن قیم حنبلی فرماتے ہیں:

فللروح المطلقة من اسر البدن و علائقه وعوائقه من التصرف والقوة والنفاذ والهمة وسرعة الصعود الی الله والتعلق بالله مالیس للروح المهینة المحبوسة فی علائق البدن وعوائقه فاذا کان هذا و هی محبوسة فی بدنها فکیف اذا تجردت وفارقته واجتمعت فیها قواها و کانت فی اصل شانها روحا علیة زکیة کبیرة ذات همة عالیة فهذه لها بعد مفارقة البدن شان اٰخر وفعل اٰخر

کتاب الروح۔ (ص۱۰۳)

بدن کی قید سے آزاد اور بدنی تعلقات اور موانع سے مبرا رُوح کے لیے ایسا تصرف اور قوت و طاقت اور نفوذ و سرایت اور اللہ تعالیٰ کی طرف فوری طور پر بلند ہونے اور اس سے تعلق قائم کرنے کی صلاحیت و استعداد حاصل ہوتی ہے جو حقیر اور بدن کی قید میں مقید اور بدنی تعلقات اور موانع میں جکڑی ہوئی رُوح کو حاصل نہیں ہوتی اور روح کا جب بدن میں مقید و محبوس ہوتے ہوئے یہ حال ہے تو اس وقت اس کی حالت کیا ہو گی جب بدن سے مجرد ہو جائے اور جُدا ہو جائے اور اس میں اس کی

تمام تر قوتیں جمع ہو جائیں اور اپنی حالت کے اعتبار سے بھی عالی مرتبت پاکیزہ فطرت، عظیم المقدار اور بلند ہمت ہو تو بدن سے مفارقت اور جدائی کے بعد اس کی شان نرالی ہوگی اور فعل و تاثیر بھی انوکھی ہوگی۔

۴ - جناب حسین احمد صاحب مدنی شہاب ثاقب میں علامہ رشید احمد گنگوہی کے حوالے سے لکھتے ہیں :

مرید ہم بہ یقین داند کہ روح شیخ مقید بیک مکان نیست پس مرید ہر آنجا کہ باشد اگرچہ از شخص شیخ دور است اما از روحانیت او دور نیست

یعنی مرید کو یقین رکھنا چاہیے میرے شیخ کی روح کسی ایک مکان کی پابند نہیں ہے لہٰذا مرید جہاں کہیں بھی ہو وہ اگرچہ اپنے شیخ کے بدن سے دور ہے لیکن اس کی روح سے دور نہیں ہے۔

نیز یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ روح نورانی مخلوق ہے اور "امرِ کن" سے پیدا ہونے والی ہے اربعہ عناصر سے اس کی تخلیق نہیں ہوئی جیسے کہ امام رازی فرماتے ہیں :

ان الارواح البشریۃ من جنس الملٰئکۃ

تو جس طرح کا تجرد نوریوں اور ملائکہ میں ہے اور دور سے سننے اور دیکھنے کی صلاحیت و استعداد ان میں موجود ہے لامحالہ اس میں بھی ہونی چاہیے بشرطیکہ اس کا جوہر اصلی بحال کر دیا گیا ہو اور بدنی آلائشوں اور آلودگیوں سے اس کو منزہ و مبرا کر دیا گیا ہو اور اس کا اصل جوہر نکھر چکا ہو

حضرت ملک الموت فرد واحد ہونے کے باوجود تمام جانداروں کی

رُوح قبض کرتے ہیں اور یہ تبھی ممکن ہے کہ ان کی مدتہائے عمر سے آگاہ ہوں اور کس جگہ ان پر موت واقع ہوتی ہے اور کس لئے رُوح قبض کرنی ہے، اور اس وقت وُہ کہاں پر موجود ہیں اور پھر ان میں قدرت وطاقت بھی اتنی ہونی چاہیے کہ بیک وقت لاکھوں کروڑوں کی ارواح کو قبض کر سکیں چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

ذهب الجمهور من العلماء الٰی ان ملك الموت لمن يعقل ومن لا يعقل من الحيوان واحد وهو عزرائيل عليه السلام وكذا فی فتاوٰی حديثيه ص۲

(رُوح المعانی ص۱۱۳ ج ۲۰)

جمہور علماء کرام کا مذہب یہ ہے کہ عقل وعلم والی اشیاء اور بے عقل و بے علم اشیاء کا موت والا فرشتہ ایک ہی ہے اور وہ ہیں حضرت عزرائیل علیہ السلام اور ان کی ملکی اور نُورانی قوّت کے مقابل پوری دُنیا تھالی اور پیالہ کی مانند ہے جیسے رسُولِ معظّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا :

الدنيا بين يدی ملك الموت كالطست بين يدی الرجل اخرجه ابُوالشيخ - جعلت الارض لملك الموت مثل الطست يتناول منها حيث يشاء

(شرح الصدور ص۱۸)

پوری دُنیا اس کے سامنے طشت کی مانند ہے وُہ جہاں سے چاہے ارواح کو پکڑ لیتا ہے۔

اور خود ملک الموت کا بیان ہے :

ان اللہ سخر لی الدنیا فھی کالطست یوضع قدام احدکم فتناول من اطرافھا ماشاء کذٰلک الدنیا عندی ۔ (شرح الصدور صفحہ ۱۹)

کہ پوری دُنیا میرے سامنے اللہ تعالیٰ نے مسخر فرما دی ہے پس وہ میرے سامنے ایسے ہے جیسے تم میں سے کسی کے سامنے تھال رکھ دیا جائے پس وہ اس کے اطراف سے جہاں سے چاہتا ہے لے لیتا ہے ۔

۲۔ جمہور کے مذہب کے مطابق منکر اور نکیر صرف دو شخص ہیں جو ہر میت کی قبر میں موجود ہوتے ہیں اور اس سے سوال وجواب میں مصروف ہوتے ہیں حالانکہ اموات کی قبور میں باہم سینکڑوں ہزاروں میلوں کا فاصلہ ہوتا ہے ۔چنانچہ علامہ محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی رسالہ علم الکلام میں لکھتے ہیں جس کا ملخص یہ ہے :

کہ ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منکر اور نکیر صرف دو فرشتے ہیں جو سوال کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور یہی قول جمہور علماء کا ہے اور ان کو کراماً کاتبین کی طرح ملائکہ کی جماعت قرار دینا قول شاذ ہے ۔

۳۔ جب ہمارا امام زمین پر اپنی مسجد میں امامت کر رہا ہوتا ہے تو فرشتے اس کی اقتداء میں پرے جمائے ہوئے سطح زمین سے آسمان تک نماز میں مصروف ہوتے ہیں اور جب امام ولا الضآلین پڑھتا ہے تو فرشتے آسمانوں میں بھی اس کی ولا الضآلین پر آمین کہتے ہیں جیسے کہ بخاری شریف میں ہے :

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقولوا اٰمین فانہ من وافق تامینہ تامین الملٰئکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ ۔

اور دُوسری روایت میں ہے :

اذا قال احدکم اٰمین وقالت الملٰئکۃ فی السماء اٰمین فوافقت احدھما الاخرٰی غفرلہ ما تقدم من ذنبہ

(ص۸۸ ج ۱)

۴۔ جب رات کو خاوند بیوی کو اپنے بستر پر بُلاتا ہے اور وُہ انکار کردیتی ہے تو آسمانوں میں فرشتے ساری رات اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا الرجل امرتہ الٰی فراشہ فابت فبات غضبان لعنتھا الملٰئکۃ حتّٰی تصبح ۔

متفق علیہ اور دُوسری روایت میں اس طرح وارد ہے :

الا کان الذی فی السماء ساخطا علیھا حتّٰی یرضٰی عنھا

(مشکوٰۃ شریف)

کہ آسمان والا ہر فرد اس پر ناراض ہوتا ہے یہاں تک کہ خاوند اس سے راضی ہو جائے (تب وُہ بھی راضی ہو جاتے ہیں) ۔

۵۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :

لا تؤذی امرءۃ زوجها فی الدنیا الا قالت زوجته من الحور العین لا تؤذیه قاتلك الله فانما هو عندك دخیل یوشك ان یفارقك الینا۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ ومشکوٰۃ)

جب کوئی عورت دُنیا میں اپنے خاوند کو ایذاء اور تکلیف دیتی ہے تو حورِ عین میں سے اس کی بیوی اسے کہتی ہے اسے تکلیف نہ دے اللہ تجھے ہلاک کرے وُہ تیرے پاس چند روزہ مہمان ہے عنقریب وُہ تجھ سے جُدا ہو کر ہماری طرف آنے والا ہے۔

وُہ جنتی حُور جس کا زوجیت والا تعلق ابھی قائم نہیں ہوا بلکہ مدّت مدیدہ کے بعد قائم ہونا ہے اور وُہ جنّت کی بلندیوں پر موجود ہے مگر اتنی دُور سے دُنیا میں بیوی کے خاوند سے جھگڑنے کا اسے علم ہو جاتا ہے اور اپنے ہونے والے خاوند کی ایذاء اور تکلیف پر مطلع ہو جاتی ہے اور غم و غصہ کا اظہار کرتی ہے۔ اور ملائکہ کو بیوی کے خاوند سے ناراض ہونے کا علم بھی ہو جاتا ہے اور خاوند کو ناراض کرنے کی وجہ سے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں حالانکہ ان کا اس عورت کے خاوند سے اتنا قریبی تعلق نہ ہوتا ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے جتنا کہ نبی علیہ السّلام کو اُمّت سے اور مشائخ عظام کو اپنے مریدین و متوسلین سے اور ارواح کو اپنے ابدان اور اپنے خویش واقرباء اور دوست و احباب سے اور ایصالِ ثواب کرنے والوں سے

اور ہر وقت دُعائیں کرنے والوں سے ہے بلکہ وہ تو سراسر رُوحانی تعلق بھی ہے جو اکمل ترین ہے اور سراسر اخلاص وللّٰہیت پر مبنی ہے تو پھر ان کو بیخبر اور غافل سمجھنا کیونکر درست ہو سکتا ہے اور بالخصوص سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کا اُمّت سے کامل تر تعلق ہے اور بالمؤمنین رؤف رحیم کی شان کے بھی مالک ہیں جس طرح رحمۃ للعالمین کی شان کے مالک ہیں پھر آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اُمّت سے بے تعلّق کیونکر ہو سکتے ہیں اور آپ کے حق میں بیخبری اور لاعلمی کا دعوٰی کیونکر کیا جا سکتا ہے بلکہ سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم خود ارشاد فرماتے ہیں :

۶ - ان علمی بعد مماتی کعلمی فی حیاتی -

(خصائص ص۲۸۰ ج ۲ - الحاوی للفتاوٰی ص۱۴۲ ج ۲ - رواہ البیہقی فی حیاۃ الانبیاء والاصبہانی فی الترغیب) -

یعنی میرا علم وفات کے بعد بھی ایسے ہی ہے جیسے کہ ظاہری حیات میں۔

۷ - گھروں میں داخل ہونے پر اگر وہ خالی ہوں تو نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سلام پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے -

کما قال تعالٰی :

اذا دخلتم بیوتاً فسلموا علٰی انفسکم -

جیسے کہ عمر بن دینار سے مروی ہے :

ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ -

کہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو اس طرح کہو :

اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

اور علقمہ سے مروی ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں :

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

صَلَّی اللّٰہُ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ عَلٰی مُحَمَّدٍ ۔

اور ایسے ہی کعب احبار سے مروی ہے ۔

علامہ علی قاری فرماتے ہیں اس وقت صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کی دراصل وجہ یہ ہے :

لان رُوح النّبی صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حاضرۃ فے بیوت اھل الاسلام ۔ (شرح شفاء ص۴۶۴ ج۲)

کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رُوحِ مقدسہ اہل الاسلام کے گھروں میں جلوہ گر ہوتی ہے ۔

جبکہ اعلیٰ علیین میں بھی اس کی جلوہ گری مسلّم اور روضۂ اطہر اور بدنِ انور سے تعلق کامل بھی مسلّم ہے اور اہلِ اسلام کے گھروں میں جلوہ گری بھی ہے تو پھر آپ کو دُوری کی وجہ سے غافل اور بیخبر سمجھنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے ۔ اگر علماء دیوبند کے پیر و مرشد کی رُوح ہر مُرید کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے اور جسم کی دُوری سے اس کی رُوح سے دُور ہونا لازم نہیں آتا تو غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی ، خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین اجمیری اور خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہم

کے مُریدین و متعلقین سے ان کی ارواح کاملہ علویہ زکیہ مجردہ کی دُوری کیونکر لازم آتی ہے اور وُہ ان سے غافل و بیخبر کیونکر ہو سکتے ہیں؟

تلك اذاً قسمة ضيزیٰ۔

یہ بہت بڑی غیر منصفانہ تفریق و تقسیم ہے۔

بلکہ جب علمارِ دیوبند نے اپنی دکان چمکانی ہوتی ہے تو ان کے لیے علم وادراک بھی تسلیم کر لیتے ہیں اور فیض رسانی کے لیے صدیوں بعد پیدا ہونے والے کے گھر میں چل کر آنے اور اسے اس کے گھر کو پہچان سکنے کی قوت وطاقت بھی تسلیم کر لی جاتی ہے مگر دُوسروں کے حق میں ان کی ذات کو بھی بے علم و بیخبر اور شعور وادراک سے محروم اور تدبیر و تصرف سے عاجز و قاصر کہہ دیا جاتا ہے۔ یاللعجب

۸۔ نیز جنات و شیاطین میں محض جوہرِ ناری سے تخلیق کی وجہ سے لطافت پائی جاتی ہے مگر اس کی وجہ سے وُہ ادراکات و علوم میں اور حواس و مشاعر میں عام انسانوں بلکہ مسلمانوں سے نمایاں اور امتیازی قوت کے مالک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ

(سُورۃ الاعراف آیت ۲۷)

شیطان اور اس کا گروہ تمہیں وہاں سے دیکھ لیتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔

اور عفریت کا یہ دعویٰ:

أَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝ (سورۃ النمل آیت ۳۹)

میں بلقیس کا تخت لا دیتا ہوں تمہارے اپنے مقام سے اٹھنے سے پہلے اور میں اس پر قادر ہوں قابلِ وثوق اور لائقِ اعتبار ہوں، بھی اس کی قوت و طاقت اور حواس و مشاعر کی امتیازی حیثیت کی دلیل ہے،

۱۰- نیز ابلیس لعین کا یہ دعویٰ:

لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (سورۃ الحجر آیت ۳۹)

میں سب بنی آدم اور نسلِ انسانی کو گمراہ کروں گا۔

اور یہ دعویٰ:

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

(سورۃ الاعراف آیت ۱۶)

میں ان کے (بھکانے کیلئے) سیدھے راستے پر بیٹھ جاؤں گا اور انہیں سیدھی راہ پر نہیں چلنے دوں گا۔ وغیر ذٰلک،

اس امر کے بیّن دلائل ہیں کہ محض ناری جوہر اور عنصری لطافت کی وجہ سے شیاطین اور جنّات میں اس طرح کی قوتیں اور طاقتیں موجود ہیں، اور ان کے حواس و مشاعر دور دراز تک دیکھنے سننے اور وسوسہ اندازی وغیرہ پر قادر ہوتے ہیں۔

شیطان کی وسعتِ علم بزبانِ علماءِ دیوبند

اور علماءِ دیوبند بھی اس حقیقت کے معترف اور قائل ہیں بلکہ ابلیس لعین

کے لیے زمین کے علم محیط کو منصوص مانتے ہیں جیسے براہین قاطعہ میں علامہ خلیل احمد انبیٹھوی صاحب نے تصریح کی ہے اور علامہ رشید احمد صاحب گنگوہی نے اس کا حرف بحرف مطالعہ کر کے اس کی تائید و تصدیق کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ :

الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر علمِ محیط زمین کا فخرِ عالم کو خلافِ نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاسِ فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت، فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (ص۵۱)

لہٰذا یہ حقیقت کسی صاحبِ عقل اور مالکِ خرد سے مخفی نہیں رہ سکتی، کہ جوہر ناری کی نسبت نوری میں لطافت زیادہ ہے تو لا محالہ نوریوں میں قوتیں اور طاقتیں جنوں کی نسبت زائد ہونی چاہئیں اور ان کے علوم و ادراکات اور شعورات و احساسات بھی بیش از بیش ہونے چاہئیں اس لیے ابلیس لعین اور اس کے عساکر پر ملائکہ کو غلبہ حاصل ہے اور انہیں دیکھتے ہی یہ لعین بھاگ جاتا ہے جیسے کہ میدانِ بدر میں ملائکہ کو نازل ہوتے دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا اور کفار کے پکارنے پر کہا :

اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۠ (سورۃ الانفال ۴۸)

میں تم سے بیزار ہوں۔ میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں

اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب وعتاب والا ہے۔ اور ہمارے ذکر کردہ حوالہ جات اور بالخصوص قرب فرائض وقرب نوافل اور نورِ فراست کے متعلق وارد حدیثوں اور علماءِ اعلام کے اقوال سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ محبوبانِ خداوند تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کا مظہر بن جاتے ہیں اور سراسر نور ہو جاتے ہیں تو پھر ان کی قوتوں اور باطنی قوتوں اور علوم وادراکات کو بھی عام لوگوں سے بلکہ جنات وشیاطین سے بلکہ عام ملائکہ سے بھی زائد تسلیم کرنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے ملائکہ اور ابلیس وشیاطین کا علم الاسماء میں عجز ثابت کر کے اور آصف بن برخیا کے مقابلہ سے عفاریت وشیاطین کا عجز ثابت کر کے بتلا دیا کہ خواصِ بشر کو خواصِ ملائکہ پر فوقیت وفضیلت حاصل ہے چہ جائیکہ عوام ملائکہ اور جنات وشیاطین پر اور اولیاء محبوبین اور اوساطِ بشر کو بھی شیاطین وغیرہ پر ان امور میں فوقیت اور برتری حاصل ہے اور بالخصوص جب وہ سراسر روح بن جائیں بلکہ سراسر روح رہ جائیں اور حجابِ بدن بالکل زائل ہو جائے۔

ایک غلطی کا ازالہ

علماءِ دیوبند نے اس اندازِ استدلال پر تنقید واعتراض اور اس پر جرح قدح کرتے ہوئے کہا:

اگر فضیلت ہی موجب اس کی ہے تو تمام مسلمان اگرچہ فاسق ہوں اور خود مؤلف (صاحبِ انوارِ ساطعہ) بھی شیطان سے افضل ہیں تو مؤلف سب عوام میں بسبب افضلیت کے شیطان سے زیادہ نہیں تو اس کے

برابر تو علمِ غیب بزعمِ خویش ثابت کر دے اور مؤلف خود تو اپنے زعم میں اکمل الایمان ہے تو شیطان سے ضرور افضل ہو کر اعلم من الشیطٰن ہوگا معاذ اللہ مؤلف کے ایسے جہل پر تعجب بھی ہوتا ہے اور رنج بھی کہ ایسی نالائق بات منہ سے نکالنا کس قدر دور از علم و عقل ہے

(براہین قاطعہ مؤلفہ خلیل احمد صاحبؒ مصدقہ رشید احمد صاحب)

مگر علماء دیوبند نے یہاں پر خود غلطی کھائی ہے اور غور و فکر اور فہم و تدبّر کا مظاہرہ نہیں کیا کیونکہ مومن خواہ فاسق ہو اس کو شیطان پر بیشک فضیلت حاصل ہے مگر وہ ثواب اور نجات والی فضیلت ہے اور انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو جو فضیلت حاصل ہے وہ صرف ثواب اور نجات کے لحاظ سے نہیں بلکہ جوہر کی نورانیت اور باطن کی لطافت و تجرد کے لحاظ سے ہے اور یہی حقیقت شیطان کی نظر سے اوجھل رہی اس لیے انا خیر منہ کا دعویٰ کر دیا کہ میں آدم سے بہتر ہوں

خلقتنی من نار و خلقته من طین

تُو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

ورنہ اگر وہ اس پیکرِ خاکی میں مستور جوہرِ نوری اور رُوحِ لطیف کو دیکھ لیتا اور مقامِ نبوّت کو ملحوظ رکھتا تو کبھی دعویٰ نہ کرتا اور اسی طرح ان علماء دیوبند کو بھی یہ حقیقت سمجھنا دشوار ہو گیا کہ پیکرِ خاکی جب اپنے رُوح کو عالمِ آب و گِل کی آلائشوں سے منزّہ و مبرّا کر لیتا ہے اور مراسم

ے علیہم السلام -

ذُربن جاتا ہے تو صرف عام مومنین سے نہیں بلکہ جنات و شیاطین اور عام ملائکہ سے بھی اس کو دوہری برتری حاصل ہو جاتی ہے ثواب کی کثرت کے لحاظ سے بھی اور جوہر کی لطافت کے لحاظ سے بھی۔ لہٰذا صاحبِ انوارِ ساطعہ نے نالائق بات مُنہ سے نہیں نکالی اور نہ ہی کسی جہالت کا مظاہرہ کیا ہے بلکہ معترض حضرات کی اپنی کوتاہ بینی اور کج فہمی نے ان کو اس عمیق گڑھے میں گرایا ہے اور جدا ہرِ حقائق کا باہمی تفاوت نظر انداز کر کے اس غلطی اور سوءِ فہم کے مرتکب ہوئے۔

نیز ان کا شیطان اور ملک الموت کے لیے علم محیط زمین کا تسلیم کرنا اس امر کی بُرہانِ ناطق بن گیا کہ اس مسئلے میں کوئی نزاع نہیں کہ غیر اللہ میں اس قدر وسیع اور محیط علم ہو سکتا ہے بس نزاع و اختلاف صرف اس میں ہے کہ فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہ مانو۔ دُوسرے جس شخص میں چاہو مان لو۔ فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مانو تو ہم تمہیں ضرور مشرک قرار دیں گے اور انکے ماسوا میں تسلیم کر لو خواہ ابلیس میں بھی تو ہماری طرف سے کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہم تمہاری تائید و تصدیق کریں گے اور تحسین و تصویب۔ گویا اللہ تعالیٰ ایسی نعمتیں نہیں دیتا تو صرف سید المحبوبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور دیتا ہے تو ابلیس لعین کو بھی! العیاذ باللہ تعالیٰ۔ دوسروں میں علمِ غیب بھی ہو سکتا ہے اور وُہ حاضر و ناظر بھی ہو سکتے ہیں لیکن یہ صفاتِ کمال نہیں ہو سکتیں بلکہ شرک بن جاتی ہیں تو صرف محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

نیز ان علماء دیوبند کو یہ بھی سمجھنے کی توفیق نہیں ہوئی کہ قیاس اور دلالت النص میں کیا فرق ہے؟ حقیقت حال یہ ہے کہ یہاں قیاس سے کام نہیں لیا گیا بلکہ دلالت النص سے کام لیا گیا ہے کہ جب ادنیٰ درجہ کی لطافت و تجرید سے اس طرح کی قوتیں اور ادراکات حاصل ہو سکتے ہیں تو اعلیٰ درجہ کی نورانیت اور تجرد و لطافت کے پائے جانے پر بطریق اولیٰ اس سے بھی اعلیٰ وارفع قوتیں اور طاقتیں اور علوم و ادراکات پائے جائیں گے جس طرح ماں باپ کو اُف کہنا از روئے قرآن مجید حرام ہے تو اس سے بطریق اولیٰ مار پٹائی کی حرمت ثابت ہو جائے گی اور کوئی صاحب علم اس کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ تو قیاس ہے بلکہ ہر ادنیٰ سمجھ والا اس کو قرآنی حکم اور قطعی فرمان اللہ تعالیٰ کا سمجھے گا۔

اسی طرح جو مقدس ہستی نورانیت و لطافت میں ملک الموت سے بھی زائد ہے اس کو لا محالہ اس سے بھی زیادہ قوت و طاقت اور علم و آگہی اور احساس و شعور حاصل ہو گا چہ جائیکہ ابلیس لعین ناری سے زائد نہ ہو۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ لہٰذا علامہ عبدالسمیع صاحب نے بڑی قابل قدر اور لائق داد و تحسین اور مستحق صد آفرین دلیل پیش کی ہے اور انبیاء و رسل اور صدیقین و محبوبین کے مقام رفیع اور منصب وقیع کو اُجاگر کرنے اور مفضول اور کمترین نورانیت اور ادنیٰ تجرد و لطافت والوں پر ان کی فوقی

فوقیت اور جوہری برتری اور عنصری بالاتری کو نمایاں کیا جس پر وہ صد ہا مبارکبادوں کے مستحق تھے مگر علماء دیوبند فہم سقیم کی وجہ سے رد و انکار کی دلدل میں ہی پھنسے رہے اور صرف ملک الموت اور شیطان کی عظمت اور اعلیٰ برتری ثابت کرنے کے درپے رہے۔ ؎

وکم من عائب قولا صحیحا
وآفتہ من الفھم السقیم

علماء دیوبند کا اپنی تکفیر کر ڈالنا

حضرت علامہ عبدالسمیع صاحب کی دلیل کا آنکھیں بند کرکے اور عقل و خرد سے بیگانہ ہو کر رد کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ پس اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کا تشریف رکھنا اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ چنانچہ وجہ اس کی اوپر مذکور ہوئی اور قیاس سے اس کا اثبات جہل ہے شائبہ علم کا بھی اس کا مجرز نہیں ہے۔

(براہین قاطعہ ص۵۲)

مگر جب علماء ہند کی طرف سے ہی نہیں بلکہ حرمین شریفین کے علماء کرام کی طرف سے شیطان اور ملک الموت علیہ السلام کو علوم و ادراکات میں سید السادات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فوقیت اور فضیلت دینے کی وجہ سے کفر کا فتویٰ صادر کیا گیا تو المہند مترجم میں کہہ دیا کہ ہمارے نزدیک جو

ؑ علیہ السلام

یہ کہے :

فلان اعلم من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فھو کافر

(صفحہ نمبر ۶۰)

فلاں شخص نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت زیادہ علم رکھتا ہے تو وہ کافر ہے۔

حالانکہ مذکورہ عبارت ملک الموت کے علم کی برتری میں صریح ہے اور اس سے قبل ذکر کردہ عبارت بھی شیطان اور ملک الموت علیہ السلام دونوں کی فضیلت اور برتری کے اثبات میں صریح ہے۔ مگر یہ عبارتیں بھی بحال رکھیں اور توبہ بھی نہ کرنی تھی نہ کی اور علم میں کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دینے والے کو کافر کہہ کر اپنے اوپر خود ہی کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ یہ ہے نالائق عبارتوں اور گستاخانہ کلمات پر اصرار کی قدرتی سزا اور مؤاخذہ وعتاب اور نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشاق اور محبانِ صادق پر ناروا تنقید وتنقیص کا قدرتی انتقام اور بدلہ۔ اعاذنا اللہ من ذلک

علماءِ دیوبند کے نزدیک ندائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جائز صورتیں اور اُمتیوں کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تفضیل

صرف ملک الموت علیہ السلام اور ابلیس کو نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت دینے تک ہی علماء دیوبند نے اپنے آپ کو مقید اور پابند

نہیں دیکھا بلکہ مرتاض اور مجاہدہ کش اور صُوفیاء کرام اور اولیاء کرام کو بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت اور فوقیت دے دی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علامہ حسین احمد صاحب مدنی نے وہابیہ خبیثہ اور دیوبندیہ کے درمیان متعدد وجوہ افتراق و امتیاز ذکر کیے جن میں سے ندائے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسئلہ بھی ذکر کیا اور کہا :

علیٰ ہٰذا القیاس مسئلہ ندائے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہابیہ مطلقاً منع کرتے ہیں اور یہ حضرات نہایت تفصیل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں :

۱۔ کہ لفظ یا رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر بلا لحاظ معنیٰ ایسی طرح نکلا ہے جیسے لوگ بوقتِ مصیبت و تکلیف ماں باپ کو پکارتے ہیں تو بلا شک جائز ہے۔

۲۔ علیٰ ہٰذا القیاس اگر بلحاظ معنیٰ درُود شریف کے ضمن میں کہا جاوے گا، تب بھی جائز ہوگا۔

۳۔ علیٰ ہٰذا القیاس کسی سے غلبہ محبت و شدت وجد و توفر عشق میں نکلا ہے تب بھی جائز ہے۔

۴۔ اگر اس عقیدہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اپنے فضل و کرم سے ہماری نداء کو پہنچا دے گا اگرچہ ہر وقت پہنچا دینا ضروری نہ ہوگا مگر اس امید پر وہ ان الفاظ کو استعمال کرتا ہے تو اس میں بھی حرج نہیں ہے۔

۵۔ علیٰ ہٰذا القیاس ارباب نفوس زکیہ و اصحاب ارواح طاہرہ جن کو

بعدِ مکانی اور کثافت جسمانی آپنے عرائض کی تبلیغ سے مانع نہ ہوں اس میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ (تا) وہابیہ خبیثہ یہ صورتیں نہیں نکالتے اور جملہ انواع کو منع کرتے ہیں چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سُنا گیا کہ وہ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ

کو سخت منع کرتے ہیں اور اہلِ حرمین پر سخت نفریں اس خطاب اور نداء کی وجہ سے کرتے ہیں اور ان کا استہزاء اُڑاتے ہیں اور کلماتِ ناشائستہ استعمال کرتے ہیں حالانکہ ہمارے مقدّس بزرگانِ دین اس صُورت کو اور جملہ صُورتہائے درُود شریف کو اگرچہ بصیغۂ خطاب ونداء کیوں نہ ہوں، مستحب اور مستحسن جانتے ہیں، اور اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔

(شہابِ ثاقب ص۴۴ ص۶۵)

مجھے نفسِ مسئلہ میں علماءِ دیوبند کے اہم رکن کا نظریہ بھی پیش کرنا مقصود ہے اور ان اخلاف کو آئینہ دکھلانا منظور ہے جو مطلقاً یا رسُول اللّٰہ کہنا اور الصّلوٰۃُ والسّلامُ علیکَ یا رسُول اللّٰہ

کہنا حرام بلکہ شرک قرار دے ڈالتے ہیں اور دیوبندیت کے مدعی ہونے کے باوجود حقیقت میں بقول مدنی صاحب وہابیہ خبیثہ کے زمرے میں شامل ہوتے ہیں۔ نیز یہ بھی واضح کرنا ہے کہ مدنی صاحب کے نزدیک اُمّتِ مصطفےٰ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں سے ارواحِ طاہرہ اور نفوسِ زکیہ کے مالک اس مرتبہ ومقام کے مالک ہوجاتے ہیں کہ رسُولِ معظم صلی اللّٰہ علیہ وسلّم سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل دُور ہونے کے باوجود اور بدنی اور جسمانی

لباسوں اور پردوں میں ملبوس و مستور ہونے کے باوجود بارگاہِ رسالتمآب[1] میں براہِ راست اپنی عرضیاں اور حاجات و ضروریات پیش کر سکتے ہیں اور انہیں کوئی امر مانع نہیں ہوتا لیکن نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کوئی ایسی صورت ذکر نہیں کی کہ آپ اپنی روحانی طہارت و پاکیزگی اور تجرد و لطافت اور نورانیت کاملہ کی بنا پر دُور دراز سے پکارنے والوں کی آواز خود سُن لیں اور ان کی حاجات و ضروریات معلوم کر لیں اور انکے مشکلات و مصائب پر مطلع ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا و التجا کر کے امداد و اعانت بہم پہنچائیں جس سے صاف ظاہر ہے (کیوں کہ السکوت فی معرض البیان بیان ہوا کرتا ہے) کہ علمائے دیوبند نبی الانبیاء حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ان صاف باطن اور پاکیزہ روح اور منزہ نفس اُمتیوں کے برابر بھی صلاحیت و استعداد اور رُوحانی و نُورانی قوت و طاقت ماننے کو تیار نہیں ورنہ جائز صورتوں میں اس کا ذکر سرِ فہرست نہ ہوتا تو کم از کم پانچویں یا چھٹی جگہ تو ہوتا ہی سہی اس کو سرے سے نظر انداز نہ کیا جاتا بلکہ ناجائز صورتوں میں شمار نہ کیا جاتا۔

لہٰذا اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ ان علماء دیوبند کے نزدیک صرف ملک الموت اور شیطان ہی نہیں بلکہ اُمتی بھی قوت و طاقت اور استعداد و صلاحیت میں نبی الانبیاء اور امام المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھے ہوئے ہیں اور جن کے توسط سے اور دسترخوانِ جُود و نوال سے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کمال حاصل کرتے ہیں اور نبوت و رسالت

[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور آیات و معجزات کی خیرات حاصل کرتے ہیں وُہ اُمت کے بعض کاملین سے بھی کم تر مقام اور درجہ میں ہیں۔ العیاذ باللّٰہ۔

ہمارا نظریہ

جب مدنی صاحب کے اعتراف و تسلیم سے واضح ہو گیا کہ ارواحِ طاہرہ اور نفوسِ ذکیہ والے حضرات کے لیے بعدِ مکانی اور کثافتِ جسمانی دُور دراز سے عرائض پیش کرنے میں رکاوٹ نہیں بن سکتے تو پھر ہم یہ عقیدہ رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ محبوبیت کے مقام پر فائز اولیاء کرام اور فرائض و نوافل کے انوار سے منور اور فراست کے نور سے بہرہ ور حضرات کو دور دراز سے پکارنا اور ان کی شان کے لائق استمداد و استعانت حاصل کرنا بالکل جائز اور صحیح ہے کیونکہ جو استعانت اللّٰہ تعالیٰ سے مختص ہے اور جو چیزیں عطا کرنا اس کا خاصہ ہے وُہ غیر اللّٰہ سے طلب کریں خواہ قریب سے اور ظاہری حیات میں تو پھر بھی شرک ہے اور جو استعانت اس سے مختص نہیں، مثلاً دُعاء و التجاء کے ذریعے اللّٰہ تعالیٰ سے لے کر دینے کے عقیدہ پر تو وُہ اولیاء کرام علیہم الرضوان سے جائز ہے خواہ قریب ہوں یا دُور اور ظاہری حالتِ حیات میں ہوں یا وصال فرما چکے ہوں۔ کیونکہ وُہ اللّٰہ تعالیٰ کے انوار سے منور ہونے کے بعد ملاء اعلیٰ میں شامل ہو کر کارکنانِ قضاء و قدر سے بن جاتے ہیں اور ان کے لیے دُوریاں اور مسافتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اور موت کی صورت میں حجاب بدن اور پردہ جسمانی کے دُور ہو جانے سے

روحانی قوتیں اور باطنی صلاحیتیں مزید نکھر جاتی ہیں جیسے کہ کثیر حوالہ جات سے یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے۔

مقامِ مصطفوی

اور جب غلاموں اور جاںنثاروں میں ایسے کمالات اور امتیازات پائے جا سکتے ہیں بلکہ پائے جاتے ہیں تو وہ نبی و رسول جو ان امتیوں کے لیے بلکہ سب خلائق کے لیے سرچشمۂ فیض ہیں اور وسیلۂ جلیلہ اور ذریعہ کامل ہیں حصول کمالات میں وہ بطریقِ اولیٰ ارفع و اعلیٰ کمالات اور بلند و بالا استعدادات کے مالک ہوں گے اور ان کی مدد و اعانت مسلسل ہر فرد ممکنات اور ہر ہر ذرہ کائنات کو حاصل رہے گی۔ والحمد للہ

کیونکہ وہ رحمتِ کائنات ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○

(سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷)

اور سب کے رسول برحق ہیں۔

قال تعالیٰ:

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ○ (سورۃ الفرقان آیت ۱)

وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام:

ارسلت الی الخلق کافۃ۔

اور رسولِ رحمت ﷺ ہو کر عالمین سے بے پروائی اور تغافل انکی شانِ کریمی سے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

سے سراسر بعید ہے۔

اس حقیقت کا اعتراف علامہ حسین احمد صاحب مدنی کی زبانی سماعت فرمادیں اور خدا توفیق دے تو اس کو مان کر ہماری جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل کریں اور دورخی اور دوغلی چالوں کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیں۔

علماء دیوبند کا عقیدہ

یہ جملہ حضرات (علماء دیوبند) ذات حضور پر نور علیہ السلام کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوضاتِ الٰہیہ ومیزاب رحمت غیر متناہیہ اعتقاد کیے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے ابد تک جو جو رحمتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہوں گی۔ عام ہے کہ وہ نعمت وجود کی ہو یا اور کسی قسم کی ان سب میں آپ کی ذات پاک ایسی طرح پر واقع ہوئی ہے جیسے کہ آفتاب سے نور چاند میں آیا ہو اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں غرض کہ حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام واسطہ جملہ کمالاتِ عالم وعالمیاں ہیں اور یہی معنیٰ

لولاک لما خلقت الافلاک اور

اوّل ما خلق اللّٰہ نوری اور انا نبی الانبیاء وغیرہ کے ہیں۔

اس احسان وانعام میں جملہ عالم شریک ہے۔ علاوہ اس کے

آپ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو ارواح مومنین سے وہ خاص نسبت ہے کہ جس وجہ سے آپ باپ روحانی جملہ مومنین کے ہیں اور

یہ احسان بھی ابتدائے عالم سے لے کر آخر تک کے مومنین کو عام ہے۔ علاوہ اس کے مومنین اُمتِ مرحومہ کے ساتھ ماسوا اس کے اور بھی خاص علاقہ ہے جو کہ دیگر امم کے مومنین کو نہیں ہے۔ (شہاب ثاقب ص۴۷)

علامہ مدنی صاحب ہی اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۴۵ پر اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

یہ جملہ حضرات ذات سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باوجود افضل الخلائق و خاتم النبیین علیہ السلام ماننے کے آپ کو جملہ کمالات کے لیے اہلِ عالم کے واسطے واسطہ مانتے ہیں یعنی جملہ کمالات خلائقِ علمی ہوں یا عملی اور نبوت ہو یا رسالت اور صدیقیت ہو یا شہادت، سخاوت ہو یا شجاعت، علم ہو یا مروت، فتوت ہو وقار وغیرہ وغیرہ۔ سب کے ساتھ اولاً بالذات آپ کی ذاتِ والاصفات علیہ السلام جناب باری تعالیٰ عزاسمہ کی جانب سے متصف کی گئی اور آپ کے ذریعہ سے جملہ کائنات کو فیض پہنچا جیسے کہ آفتاب سے نور قمر میں آیا اور قمر سے نور ھزاروں آئینوں میں بلکہ وجود جو کہ اصل جملہ کمالات ہے اس کی نسبت بھی ان حضرات کا یہی عقیدہ ہے۔

اسی واسطے براہین میں تصریح کر دی گئی ہے کہ کمالاتِ روحیہ میں کوئی شخص حضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے مماثل اور متقارب ہو ہی نہیں سکتا اور نہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ ہے اور درحقیقت کمالات تو کمالات روحی ہی ہیں جیسے کہ حقیقتِ انسان رُوح ہے اور یہ جسم خاکی تو

قالب اور غلافِ آدمی ہے۔ مدار فضائل کا عقلاء کے نزدیک انہیں کمالاتِ روحی پر ہے جسمی پر نہیں ہے۔

پس باعتبار جسمِ اطہر کے اگرچہ آپ اولادِ آدم اور بنی آدم ہیں لیکن باعتبار رُوح کے آپ سب کے امام اور باپ ہیں۔ باوجود اس کے بہ نسبت حضرتؑ کے سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ان کو کمالاتِ جسمیہ میں بھی خلائق میں یکتائی تھی اور ہے۔

فوائد و ثمرات

۱۔ **اوّل**: جب یہ حقیقت تسلیم ہوگئی کہ آپ وجود سمیت تمام کمالات علمیہ وعملیہ میں واسطۂ فیض ہیں سب مخلوقات کے لیے بلا کسی استثناء اور تخصیص کے تو پھر جو جو کمالات ملائکہ اور انبیاء و رسل علیہم السلام میں فرداً فرداً موجود ہیں وُہ اجتماعی طور پر آپ میں تسلیم کرنے ضروری اور لازمی ہیں۔

۲۔ نیز جب اصل کمالات کمالاتِ روحیہ ہیں اور رُوح ہی حقیقتِ انسانی ہے اور بدن محض غلاف ہے تو پھر ظاہری حیات اور وفات کی حالتوں میں فرق کرنا بھی لغو اور باطل ہوگا بلکہ بعد از وصال روحی کمالات میں ترقی و کمال تسلیم کرنا ضروری اور لازمی ہوگا اور ہم حوالہ جات سے ثابت کر چکے کہ ملائکہ دُور و دراز سے دیکھتے اور سُنتے ہیں اور تدبیر و تصرف فرماتے ہیں اور آصف بن برخیا و دیگر اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے کمالات اور

ؑ علیہ السلام۔

جنّات وغیرہ کے کمالات بھی آپ کے توسل و توسط سے ہیں تو ان سے بھی اتم واکمل اور ارفع و اعلیٰ کمالات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پایا جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کو ماننا تقاضائے ایمان ہے۔ اس کو قیاسِ فاسد کہہ دینا اور بلا دلیل دعویٰ قرار دیکر ٹھکرا دینا جیسے کہ انبیٹھوی صاحب نے لکھا ہے اور گنگوہی صاحب نے اس کی تائید و تصدیق فرما دی۔ سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے اور دورخی چال ہے۔

۳۔ نیز ہر مرید کے ساتھ اس کے شیخ کی معیت تسلیم کرنا اور جسمانی دُوری سے روحانی دُوری کے لزوم کی اس کے حق میں نفی کرنا اور رحمتِ مجسّم شفیعِ معظّم اور رسُولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اُمت سے بُعد اور دُوری پر اصرار کرنا اور اس کے برعکس زوجِ نبوی کی قربت اور نزدیکی کے عقیدہ کو شرک قرار دے دینا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے اور اُمتیوں کو نبی الانبیاء حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فوقیت و فضیلت دینے کے مترادف ہے اور ان دعاوٰی کی سراسر نفی ہے کہ آپ سب مخلوق کے لیے وجود اور اس پر مترتب و متفرع علمی و عملی کمالات میں واسطۂ فیض و افادہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مثل آفتاب ہے اور دیگر مخلوق مثلِ ماہتاب اور مانندِ آئینہ ہیں۔

۴۔ علامہ قاسم نانوتوی صاحب تو ہر کمال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو واسطہ فی العروض تک کہہ گئے یعنی دُوسروں میں کمالات نبوت و رسالت اور ولایت و عرفان وغیرہ برائے نام ہیں اور ان کا اطلاق

ان پر بطور مجاز ہے۔ حقیقت میں ان تمام کمالاتِ وجودیہ اور کمالِ نبوت و رسالت اور رفعت و ولایت و امامت وغیرہ کے مصداق و موصوف صرف اور صرف آپ ہی ہیں اور دوسرے علماءِ دیو بند اگر آپ کو واسطہ فی العروض نہ مانیں تو واسطہ فی الثبوت غیر سفر محض ماننا تو ان پر لازم ہے ہی جس میں ذوالواسطہ اور واسطہ دونوں کمالات کے ساتھ حقیقتاً متصف ہوتے ہیں، تو اندریں صورت بھی ان کے لیے شیطان اور ملک الموت علیہ السلام کے لیے علمِ محیط تسلیم کرنا اور اس کو منصوص ماننا اور نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور سرچشمہ فیوضِ کائنات کے لیے اس کا شدّ و مد سے انکار کرنا اور ایسے قیاسِ فاسد قرار دینا بلکہ اس عقیدہ کو شرک بنا ڈالنا قطعاً روا نہیں تھا۔

فیصلہ خود کریں کہ سچّا کون ہے؟

اب اس امر کا فیصلہ خود ان علماءِ دیو بند کو ہی کرنا ہے کہ سیدِ عالم اور باعثِ ایجادِ کائنات اور رحمتِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واقعی تمام تر کمالات میں واسطہ ہیں اور تمامی مخلوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیلی ہے اور آپ سے متوسّل ہے تو پھر مخلوق کے کسی بھی فرد میں جو کمال بھی تسلیم کریں اس سے پہلے اس کمال کا حصول نبی الانبیاء اور رسول المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں تسلیم کرنا ضروری ہے بلکہ اتم اور اکمل طریق پر آپ میں ثبوت و تحقق پر یقین و ایمان اور اقرار و اعتراف ضروری ہے اور اگر آپ میں ایسے کمالات کا پایا جانا ضروری نہیں بلکہ اگر آپ میں

۱؎ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ ۲؎ علیہ السلام

اس کمال کو موجود و متحقق مانا جائے تو کفر و شرک بھی لازم آ سکتا ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام فیوض و برکات میں اور اوصاف و کمالات میں واسطہ و وسیلہ اور برزخ و ذریعہ تسلیم کرنا خالی دعویٰ ہی رہا اور حقیقت و واقعات کی دُنیا میں اس کی کوئی حیثیت نہ رہی بلکہ لوگوں کو دھوکہ دینے اور ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی سعیٔ باطل اور ناکام سعی ٹھہری اور اپنے متعلق نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبِّ صادق اور مومنِ مخلص اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات پر ایمانِ کامل اور ایقانِ صادق ہونے کا غلط تاثر دینے کی بے نتیجہ جدوجہد ٹھہری اور ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور چبانے کے اور کے مصداق۔ اندرونی عقیدہ و نظریہ یہ ٹھہرا کہ شیطان اور ملک الموت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علمی اور جسمانی قوتوں میں زائد ہیں اور لوگوں کو جھوٹی تسلی دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری مخلوق کے لیے مبداءِ فیض اور سرچشمۂ افادات کہہ دیا بہرکیف علامہ مدنی صاحب سچے ہیں تو انبیٹھوی اور گنگوہی صاحب جھوٹے ہیں اور وہ سچے ہیں تو علامہ مدنی صاحب جھوٹے ہیں کیونکہ دونوں طرح کے اقوال میں کھلا تضاد بلکہ تناقض ہے۔

نجدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کہنا کیوں ناجائز ٹھہراتے تھے؟

علامہ مدنی صاحب کی تصریح کے مطابق علماءِ نجد یا رسول اللہ کہنا کیوں ناجائز ٹھہراتے تھے؟ علامہ مدنی صاحب کی تصریح کیمطابق علماءِ نجد

یارسُول اللہ کہنا حرام اور ناجائز ٹھہراتے تھے حتّٰی کہ درُود شریف

اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

جو کہ اہلِ حرمین کا معمول تھا اور مکہ مکرمہ والے اور مدینہ منورہ والے حضرات پڑھا کرتے تھے مگر نجدی ان پر سخت نفریں اس نداء وخطاب پر کرتے اور ان کا استہزاء اُڑاتے اور کلماتِ ناشائستہ استعمال کرتے (تا)

وہابیہ نجدیہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ یا رسُول اللہ میں استعانت بغیر اللہ ہے اور وُہ شرک ہے اور یہ وجہ بھی انکے نزدیک سبب مخالفت کی ہے حالانکہ یہ اکابر مقدسانِ دینِ متین (علماءِ دیوبند) اس کو ان اقسام استعانت میں سے شمار نہیں کرتے جو کہ مستوجبِ شرک یا باعثِ ممانعت ہو البتہ اگر وُہ چیزیں سوال کی جاویں کہ جن کا اعطا مخصوص بجناب باری عزاسمہ ہے تو البتہ ممنوع۔ اسی وجہ سے نداء بلفظ یا رسُول اللہ (صلّی اللہ علیک یا حبیب اللہ) اور خطاب حاضرینِ مسجد نبوی و بارگاہِ مصطفوی کے واسطے جائز اور مستحب فرماتے ہیں اور وہابیہ وہاں پر بھی منع کرتے ہیں دو وجہ سے اوّل یہ کہ استعانت بغیر اللہ ہے دوم ان کا اعتقاد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے لیے حیات فی القبور ثابت نہیں بلکہ وُہ بھی مثل دیگر مسلمین کے متصف بالحیٰوۃ البرزخیہ اسی مرتبہ سے ہیں پس جو حال دیگر مسلمین کا ہے وہی ان کا ہوگا۔

(شہاب ثاقب ص۶۵)

فائدہ : علامہ مدنی صاحب کے قول سے واضح ہو گیا کہ مطلقاً

استعانت ممنوع نہیں ہے بلکہ جن اشیاء کی عطاء اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے صرف ان کا سوال نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ممنوع ہے نہ کہ ہر قسم کی استعانت۔ نیز انبیاء علیہم السلام کے لیے عام مومنین سے ارفع و اعلیٰ حیات ثابت ہے اور اس پر دوسری مقدس ترین ہستیوں کی حیات کا قیاس درست نہیں چہ جائیکہ مساوات کا اثبات لہٰذا علماءِ دیوبند میں سے صرف برزخی حیات کے قائلین مانند نیلوی صاحب اور عنایت اللہ شاہ گجراتی وغیرہ کا عقیدہ نجدیوں کے مماثل ہونے کی وجہ سے سراسر گمراہی و بے دینی ہے اور وہ بھی وہابیہ خبیثہ کے زمرہ میں شامل ہیں۔

اور جو موجودہ علماءِ دیوبند سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے توسل و استعانت کے لیے قریب سے بھی نداء و خطاب کو جائز نہیں رکھتے وہ بھی نجدیوں کا ہی شعبہ ہیں جیسے علامہ سرفراز صاحب کیونکہ وہ وصال شریف کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی استعانت اور توسل کے قائل نہیں ہیں ملاحظہ ہو تنقیدِ متین ـــــ حالانکہ خلیل احمد انبیٹھوی صاحب نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے عام مومنین سے مختلف حیات تسلیم کرنے کے علاوہ آپ کا عالمِ غیب اور آخرت میں سیر فرمانے کے علاوہ دنیا میں تشریف لانا بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالمِ غیب میں اور جنت میں جہاں چاہیں باذنہٖ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام ملائکہ پہنچاتے ہیں

اور اعمالِ اُمّت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت اللہ تعالیٰ چاہے دُنیا کے احوال منکشف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالف نہیں۔

(براہین قاطعہ ص ۱۹۹ ۔ ۲۰۰ مع ازالہ)

علماءِ دیوبند کے پیرو مُرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی[1] فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں :

رہا یہ اعتقاد کہ مجلسِ مولد میں حضور پُر نُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہوتے ہیں اس اعتقاد کو کفر اور شرک کہنا حد سے بڑھنا ہے کیونکہ یہ امر ممکن ہے عقلاً و نقلاً بلکہ بعض مقامات پر اس کا وقوع بھی ہوتا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہُوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے یہ ضعیف شبہ ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علم و روحانیت کی وسعت جو دلائلِ نقلیہ و کشفیہ سے ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے۔ علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں محلِ کلام نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی جگہ تشریف رکھیں اور درمیانی حجاب اٹھ جائیں۔ بہر حال ہر طرح یہ امر ممکن ہے اور اس سے آپ کی نسبت اعتقادِ علمِ غیب لازم نہیں آتا جو کہ خصائص ذات حق سے ہے کیونکہ علمِ غیب وہ ہے جو مقتضائے ذات حق کا ہے اور جو باعلام خداوندی ہے وُہ ذاتی نہیں یا بسبب ہے وُہ مخلوق کے حق میں ممکن ہے بلکہ واقع ہے اور امرِ ممکن ہے اعتقاد شرک اور کفر کیونکر ہو سکتا ہے؟ البتہ ہر ممکن کے لیے وقوع ضروری نہیں ہے۔ ایسا اعتقاد رکھنا

[1] رحمہ اللہ۔

محتاج دلیل ہے۔ اگر کسی کو دلیل مل جاوے مثلاً خود کشف ہو جاوے یا کوئی صاحبِ کشف خبر کر دے تو اعتقاد جائز ورنہ بے دلیل ایک غلط خیال ہے۔ غلطی سے اس کو رجوع کرنا اس کو ضرور ہے مگر شرک و کفر کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ (صث)

فوائد و ثمرات

۱۔ حضرت حاجی صاحب کے اس ارشاد سے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار پُر انوار سے باہر آکر محافلِ میلاد میں شمولیت فرمانا بھی ثابت ہوتا ہے

۲۔ نیز بیک وقت متعدد جگہوں پر آپ کا تشریف فرما نا بھی آپ کی وسعت روحانیت کے لحاظ سے ناقابلِ انکار ہے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مزار پُر انوار میں ہوتے ہوتے تمام مجالس کا علم ہو جانا بھی لائقِ استبعاد نہیں ہے۔

۴۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کا علمِ غیب جو اس کی ذات سے مختص ہے یہ وُہ علم ہے جو بتقاضائے ذاتِ حق اور اسباب مثلاً وحی و الہام وغیرہ سے بالاتر ہے اور مخلوق میں علمِ غیب عطائی ہے اور اسباب کے ذریعے متحقق ہوتا ہے۔

۵۔ اگر دلائل اور ذرائع علمِ غیب کے معلوم ہوں تو علم غیب کا دوسروں میں ثابت کرنا بالکل روا ہے۔

اور ہم آیاتِ کریمہ اور احادیث نبویہ اور اکابرینِ ملت کے ارشادات

سے جو کہ علوم ظاہرہ اور باطنہ کے جامع ہیں) انبیاء علیہم السلام میں بالعموم اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بالخصوص ثابت کر دیا ہے۔ اور اولیاء کرام میں بھی انوارِ محبوبیت اور نورِ فراست کے ساتھ منور ہونے کے بعد اس کا ثبوت و تحقق واضح کیا جا چکا ہے اور علامہ صاحب کے نزدیک علمِ غیب اور حاضر و ناظر ہونا اور اسبابِ عادیہ کے بغیر تدبیر و تصرّف کر سکنا ہی نداء ، و پکار اور استمداد و استعانت کے لیے ضروری تھے اور وُہ بحمد اللہ تعالیٰ ثابت ہو چکے بالخصوص حضرت حاجی صاحب کی طرف سے بطور فیصلہ ثابت ہو چکے اور علامہ حسین احمد مدنی کی طرف سے مبداء فیوض اور مصدر کمالات ہونے کی حیثیت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میں جُملہ کمالات متحقق ہو چکے لہٰذا کفر و شرک کے فتوے صادر کرنا سراسر لغو و باطل ٹھہرا اور خارجی نجدی ہونے کا موجب قطعی بن گیا۔

اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کے علمِ غیب کا باہمی فرق

علماءِ دیوبند نے خود بھی اور ان کے عوام نے بھی علمِ غیب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہونے کا مطلب و مفہوم یہی سمجھا اور اسی کا اعتقاد رکھا کہ علمِ غیب کے بارے میں نبی اور غیر نبی یکساں بیخبر اور نادان ہیں۔ اور مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں یہی راگ الاپا اور شیخ گنگوہی نے تقویۃ الایمان کے تمام مندرجات کو قرآن و حدیث کا مغز اور جوہر قرار دیا اور عین ایمان و رُوحِ اسلام قرار دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام

لہ علیہم السلام۔

وصفِ امتیاز اور انفرادی کمال ہی یہی بتلایا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

مَاكَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (سورہ آل عمران آیت ۱۷۹)

اللہ کو زیبا نہیں کہ تم میں سے ہر ایک کو غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ تعالیٰ اطلاعِ غیب کے لیے چن لیتا ہے جسے چاہے یعنی رسلِ کرام کو۔

قال تعالیٰ :

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (سورہ جن آیت ۲۷)

اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے پس وہ غلبہ نہیں دیتا اپنے غیب پر کسی کو مگر جنہیں اس غلبہ کے لیے منتخب ٹھہرائے یعنی رسول کو۔

قال تعالیٰ :

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (سورہ نساء آیت ۱۱۳)

اور آپ کو بتلایا جو بھی نہیں جانتے تھے (غیبی امور اور احکامِ شرع سے) اور اللہ تعالیٰ کا تم پر عظیم فضل و احسان ہے۔

قال تعالیٰ :

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝ (سورہ تکویر آیت ۲۴)

اور وہ نہیں ہیں غیب (کی تعلیم پر) بخل کرنے والے۔

وغیر ذٰلک من الاٰیات۔

نیز دوسری جانب نفی پر دلالت کرنے والی آیات بھی موجود ہیں۔

کمال قال تعالیٰ:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ط (سورہ نمل آیت ۶۵)

فرما دیجیے نہیں جانتے آسمان و زمین والے غیب کو مگر اللہ۔

قال تعالیٰ:

عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ط

(سورۃ الانعام آیت ۵۹)

اسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں نہیں جانتا انہیں مگر وہی

الیٰ غیر ذٰلک من الآیات۔

اور علماءِ دیوبند نے صرف انہیں کو مدِّ نظر رکھ کر نبی الانبیاء علیہ السلام اور دیگر محبوبانِ خداوند تعالیٰ کے لیے علمِ غیب ثابت کرنے والوں پر شرک کے فتوے صادر فرمائے۔ اور علامہ سرفراز نے بھی استعانت و استمداد اور ندا و پکار کو شرک قرار دینے کا دارومدار جن امور پہ رکھا ان میں علمِ غیب کا اعتقاد سرِ فہرست ہے۔

علماءِ متقدمین کا فیصلہ

لیکن ہر ایک کو معلوم ہے کہ علمِ غیب کی غیر اللہ سے نفی والی آیات اب نازل نہیں ہوئیں پہلے سے اسی قرآنِ کریم میں موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ

نے نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہماری ہدایت کے لیے نازل فرمایا اور علمارِ دیوبند اور علمارِ بریلی سے پہلے علمارِ کرام نے بھی ان کو پڑھا اور سمجھا اور ان کا کوئی معنیٰ و مفہوم متعین کیا تاکہ آیاتِ اثبات کے ساتھ تعارض و تخالف لازم نہ آئے تو کیوں نہ ان اکابر کے ارشادات کو حکم اور فیصل مان لیا جائے اور اس نزاع و اختلاف کا ان کے ارشادات کی روشنی میں حل ڈھونڈ لیا جائے اور ضد و عناد اور ہٹ دھرمی کو خیرباد کہہ دیا جائے۔

اب علمارِ اعلام کی تصریحات ملاحظہ ہوں :

۱۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

ولا ینا فی ما تقرر من اطلاع الاولیاء علیٰ بعض الغیوب الاٰیتان المذکورتان فی السوال (لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ) عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول (الیٰ) وجہ عدم المنافاۃ ان علم الانبیاء والاولیاء انما ھو باعلام من اللہ و علمنا بذٰلک انما ھو باعلامھم لنا وھٰذا غیر علم اللہ تعالیٰ الذی تفرد بہ وھو صفۃ من صفاتہ القدیمۃ الازلیۃ الدائمۃ الابدیۃ المنزھۃ عن التغییر وسمات الحدوث والنقص والمشارکۃ والانقسام بل ھو علم واحد علم بہ جمیع المعلومات کلیاتھا

وجزئیاتها ما کان منها وما یکون اویجوز ان یکون، لیس بضروری ولا کسبی ولا حادث بخلاف علم سائرالخلق الیٰ۔ وما ذکرناہ فی الایۃ صرح بہ النووی رحمہ اللہ فی فتاواہ فقال معناہا لا یعلم ذلک استقلالا وعلم احاطۃ بکل المعلومات الاّ اللہ واما المعجزات والکرامات فباعلام اللہ لہم علمت وکذا ما علم باجراء العادۃ۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص۲۹۸)

سوال میں مذکور دونو آیات اس کے منافی نہیں جو متقرر اور ثابت امر ہے یعنی بعض غیوب پر اولیاء کرام کا مطلع ہونا (تا) اور عدم منافات اور انعدامِ تخالف کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام کا علم اللہ تعالیٰ کے اعلام اور تعلیم دینے سے ہے اور ہمارا علم ان کے ہمیں جتلانے کی وجہ سے ہے جبکہ یہ اعلام و اطلاع کے ذریعے حاصل علم اس علم کا غیر ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ منفرد و ممتاز ہے۔

وُہ علمِ غیب اس کے صفاتِ قدیمہ ازلیہ دائمہ ابدیہ سے ہے جو کہ تغیر اور علاماتِ حدوث سے منزہ ہے۔ اور نقصان و مشارکت اور انقسام سے مبرّا ہے بلکہ وُہ علم واحد ہے جس کے ساتھ تمام معلومات کلیات اور جزئیات، ماکان اور مایکون، اور معدومات ممکنۃ الوجود کو جان لیا۔ وُہ علم نہ ضروری و بدیہی ہے نہ کسبی و نظری اور نہ حادث بخلاف دُوسری تمام مخلوق کے (تا)

اور جو کچھ ہم نے اس آیت کے متعلق ذکر کیا ہے امام نووی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی ہے۔ فرماتے ہیں:
اس کا معنیٰ یہ ہے کہ غیب کو بطورِ استقلال اور بذاتِ خود کوئی نہیں جانتا اور تمام ترمعلومات کا محیط علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں لیکن معجزات اور کرامات اللہ تعالیٰ کے تعلیم دینے سے جانے گئے اور ایسے ہی عادتِ جاریہ اور معمول کے مطابق معلوم ہوتے۔

۲۔ علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفاءِ قاضی عیاض میں نبیِ کریم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ غیب کی بحث میں فرماتے ہیں:

وھٰذا لا ینافی الاٰیات الدالۃ علیٰ انہ لا یعلم الغیب الا اللہ وقولہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر۔ فان المنفی علمہ من غیر واسطۃ واما اطلاعہ علیہ باعلام اللہ فامر متحقق بقولہ تعالیٰ فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول قال بن عطاء اللہ فی لطائف المنن اطلاع العبد علیٰ غیب من غیوب اللہ بنور منہ بدلیل اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ تعالیٰ لا یستغرب۔ الخ

(صفحہ نمبر ۱۵۰ جلد ۳)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا غیب پر مطلع ہونا ان آیات کے منافی نہیں جو دلالت کرتی ہیں اس امر پر کہ غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے

کوئی نہیں جانتا اور قولِ باری تعالیٰ بطورِ حکایت نبیِ اکرم علیہ السلام سے "اور اگر میں غیب جانتا تو خیر کثیر جمع کر لیتا" کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس علمِ غیب کی نفی کی گئی ہے وہ علمِ غیب بلا واسطہ کی ہے لیکن آپ کا اللہ تعالیٰ کی تعلیم و اطلاع سے غیب پر مطلع ہونا متحقق و ثابت امر ہے، اور حقیقتِ واقعیہ ہے بدلیل اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کہ اللہ عالم الغیب ہے پس نہیں غلبہ دیتا اپنے غیب پر کسی کو مگر جنہیں چن لے یعنی ذاتِ رسول کو ابنِ عطاء اللہ نے لطائف المنن میں فرمایا بندے کا اللہ تعالیٰ کے غیوب میں سے کسی غیب پر مطلع ہونا کوئی انوکھا امر نہیں ہے اس حدیث کے پیشِ نظر:

اتقوا فراسۃ المومن الخ

یہی معنیٰ ہے اس قولِ باری کا۔

کنت بصرہ الذی یبصر بہ

تو جس کی آنکھ خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہو اس کا اللہ تعالیٰ کے غیب پر مطلع ہونا قطعاً مستبعد نہیں ہو سکتا۔

قال بعض العارفین قولہ الا من ارتضٰی من رسول لاینا فی قول المرسی فی تفسیرھا الا رسول او صدیق او ولی ولا زیادۃ فیہ علی النص فان السلطان اذا قال لا یدخل علی الیوم الا الوزیر لاینا فی دخول اتباع الوزیر معہ فکذلک الولی اذا اطلعہ

لہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اللّٰہ تعالیٰ علی غیبہ لم یرہ بنور نفسہ وانما راہ بنور
متبوعہ ولم یکلفنا اللّٰہ الایمان بالغیب الا وقد
فتح لنا باب غیبہ والیٰ ھٰذا اشار الغزالی فی
امالیہ علی الاحیاء (ص ۱۵۱ ج ۳)

بعض عارفین نے فرمایا کہ قولِ باری تعالیٰ :
الا من ارتضیٰ من رسول
مرتضیٰ کا قول اس کے منافی نہیں جو اس نے اس کی تفسیر میں نقل کیا۔
یعنی غیب پر غلبہ نہیں دیتا مگر رسول یا صدیق یا ولی کو اور اس میں نص قرآنی پر زیادتی اور اضافہ نہیں ہے کیونکہ بادشاہ اگر کہے کہ آج کے دن مجھ پر سوائے وزیر کے کوئی داخل نہ ہو تو یہ وزیر کے متبعین و خدام کے داخل ہونے کے منافی نہیں ہے تو ایسے ہی ولی کو جب اللّٰہ تعالیٰ اپنے غیب پر مطلع کرے تو وہ اس کو اپنے ذاتی نور سے نہیں دیکھے گا بلکہ اپنے متبوع رسول و نبی کے نور سے دیکھے گا۔

نیز اللّٰہ تعالیٰ نے ہمیں غیب پر ایمان لانے کے ساتھ مکلف ٹھہرایا ہے اور یہ تکلیف اور حکمِ ایجابی اسی صورت میں دیا جا سکتا ہے جب وہ ہم پر اپنے غیب کا دروازہ کھولے اور امام غزالی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم کے امالی و حواشی میں اسی امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

فائدہ : اگر ولی کا علم غیب رسولوں میں اس کے حصر کے منافی نہیں، کیونکہ اپنے نور سے اس کو نہیں دیکھتا بلکہ اپنے متبوع رسول کے نور سے

دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میں حصر رسل کرام علیہم السلام کے علم غیب کی نفی بھی نہیں کرتا کیوں کہ وہ بھی اپنے نور سے نہیں دیکھتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتے ہیں اور اگر انبیاء کرام علیہم السلام کے کامل متبعین اللہ تعالیٰ کے نور والی آنکھ حاصل کر سکتے ہیں تو خود ان کو وہ آنکھ کیونکر حاصل نہیں ہوگی۔

متشابہات کے متعلق اللہ تعالیٰ نے علم کا اپنی ذات میں حصر کرتے ہوئے فرمایا:

مَا یَعلم تاویلہ الا اللہ

حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متشابہات کو نہ جاننا عقلاً بھی باطل اور نقلاً بھی باطل ہے۔ عقلاً اس لیے کہ ایسی کتاب جس کو خود نبی بھی نہ جانے اس کا اس نبی پر نازل کرنا عبث ہے اور اس کی تعلیم کے لیے اس کا مقرر کرنا عبث اور اس کے مقابلہ کی لوگوں کو دعوت دینا لغو اور باطل ہے اور نقلاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے

ثم ان علینا بیانہ

فرما کر قرآنِ مجید کے محکمات و متشابہات کی تعلیم دینے کی ذمہ داری اٹھالی اور اللہ تعالیٰ کا اپنی ذمہ داری میں تقصیر اور کوتاہی سے کام لینا ناممکن بلکہ محال ہے۔

نیز قولِ باری تعالیٰ:

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ

میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی بیعت کا اللہ تعالیٰ میں حصر بھی ہے اور آپ کے ساتھ اس بیعت کا اثبات بھی ہے۔ اسی طرح قولِ باری تعالیٰ:

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ

میں مٹی اور کنکریاں پھینکنے کا اللہ تعالیٰ میں حصر بھی ہے اور نبیِ محتشم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اثبات بھی ہے۔

وغیر ذٰلک من الآیات۔

لہٰذا آیات نفی میں مذکور حصر رسل کرام، انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام کے حق میں علم غیب کے اثبات پر مشتمل آیات و احادیث کے منافی نہیں بلکہ وہ حصر اضافی ہے اور اغیار اور بیگانہ لوگوں کے لحاظ سے ہے اور کفار و مشرکین کے مزعوم غیب دانوں یعنی کاہنوں اور شیاطین و جنات وغیرہ کے لحاظ سے ہے اور مقصدِ خداوند تعالیٰ صرف اور صرف یہ ہے کہ علم غیب صرف اس کو حاصل ہوگا جسے میں عطا کروں اور میں اپنے محبوب لوگوں کو عطا کرتا ہوں نہ کہ اپنے دشمنوں کو اور کاہن لوگ جن و شیاطین میرے دشمن ہیں لہٰذا ان کو ہرگز ہرگز اپنے غیبِ خاص پر مطلع نہیں کرتا

الغرض جن سے نفی مطلوب تھی ان کی طرف علماء دیوبند توجہ ہی نہیں کرتے اور جن سے نفی علم غیب کی مقصود ہی نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے بار بار ان کو مطلع فرمانے اور غیب پر غلبہ دینے اور غیب کی تعلیم دینے اور وحی و اطلاع دینے کی تصریح فرمائی ہے صرف انہیں سے علم غیب کی نفی پر اصرار ہے اور غلامان رسل اور نیازمندان انبیاء (علیہم السلام) اور اتباع اولیاء

کو کفر و شرک کے فتووں سے نوازا جا رہا ہے جو سراسر ظلم و عدوان ہے۔

ضروری تنبیہ : قبل ازیں علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث قدسی :

کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ

کی توضیح و تشریح میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

الغیب مشاھدۃ الکل بعین الحق فقد یمنح العبد قرب النوافل۔ الخ۔

اور نسیم الریاض کے حوالے سے بھی یہی مضمون ذکر ہو چکا اور دیگر حضرات کے اقوال بھی اس کے مطابق و موافق ہیں اور ذکر بھی کیے جا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں غیب پر ایمان لانے کے ساتھ مکلف بھی ٹھہرایا ہے، اور علمِ غیب کا اپنی ذات میں حصر بھی فرما دیا حالانکہ ایمان بالغیب تبھی ممکن ہے جب غیب کا یقینی اور قطعی علم بھی ہو اور اس کا اقرار و اعتراف بھی ہو تو لا محالہ ہم پر غیب کا دروازہ کھلا ہونا چاہیے ورنہ ہمارا مکلف ٹھہرانا تکلیف ما لا یطاق کے قبیل سے ہوگا اور وُہ باطل ہے تو لا محالہ رسل کرام اور انبیاء عظام علیہم السلام کے توسط و توسل سے ہی غیب کیساتھ ایمان لانا ممکن ہوگا اور اگر انہیں بھی معلوم نہ ہو تو ان کے ذریعے ہمیں کیسے معلوم ہو سکے گا۔

علاوہ ازیں نبی کی بعثت کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ جو چیزیں عوام کی بداہت عقل اور حواس کی رسائی سے باہر اور ماوراء ہیں ان کی انہیں

اطلاع دے جیسے جنّت و دوزخ ، قیامِ قیامت ، حساب و کتاب، میزان پُل صراط ، حوضِ کوثر ، عذابِ قبر اور ثوابِ قبر، نکیرین کے سوالات وغیرہ وغیرہ ۔ لہٰذا اگر خود نبی علیہ السّلام کو ہی ان غیوب کا علم نہ ہو تو دوسرں کو باخبر اور مطلع کیسے کرے گا ۔

لہٰذا انبیاء و رسل علیہم السّلام کے لیے علمِ غیب تسلیم کرنا لازم و فرض ہے البتہ وُہ عطائی ہے ذاتی نہیں اور اللّٰہ تعالٰی کے علم کے مساوی نہیں جو کہ غیر متناہی بالفعل ہے بلکہ متناہی و محدود ہے اور غیرِ متناہی لاتقفی ہے اور صرف تازہ اطلاع سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ فراست اور نُورِ قلب اور انوار محبوبیت کے ذریعے ان میں ملکہ و استعداد اس علمِ غیب کی موجود ہوتی ہے، اور ان کے قلوب میں یہ نُورانی آنکھیں موجود ہوتی ہیں اگر بعض دفعہ امورِ غیبیہ کی طرف متوجّہ نہ ہوں تو وُہ علٰحدہ امر ہے ۔

علماءِ دیوبند کے پیر و مُرشد کا فیصلہ

حضرت حاجی امداد اللّٰہ مہاجر مکی رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں :

لوگ کہتے ہیں علمِ غیب انبیاء و اولیاء کو نہیں ہوتا میں کہتا ہُوں کہ اہلِ حق جدھر جس طرف نظر کرتے ہیں دریافت اور ادراک غیبات کا ان کو ہوتا ہے اصل میں یہ علمِ حق ہے ۔ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حدیبیہ و حضرت عائشہ رضی اللّٰہ عنہا کے معاملات سے خبر نہ تھی اس کو دلیل اپنے دعوے کی بناتے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ

ضروری ہے۔ (شمائم امدادیہ حصہ دوم صلا)

فائدہ: اگر ان میں استعداد و صلاحیت ہی نہ ہو اور غیوب کے مشاہدہ والی آنکھ ہی نہ ہو تو توجہ کس کام آسکتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت حاجی صاحب کے نزدیک ان میں نورِ فراست اور نورِ محبوبیت والی آنکھ موجود ہوتی ہے اور وہ علم حق کے مظاہرِ کاملہ ہوتے ہیں۔

الغرض صرف انبیاء و رسل کے لیے نہیں بلکہ اکابرینِ اُمت نے معتزلہ کے نظریہ و عقیدہ کے برعکس اولیاء کرام میں بھی علمِ غیب تسلیم فرمایا ہے اور حاضر و ناظر کا عقیدہ و نظریہ بھی اسی علمِ غیب کا ہی شعبہ اور حصہ ہے اور وہ بھی اللّٰہ تعالیٰ کے اذن اور توفیق سے ان نفوسِ قدسیہ میں ثابت ہے لہٰذا یہ دونوں کمال ان میں موجود و متحقق ہیں اور یہ شرک اور کفر کے ستون نہیں بلکہ ایمان و ایقان کے عمود و ستون ہیں اور جو انکے انبیاء علیہم السلام میں تسلیم نہ کرے وہ معتزلہ سے بھی بدتر ہے اور جو اولیاء کرام میں تسلیم نہ کرے وہ سُنّی نہیں بلکہ معتزلی ہے اور اگر باطن میں معتزلی ہونے کے باوجود بظاہر سُنّی ہونے کا دعویٰ کرے تو منافق بھی ہے۔

اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک۔

گلدستۂ توحید

فریقِ مخالف اور قرآنِ کریم

جہاںتک راقم الحروف کو معلوم ہے فریقِ مخالف قرآنِ کریم کی ایک

بھی آیت صریحہ اس پر پیش نہیں کر سکتا کہ سلسلہ اسباب وسببات سے بالاتر ہو کر ما فوق الاسباب طریق پر مصیبت کے وقت حاجت روا اور متصرف سمجھ کر خدا تعالیٰ کے پیغمبروں اور بزرگوں کو پکارنا جائز ہے۔ اور اس پر فلاں آیت موجود ہے۔ یعنی یہ کہ پیغمبر اور بزرگ کوسوں دور اپنی قبور میں آرام فرما رہے ہوں اور نظروں سے اوجھل ہوں اور ان کو پکارا جائے۔ اگرچہ ان کو ما فوق الاسباب طور پر سفارشی ہی تسلیم کیا جائے اور صاف لفظ دعا ید عو کے ہوں، ہیر پھیر نہ ہو۔

یہ نہ ہو کہ ماتحت الاسباب کی استعانت اور تعاون کی آیات پیش کی جائیں۔ یا معجزات اور کرامات سے استدلال ہو کیونکہ یہ سب امور مضروع عنہا ہیں اگر ہے کسی میں ہمت تو بتلایئے

وانی لھم التناوش من مکان بعید

بخلاف اس کے ہم قرآن کریم سے بہت سی آیات پیش کر چکے ہیں کہ غیر اللہ کو ما فوق الاسباب پکارنے والا سب سے بڑا گمراہ ہوتا ہے اور اس کا یہ فعل شرک بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت بھی۔

(صفحہ نمبر ۱۳۹)

گلشنِ توحید و رسالت

علامہ سرفراز صاحب کی ہیریاں پھیریاں

ا۔ علامہ صاحب نے استعانت کے متعلق صریح آیت کی قید لگائی ہے۔

۲۔ مافوق الاسباب طریق پر سلسلۂ اسباب و مسببات سے بالاتر ہو کر استعانت کرنے کی تخصیص فرمائی ہے۔

۳۔ نیز پیغمبروں اور بزرگوں کو حاجت روا اور متصرف سمجھ کر مصیبت کے کے وقت پکارنے کی پابندی عائد کی ہے۔

۴۔ پیغمبروں اور بزرگوں کو کوسوں دور اپنی قبور میں محوِ استراحت ہونے اور نظروں سے اوجھل ہونے پر پکارنے کی تقیید فرمائی ہے۔

۵۔ صاف لفظ دُعا یدعو کے ہوں۔ ہیر پھیر نہ ہو۔

۶۔ ماتحت الاسباب استعانت اور تعاون پر مشتمل آیات نہ ہوں۔

۷۔ معجزات و کرامات پر مشتمل دلائل نہ ہوں۔

۸۔ علامہ صاحب بزعمِ خویش بہت سی آیات پیش کر کے مافوق الاسباب پکارنے والے کا گمراہ ہونا اور مشرک ہونا ثابت کر چکے۔

ان تقییدات اور تخصیصات سے واضح ہے کہ علامہ صاحب انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان سے استعانت و استمداد کو ناجائز اور شرک ثابت کرنے میں خود ہیرا پھیری سے کام لے رہے ہیں ورنہ صریح آیت کی قید لگانا بے سود ہے کیا قرآنِ مجید سے استدلال صرف صریح آیات اور عبارت النص کے طور پر ہی جائز ہے۔ عموم و اطلاق اور اشارۃ و اقتضاء اور دلالۃ النص نیز مجاز اور کنایہ کے طور پر درست نہیں یا الفاظ مشترکہ اور خفی و مجمل آیات کے ساتھ استدلال کسی طرح بھی درست نہیں ہے؟ حالانکہ علماءِ اصول نے متعدد وجوہ دلالت کے ذکر فرمائے

ہیں۔ اور متعدد طرقِ استدلال کے بھی بتلاتے ہیں تو یہ من گھڑت تقییدات
خود علامہ صاحب کی ہیرا پھیری پر صریح دلیل ہیں۔

۲۔ فوق الاسباب اور تحت الاسباب کے تفرقہ کی لغویت اور بیہودگی
اوراقِ سابقہ میں وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکی ہے دوبارہ مطالعہ فرمالیں۔
مختصراً معروضِ خدمت ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کو صرف فوق الاسباب میں
مدبر و متصرف ماننا اور تحت الاسباب امور میں غیراللّٰہ کو مدبر و متصرف
ماننا مجوسیت کے مترادف ہے اور ہم اہل السنّت ہر ہر شئے میں صرف
اور صرف اللّٰہ تعالیٰ کو مؤثرِ حقیقی مانتے ہیں نہ آنکھ کو دیکھنے میں مؤثر، نہ
کان سننے میں مؤثر نہ پانی پیاس بجھانے میں مؤثر نہ روٹی بھوک دور کرنے
میں مؤثر نہ آگ جلانے میں مؤثر بلکہ ان تمام امور میں مؤثرِ حقیقی اللّٰہ تعالیٰ
ہے اور اگر امورِ عادیہ میں ظاہری اسباب ہیں تو خوارق عادات میں بھی
اسباب غیر عادی ہوتے ہیں لہٰذا ہر جگہ سلسلۂ اسباب و مسبّبات ہی قائم ہے
اور انبیاء و اولیاء کی دعاؤں سے اور ہاتھ پھیرنے یا ان کے کپڑوں کے
ذریعے بینائی اور شفاء ملنا بھی اسباب سے متعلق امور ہیں نہ کہ اسباب سے
ماوراء لہٰذا یہ تقییدبھی ہیرا پھیری ہی ہے۔

۳۔ پیغمبرانِ کرام علیہم السّلام اور اولیاء کرام کا حاجت روا اور مشکل کشا ہونا
ان کی شان کے لائق ہوتا ہے اور اللّٰہ تعالیٰ کا حاجت روا ہونا اور مشکل کشا
ہونا اس کی شان کے لائق ہوتا ہے۔ لفظی تشابہ کی بنا پر علماءِ دیوبند اور وہابی
اور خارجی اہلِ اسلام پر شرک کے فتوے لگانے شروع کر دیتے ہیں۔ ان کی

حاجت روائی اور مشکل کشائی یہی ہے کہ وہ دعا کریں اور دل و جان سے اس امر کے آرزو مند ہوں اور اس امر کا ارادہ کریں اور مشیت کا اس امر سے تعلق قائم کریں اور ان کی دعا اور قلبی توجہ اور ارادہ و مشیت کا تعلق اس امر کے لیے **اللہ** تعالیٰ کی طرف سے تخلیق اور ایجاد کا سبب بن جائے گا، جس طرح کہ ہمارے ارادوں اور مشیتوں کا تعلق کسی فعل کے ساتھ اس کی تخلیق و ایجاد کا سبب بن جاتا ہے۔ معجزات و کرامات ہوں اور دیگر افعالِ غیر عادیہ اور خوارق یا معمول اور عاداتِ جاریہ کے تحت سرزد ہونے والے افعال و حرکات ہوں سبھی مخلوقِ باری تعالیٰ بھی ہیں

کما قال تعالیٰ:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (سورۃ الصٰفٰت آیت ۹۶)

اور فی الجملہ مقدورِ عباد بھی ہیں اور ان کے کسب و اختیار میں بھی داخل ہیں۔ لہٰذا غیر اللہ کا مدبّر و متصرّف ہونا مذکورہ بالا معنیٰ کے لحاظ سے قطعاً شرک اور کفر نہیں ہو سکتا اور لفظی مشابہت پر ایسے سنگین فتووں کی بنیاد رکھنا اور قائل کے ایمان و اسلام اور اس کے **اللہ** تعالیٰ کی خالقیتِ عامہ کے عقیدہ کو نظر انداز کرنا سراسر ظلم و عدوان ہے۔

رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو **اللہ** تعالیٰ نے اپنے ساتھ غنی کرنے والے فعل میں شریک کرکے فرمایا:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (سورۃ التوبہ آیت ۷۴)

یعنی منافقین نے نہیں بُرا منایا اور انتقام لیا مگر اس امر کا کہ انہیں غنی کیا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے فضل سے۔ حالانکہ رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دُعا و برکت اور یمن وسعادت سے وُہ غنی ہوگئے اور غنی کرنا حقیقت میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہی فعل ہے۔

وغیر ذالک من الاٰیات والاحادیث وقد ذکرنا من قبل فتذکر۔

علماء معانی وبیان فرماتے ہیں کہ اگر کافر کہے:

انبت الربیع البقل

تو یہ حقیقتِ عقلیہ ہے اور اسنادِ حقیقی ہے لیکن مومن کہے تو مجاز عقلی اور مجاز فی الاسناد ہے کیونکہ کافر موسم ربیع کو ہی مؤثر سمجھتا ہے لیکن مومن اللہ تعالیٰ کو مؤثر سمجھتا ہے اور موسم کو سبب سمجھتا ہے اور مجازی طور پر نسبت سبب کی طرف کر دیتا ہے۔

اور پیغمبرانِ کرام علیہم السلام اور بزرگانِ دین کی دُعاؤں اور قلبی توجہات کے ذریعے حالتِ حیات میں بھی اور بعد از ممات بھی قریب سے بھی اور دُور سے بھی مشکلات حل ہوتی ہیں اور حاجتیں روا ہوتی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی قدس سرہٗ اور علامہ ابن القیم وغیرہ کی تصریحات گزر چکی ہیں ان پر ہی نگاہِ انصاف سے نظر ڈالنے سے حقیقی صُورتِ حال واضح ہو جائے گی لہٰذا مدبّر و متصرّف مان کر پکارنے کی قید بھی ہیرا پھیری ہے۔

۴۔ علامہ صاحب کا پیغمبروں کو اور بزرگوں کو کوسوں دُور اپنی قبروں میں آرام فرما ہوتے ہوئے اور نظروں سے اوجھل ہوتے ہوئے پکارنے کی دلیل کا مطالبہ بھی ہیرا پھیری ہی ہے کیونکہ اگر کسی شخص کو مستقل مؤثر سمجھ کر قریب سے پکارا جائے تو کیا یہ شرک نہیں؟ کیا زندہ شخص کو دُور سے پکارا جائے اور عالم الغیب مستقل اور حاضر و ناظر سمجھ کر پکارا جائے تو کیا یہ شرک نہیں ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص امر کو غیراللہ میں ثابت کرنے کے لیے قریب اور بعید، زندہ اور فوت شدہ کا فرق روا ہو سکتا ہے؟ شرک ہر حال میں شرک ہوتا ہے نہ کہ قریب میں نہیں ہوتا دُور میں شرک ہوتا ہے اور زندہ میں شرک نہیں بنتا صرف فوت شدہ میں شرک بنتا ہے۔ لہٰذا قریب و بعید میں فرق روا رکھنا اور زندہ اور فوت شدہ میں فرق جائز رکھنا سراسر ہیرا پھیری ہے۔

اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں کہ زندہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک ہو سکتا ہے فوت شدہ نہیں ہو سکتا یا کوئی نزدیک ہو تو وُہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہو سکتا ہے اور دُور ہو تو وُہ اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہو سکتا۔ جبکہ استمداد درحقیقت ارواح کاملین سے ہوتی ہے اور وُہ نہ ہی مرتے ہیں، اور نہ ان کے لیے قرب اور بُعد کا فرق ہوتا ہے۔ الحاصل ہمارے نزدیک غیراللہ کو پکارنا اگر خدائی صفات اور مستقل مدبّر و متصرّف سمجھ کر ہے تو سراسر شرک ہے قریب سے ہو یا دُور سے اور زندہ کو پکارا جائے یا فوت شدہ کو اور اگر اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ صفات کمال اور خداداد تدبیر و تصرف

کے تحت ہے اور مخلوق کے شایان استمداد و استعانت کے لیے ہے تو بالکل جائز ہے۔ ہمارے عقیدہ میں اس ایچ پیچ اور ہیرا پھیری کی قطعاً گنجائش نہیں ہے جو علامہ صاحب نے اپنے فاسد نظریہ کے تحفظ کے لیے کی ہے۔

۵۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں صاف لفظ دعا یدعو کے ہوں ہیر پھیر نہ ہو اس میں خود علامہ صاحب نے ہیر پھیر سے کام لیا ہے کیونکہ پکارنے کا مقصد استمداد و استعانت ہوتا ہے بذاتِ خود پکار تو مقصود نہیں ہوتی اور استمداد و استعانت کے لیے دُعا یدعو کا صاف لفظ کیوں ضروری ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اپنے درباریوں کو تخت لانے کا حکم دیا اور حضرت آصف رضی اللہ عنہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے تخت لے آتے تو کیا ہر کسی سے اس قسم کی امداد و اعانت طلب کرنا جائز اور صحیح ہے؟ اور اسباب عادیہ سے بالاتر اور مافوق الاسباب امور کا تقاضا صرف اس لیے جائز ہوگا کہ یہاں پر دُعا یدعو کے الفاظ استعمال نہیں کیے گئے؟ اور اس انداز میں مدد طلب کرنے کے لیے زندہ اور فوت شدہ اور قریب و بعید میں کوئی فرق کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی؟

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ط

(سورۃ النور آیت ۶۳)

میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو بلکہ ادب و احترام اور القاب و اوصافِ کمال

کے ساتھ پکارو۔

اس میں دعاء و پکار اور نداء و خطاب کی رخصت اور اجازت ہے صرف اس کے انداز اور اسلوب میں تقیید و تخصیص فرمائی گئی ہے اور یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے اور تمام اہلِ عالم کے لیے ہے۔ کسی کو وصال شریف کے بعد عامیانہ انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی دور ہونے کی صورت میں عامیانہ انداز سے پکارنے کی رخصت ہے۔ اگر سرے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاء و پکار اور نداء و خطاب درست نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا:

لا تدعوا الرّسول

لا تنادوا الرّسول

لا تخاطبوا النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم۔

اور جب اس طرح نہیں فرمایا بلکہ اس کو مقید فرما کر اس پر نہی وارد کی تو اس نہی کا تعلق دراصل اسی قید کے ساتھ ہی ہوگا یعنی دعاء رسول اس طرح پر نہیں ہونی چاہیے جیسے کہ تم میں سے بعض کی دعاء و پکار بعض کیلئے ہوا کرتی ہے لہٰذا اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہو گیا کہ دعا یدعو کے صیغوں سے بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنا جائز ہے۔ اور حالتِ حیات و ممات میں بھی اور قریب سے بھی اور دور سے بھی کیونکہ پابندی صرف یہ ہے کہ اندازِ پکارنے کا عامیانہ نہ ہو دوسری کوئی پابندی نہیں ہے کما سیاتی تقریرہ۔

نیز حروفِ ندا، دُعا کے ہی قائم مقام ہوتے ہیں۔ علمائے نحو نے منادی کی تعریف ہی یہی کی ہے:

هو المطلوب اقباله بحرف نائب مناب ادعو۔

منادی (جس کو پکارا جائے) اسم ہے اس ذات کا جس کی توجہ اپنی طرف طلب کی جائے ایسے حرف کے ساتھ جو ادعو کے قائم مقام ہوتا ہے لہٰذا جب یَآ اَیُّھَا النَّبِی۔ یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْل کے انداز میں ندا و پکار پائی جائے اور اس کا ثبوت مل جائے تو وہ دعا یدعو کے الفاظ سے پکارنے کا ثبوت ہی ہوگا۔ لہٰذا دعا یدعو کے صاف الفاظ کی قید لگانا بھی سوائے ہیرا پھیری کے کچھ بھی نہیں۔

۴۔ (الف) علامہ صاحب فرماتے ہیں ماتحت الاسباب استعانت اور تعاون پر مشتمل آیات نہ ہوں۔ یہ تخصیص و تقیید بتلاتی ہے کہ تحت الاسباب استمداد اور استعانت انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان سے جائز ہے مثلاً بیماری کی صورت میں حکیم اور ڈاکٹر کی طرف مراجعت یا چوری اور ڈاکہ کی صورت میں حاکم و سلطان کی طرف مراجعت وغیرہ ذٰلک جس طرح جائز ہے تو کیا ان امور میں اللہ تعالیٰ کے رسل کرام علیہم السلام کی طرف یا اولیاء کرام کی طرف استغاثہ کیا جائے تو یہ بھی جائز ہوگا یا نہیں اگر جائز نہیں تو وجہ فرق بتلائیں؟ نیز حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بارگاہ میں ہزاروں مریضوں کی حاضری اور شفاء امراض کے لیے استغاثہ و استمداد جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اس کا حکم بتلائیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا

مختلف بیماریوں اور تکالیف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف استغاثہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب دہن کے ذریعے دکھتی آنکھیں اور زخمی اور مردہ آنکھیں درست فرمانا اور ٹوٹی پنڈلیاں جوڑنا، وضو کے پانی سے صحابہ کرام کی غشی اور اغمار کو دور کرنے وغیرہ کا حکم بتلائیں؟ نیز میدانِ بدر میں اور غزوۂ حنین میں کفار کی طرف مٹھی بھر مٹی پھینک کر انہیں پسپائی پر مجبور کر دینا۔ انہیں شکست سے دوچار کر کے اہلِ اسلام کو فتح اور کامیابی اور غلبہ و کامرانی سے بہرہ ور فرمانا بھی پیشِ نظر رکھ کر اس امر کا فیصلہ دیا جائے کہ کیا استمداد کرنے والے مشرک ہو گئے یا نہیں؟ اور امداد و اعانت فرمانے والے اس فتوے کی زد میں آتے یا نہیں؟ اگر نہیں آتے اور یقیناً نہیں آتے تو ان کی یہ استمداد و استعانت اسباب عادیہ سے مافوق طریقہ پر تھی لہٰذا تحت الاسباب اور فوق الاسباب کا تفرقہ لغو ٹھہرا اور اگر ان مقبولانِ بارگاہ کے کپڑے اور لعابِ دہن اور مستعمل پانی وغیرہ بھی ایسے اسباب ہیں جن سے لوگوں کی شفاء اور تندرستی اور حلِ مشکلات اور قضا حاجات متعلق ہیں اور یہ صورتیں عالمِ اسباب و مسببات کے قبیل سے ہیں تو پھر فوق الاسباب کے نیچے کون سی صورتیں مندرج ہیں ذرا ان کی وضاحت فرمائی جائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کون سی استمداد و استعانت مختص رہ گئی اس کی نشاندہی بھی کی جائے لیکن بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھلے دیوبند نے اللہ تعالیٰ کو اعانت فرمانے سے معطل ہی کر دیا ہے۔

(ب) نیز جن امور میں استمداد و استعانت تحت الاسباب ہونے کی وجہ سے جائز رکھی گئی ہے ان میں اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد و بھروسہ لازم ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں تو ان آیاتِ عامہ اور مطلقہ کا مخصص اور سبب تقیید بیان کریں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

(سورہ مائدہ آیت ۱۱)

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ (سورہ یوسف آیت ۶۷)

وغیرہ ذلک، جن میں مطلق اہلِ ایمان کو ذاتِ باری تعالیٰ پر توکل کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر لازم و ضروری ہے جیسے کہ آیاتِ کریمہ کا عموم و اطلاق اس کا مقتضی ہے اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات

اعقلها وتوكل على الله

(الدرر المنتثرہ بحوالہ ترمذی شریف)

اونٹنی کو رسہ ڈال اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر۔

نیز سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی ستر ہزار کی سعادت مند جماعت کا اس اعزاز سے مشرف ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمانا

هم الذين لا يسترقون ولا يكتدون وعلى ربهم يتوكلون

وہ ایسے لوگ ہوں گے جو نہ منتر وغیرہ کراتے ہیں نہ داغ لگواتے

اور آگ کے ساتھ علاج کراتے ہیں اور اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں، وغیر ذٰلک ۔ تو اسی طرح اسباب غیر عادیہ سے متمسک بھی اگر توکل اور اعتماد اللّٰہ تعالیٰ پر رکھے ان اسباب پر توکل اور اعتماد کُلی نہ رکھے تو یہ صُورت کیوں روا نہیں ہوگی؟ نیز جب ہر جگہ مُؤثِّر حقیقی اللّٰہ تعالیٰ ہوا تبھی اس پر توکل لازم اور ضروری ٹھہرا تو پھر تحت الاسباب اور فوق الاسباب کا فرق لغو اور باطل ہو کر رہ گیا اور اعلیٰ حضرت کا یہ فرمان بالکل بجا ثابت ہو گیا ۔ ؎

حاکم حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں
مردُود یہ مُراد کس آیت خبر کی ہے

(ج) نیز قولِ باری تعالیٰ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں مطلقاً استعانت کو اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اس میں سے تحت الاسباب استعانت کا مخصص کون سا ہے؟

جبکہ علماءِ مفسرین نے اس آیتِ کریمہ کے تحت قدرتِ ممکنہ اور قدرتِ میسرہ کی عطا کا اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ اختصاص بیان کیا ہے اور حج کی قدرتِ ممکنہ میں سواری اور زادِ راہ میں بھی داخل ہے تو کیا کسی سے سواری طلب کرنا اور مطلوبہ رقم مانگ لینا بھی شرک قرار پائے گا یا نہیں؟ اگر شرک ہے تو خود علامہ صاحب اور ان کے اکابر جو ایسے امورِ خیر میں لوگوں کی امدادیں قبول کرتے ہیں مشرک ٹھہرے اور اگر نہیں تو آیتِ کریمہ میں اختصاص ظاہری استعانت کا نہیں ہوگا بلکہ حقیقی استعانت کا جو کہ اسبابِ ضروریہ

کی تخلیق و ایجاد کے لحاظ سے ہوگا اور حقیقی تملیک اور تفویض کے اعتبار سے اور اس طرح اسبابِ عادیہ اور غیرِ عادیہ میں فرق کرنا بالکل غلط ہوجائیگا

اور قولِ باری تعالیٰ :

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ (سورۃ المائدہ آیت ۲)

میں نیکی اور تقویٰ پر باہم امداد و اعانت کا حکم دیا گیا ہے اور اثم و عدوان میں تعاون سے منع کیا گیا ہے۔ اگر اثم و عدوان میں تعاون کا ممنوع ہونا تحت الاسباب کی قید کے ساتھ مقید نہیں تو بر و تقویٰ میں تعاون تحت الاسباب کی قید کے ساتھ مقید کیونکر ہوگا۔ بلعم بن باعور نے عمالقہ کی امداد و اعانت تلوار اور تیر و تفنگ کے ساتھ نہیں بلکہ اسمِ اعظم کے ذریعے کرنے کی ٹھانی تھی پھر اس کا انجام کیا ہوا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بر و تقویٰ پر امداد و اعانت نہ کی اور ذلیل و خوار ہوا اور اللہ تعالےٰ نے اس کو کتے کی مانند قرار دیا اور فرمایا :

مثلہ کمثل الکلب

لٰہذا تعاون و امداد کے جواز کو تحت الاسباب کے ساتھ مخصوص ٹھہرانے کی بھی کوئی دلیل نہیں۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا غزوہ بدر اور غزوہ حنین میں کفار کی طرف مٹھی بھر مٹی پھینک کر انہیں میدان سے بھگانا اور اہلِ اسلام کو فتح و نصرت سے بہرہ ور فرمانا۔ حضرت ابوہریرہ[ا] کی والدہ کی ہدایت کے لیے دعا کرکے ایمان سے بہرہ ور کرانا اور حضرت

[ا] ۔۔۔ رضی اللہ عنہ

ابو محذورہ کے سینے پر ہاتھ پھیر کر ان کے دل سے کفر کو زائل کر کے نورِ ایمان سے منور کرنا وغیرہ ذٰلک برو تقویٰ پر تعاون ہے اور اسباب عادیہ سے ماورا طریقہ پر ہے۔

(د) نیز پہلے بیان ہو چکا کہ نمک کی ضرورت ہو تو اللہ سے مانگو اور جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ سے سوال اور استعانت کرو، اور علامہ آلوسی کا قول بھوسی کا تنکہ اور پہاڑ کا اٹھانا برابر ہے اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال نہ ہو اور علامہ علی قاری کا ارشاد کہ نہ پانی سیراب کر سکتا ہے نہ روٹی سیر کر سکتی ہے اور نہ آگ جلا سکتی ہے اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو ثابت ہوا کہ حقیقی معاون و مددگار تحت الاسباب اور فوق الاسباب میں اللہ تعالیٰ ہے اور عالمِ اسباب و مسببات کے باہمی ربط و تعلق کے تحت کہیں اسبابِ عادیہ سے مسببات متعلق ہوتے ہیں اور کہیں غیر عادیہ سے ان کا ارتباط اور تعلق ہوتا ہے۔

الغرض تحت الاسباب استمداد و تعاون پر مشتمل آیات نہ ہونے کی تقیید بھی سراسر ہیرا پھیری ہی ہے۔ دُنیائے تحقیق میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کروڑوں حصے دار اور شریک بنانے کے مترادف ہے اور مجوسیوں اور ثنویہ فرقہ کی تقلید و اتباع ہے۔

۷۔ علامہ صاحب نے فرمایا معجزات و کرامات پر مشتمل دلائل نہ ہوں اس سے تو بڑی ہیرا پھیری ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اسبابِ عادیہ سے ہٹ کر اگر استمداد و استعانت کی جائے گی تو کوئی مسلمان اور مومن شخص کفار و مشرکین اور

ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے یا ساحرین اور جادوگروں سے تو استمداد واستعانت نہیں کرے گا لا محالہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم الرضوان سے ہی کرے گا اور پہلی صورت معجزہ کہلائے گی اور دوسری صورت کرامت کہلائے گی اور یہ دونو دلیلیں قابلِ قبول نہیں تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ استدراج اور تکذیب واہانت پر مشتمل آیات پیش کریں یا صرف جنات اور شیاطین کی امداد و اعانت پر مشتمل آیات پیش کریں؟ کتنے افسوس کی بات ہے کہ عفریت کی اور دیگر جنات کی قوت و طاقت مسلم ہے اور ان سے اس قسم کے کام اور خدمات لی جاسکتی ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام ان سے ایسی خدمات لیتے رہتے تھے جو عام انسانوں کی ہمت و طاقت سے باہر اور ماوراء ہوتی تھیں۔ کما قال تعالیٰ:

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ (الیٰ) يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ (سورہ سبا، آیت ۱۲-۱۳)

تو حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ جیسے مقبولانِ بارگاہ سے اس قسم کے امور میں استفادہ و استفاضہ اور استمداد و استعانت کیونکر جائز نہیں ہوگی اور اکابرین کے ارشادات اور تصریحات سے یہ حقیقت واضح کی جاچکی ہے کہ جس طرح ہمارے قوٰی اور اعضاء۔ حواس و مشاعر بطورِ عادت اور معمول اپنے اپنے دائرہ کار میں سبب ہوتے ہیں اور جنات و شیاطین کے قوٰی اور قدرتیں سبب ہوتی ہیں اور ان میں بطور ملکہ موجود ہوتی ہیں،

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام میں بھی ان کا تحقق و ثبوت بطورِ ملکہ ہوتا ہے اور وہ غیر عادی امور میں ایجاد و تخلیق کا سبب ہوتے ہیں اور موجد و خالق تمام امور اور افعالِ عادیہ و غیر عادیہ کا اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے اور معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیاء ان کے ارادے اور اختیار سے بھی سرزد ہوتے ہیں لہٰذا ان پر مشتمل دلائل کو کیوں نہ پیش کریں۔ بلکہ علامہ صاحب کو یوں کہہ دینا چاہیے تھا کہ کوئی سُنّی اپنے عقیدہ پر کوئی دلیل پیش ہی نہ کرے تاکہ ہمارا دعویٰ ثابت ہو جائے۔ لہٰذا یہ بھی علامہ صاحب کی صرف ہیرا پھیری ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کے امتیازی کمالات کا انکار ہے اور جواب سے عجز اور بے بسی کی مُنہ بولتی دلیل و بُرہان ہے۔

۸۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم بہت سی آیات سے غیر اللہ کو مافوق الاسباب پُکارنے والے کا گمراہ ہونا اور مشرک ہونا ثابت کر چکے حالانکہ اسمیں بھی علامہ صاحب نے ہیرا پھیری سے کام لیا ہے جب نیلوی اینڈ کمپنی ان آیات سے استدلال کرے تو آپ فرماتے ہیں ان سے اصنام داوثان مُراد ہیں، اہلِ قبور مُراد نہیں تاکہ ان کے پُکارنے اور جاننے اور سُننے دیکھنے کا عقیدہ رکھنے والا گمراہ اور بے دین قرار پاتے اور جب انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے استمداد و استعانت کو ناجائز اور شرک ثابت کرنا ہوتا ہے تو پھر وہی آیات خود پیش کرتے ہیں اور ہمارے خلاف دلیل و حجّت بنا لیتے ہیں لہٰذا یہ سراسر ہیرا پھیری ہے کیونکہ اولیاء کرام اور

انبیاء کرام علیہم السلام ان آیاتِ کریمہ میں داخل ہیں تو پھر قریب اور بعید اور
تحت الاسباب اور فوق الاسباب کے تفرقے سراسر ہیرا پھیری ہیں کیونکہ
آیاتِ کریمہ کے عموم و اطلاق کو خاص اور مقید ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی
انہیں آیات میں اصنام و اوثان بھی داخل اور ان سے قریب و بعید اور
تحت الاسباب اور فوق الاسباب امور میں تدبیر و تصرف بطورِ ایجاد و
تخلیق بھی معدوم و منفی اور بطور سببیت بھی لیکن انہیں میں داخل انبیاء
و اولیاء سے صرف بعید اور فوق الاسباب امور میں تدبیر و تصرف کی نفی
ہو اور نہ قریب سے تو اس سے بڑی ہیرا پھیری کیا ہو سکتی ہے؟

حقیقتِ حال یہ ہے کہ جس طرح خارجیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ
کو مشرک قرار دینے کے لیے بلا جواز قول باری تعالیٰ:

ان الحکم الا للّٰہ (سورہ یوسف)

کو آڑ بنا لیا تھا اور کہا تم نے تحکیم اور ثالثی قبول کر کے شرک کا ارتکاب
کیا ہے اسی طرح علامہ صاحب نے بھی اصنام و اوثان کی بیخبری اور
غفلت اور مجبوری و بے بسی کے بیان پر مشتمل آیات اور ان کے پجاریوں
کے کفر و شرک پر مشتمل آیات کو اہلِ اسلام پر منطبق کرنے اور انہیں مشرک اور گمراہ
قرار دینے کی ناکام سعی فرمائی ہے۔ اور جو جواب مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
نے ان خوارج کو دیا تھا یعنی کلمۂ حق

ارید بھا الباطل

آیت برحق ہے مگر اس سے جو معنی کشید کیا گیا ہے وہ باطل ہے۔ اسی طرح

حضرت شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے غلاموں کی طرف سے بھی جواب وہی ہے کہ آیات برحق ہیں مگر ان سے کشید کردہ معنیٰ سراسر باطل ہے، اور بقول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہ تمام مخلوقات میں سے بدترین لوگوں کی اندھی تقلید ہے۔

جیسے کہ بخاری شریف صلاح۱۰۲۴ ج ۲ پر منقول ہے:

كان ابن عمر يراهم شرار خلق الله وقال انهم انطلقوا الى آيات نزلت فى الكفار فجعلوا على المؤمنين۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان خارجیوں کو ساری مخلوق سے بدتر سمجھتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ان آیات کی طرف چلے گئے جو کفّار کے حق میں نازل ہوئی تھیں پس ان کو مومنین پر منطبق کر دیا اور بالکل وہی طریقہ نیلوی صاحب نے بھی اور سرفراز صاحب نے بھی اپنا رکھا ہے اور حدیثِ رسول علیہ السلام سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ اہلِ اسلام کو مشرک قرار دینے والا ردائے اسلام کو تار تار پھینکنے والا ہے اور قرآن مجید کو پسِ پشت ڈالنے والا ہے اور بلعم بن باعور کا مقتدی اور متبع ہے۔

العیاذ باللہ تعالیٰ۔ بلکہ حقیقت میں مشرک ہی وہی ہے۔

قبل ازیں ان آیاتِ کریمہ کے متعلق تفسیری اقوال اور ان کے حقیقی معانی کی وضاحت پیش کی جا چکی ہے جو علامہ صاحب نے اہلِ اسلام پر منطبق کی ہیں انہیں دوبارہ ملاحظہ فرمالیں اور مطالعہ کرلیں تاکہ حقیقتِ حال معلوم

ہو جاتے اور علامہ صاحب کے استدلال کی لغویت کا یقین ہو جاتے۔

علامہ صاحب کا بے بنیاد دعویٰ

علامہ سرفراز صاحب کی ہیرا پھیری کے نمونے ملاحظہ کرنے کے بعد اصل دعویٰ کی طرف توجہ فرما دیں کہ قرآن مجید کی آیات سے کوئی آیت غیراللہ کے امداد و اعانت کرنے اور ان سے استمداد و استعانت کے لیے پکارنے پر دلالت کرتی ہے یا نہیں حالانکہ متعدد آیاتِ کریمہ امداد و اعانت اور استمداد و استعانت کے جواز و اباحت پر دلالت کرتی ہیں لیکن اگر کوئی ان میں غور ہی نہ کرے یا غور و فکر کرنا ہی نہ چاہے تو اس کا کیا علاج ہے۔

۱۔ قولہ تعالیٰ:

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ (سورہ النزعت آیت ۵)

کی تفسیر اور علماءِ اعلام کے ارشادات پہلے گزر چکے اور وجوہِ استدلال بھی لہٰذا دوبارہ ان کا مطالعہ فرمالیں۔

عذرِ بارد

علامہ سرفراز صاحب نے راہِ ہدایت ص۱۲۶ میں کہا کہ چونکہ اس کی متعدد تفسیریں منقول ہیں لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں قطعیت باقی نہیں رہ گئی حالانکہ آپ ماہر مدرس ہونے کے مدعی ہیں تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ متعدد احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کے ساتھ

استدلال کرنے میں اور متعدد تفاسیر میں سے کسی ایک تفسیر کے ساتھ استدلال کرنے میں واضح فرق ہے جیسے کہ فاضل سیالکوٹی نے حاشیہ بیضاوی میں اس کی تصریح فرمائی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ قول باری تعالیٰ :

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ

(سورۃ البقرہ آیت ۶)

الآیہ سے قاضی بیضاوی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ غیب والے معجزہ پر سے استدلال کیا تو اس پر یہی اعتراض وارد ہوا کہ آپ کی غیبی خبر تو صرف اس صورت میں بنے گی جبکہ الذین کفروا سے مخصوص اور متعین افراد مُراد ہوں حالانکہ اس میں عموم والا قول بھی موجود ہے تو جب احتمال متعدد ہو گئے تو اس سے قاضی بیضاوی کا استدلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ غیب والے معجزہ پر (کہ آپؐ نے جان لیا کہ فلاں فلاں کافر تبلیغ و ارشاد سے مستفید نہیں ہوں گے، اور ایمان نہیں لائیں گے اور آپؐ نے خبر بھی دے دی اور جس طرح فرمایا اسی طرح ہوا) باطل ہو گیا تو فاضل سیالکوٹی نے فرمایا :

فهو في الحقيقة استدلال باحد وجهي التفسير و

ليس استدلالا بالمحتمل ۔ (منہ)

کہ یہ درحقیقت تفسیر کے متعدد وجوہ میں سے ایک وجہ کے ساتھ استدلال ہے نہ کہ امر محتمل کے ساتھ استدلال ہے۔ لہٰذا اس جواب میں علامہ صاحب نے اپنا علمی مقام اگر تھا بھی تو اس کو تعصب و عناد کے

لہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

تحت داوَ پر لگا دیا ہے اور اس واضح اور روشن تر حقیقت سے آنکھیں بند کر لی ہیں کہ مفسرینِ کرام تو تقریباً ہر آیت کریمہ کے تحت متعدد اقوال ذکر کر دیتے ہیں لہٰذا ان تمام آیات سے استدلال ناجائز اور غلط ہو جائے گا تو گویا ان مفسرین نے قرآنِ مجید کی تفسیر کر کے اس کو نا قابلِ عمل بنا دیا اور قطعی کو ظنی اور مشکوک بنا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی اور اس کی کتاب کے ساتھ بھی ظلمِ عظیم کیا اور ہر مفسر گویا اس کا پابند ہونا چاہیے کہ ہر آیت کی صرف ایک وجہ سے ہی تفسیر کرے متعدد وجوہ ذکر کرنا اس پر حرام ہونا چاہیے۔ یا للعجب ولضیعۃ الدرب۔ ؎

رہے نہ اہلِ ہنر تو بے خرد چمکے
فروغِ نفس ہُوا عقل کے زوال کے بعد

حقیقتِ حال یہ ہے کہ مدبرات کا لفظ عام ہے اور عام کو اپنے عموم پر رکھنا ضروری ہے لہٰذا ان متعدد تفسیری اقوال میں کوئی منافات نہیں بلکہ وُہ سب اقوال اسی عموم کا بیان ہیں اور عام کے ساتھ خاص پر استدلال اصطلاحِ منطق میں قیاس کہلاتا ہے اور وُہ حجت و دلیل کے اقسامِ ثلاثہ میں سے اعلیٰ درجہ کی حجت و دلیل ہوا کرتا ہے۔

تحت الاسباب اور فوق الاسباب،

علامہ صاحب کو یہاں یہ شبہ بھی ہے کہ یہاں پر جس تدبیر و تصرف کا ذکر ہے وُہ تحت الاسباب ہے فوق الاسباب نہیں ہے جب کہ نزاع

فوق الاسباب تدبیر و تصرف میں ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

اس آیتِ مذکورہ میں جس تدبیر اور تصرف کا (ایک تفسیر اور احتمال کے روسے) ثبوت ملتا ہے وُہ صرف عالمِ اسباب کی تدبیر ہے اس سے ما فوق الاسباب تدبیر اور تصرف ہرگز مُراد نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے اعلیٰ حضرت کا حوالہ ہی عرض کر دیں :

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوگا بوساطت فرشتگان اور سیارگان و عقول عشرہ ہی ہو رہا ہے یا ہر آن میں بلا توسل ان سب کے خود حاکمِ حقیقی نظم و نسق فرماتا ہے بینوا توجروا۔ الجواب اللہُ اکبر حاکمِ حقیقی عز جلالہٗ پاک ہے اس سے کہ کسی سے توسل کرے وہی اکیلا حاکم، اکیلا خالق، اکیلا مدبر ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں وُہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس نے عالمِ اسباب میں ملائکہ کو تدابیر امور پر مقرر فرمایا ہے۔

قال تعالیٰ :

فالمدبرٰت امراً الخ

(احکامِ شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۹۴ ۔ راہِ ہدایت صفحہ ۱۳۱)

خود علامہ صاحب نے تحت الاسباب اور فوق الاسباب کی وضاحت اپنے طور پر یوں کی ہے :

یہ یاد رہے کہ پیاس کے وقت اپنے نوکر کو پانی کے لیے پکارنا بیماری میں علاج کے لیے حکیم اور ڈاکٹر کو بُلانا، کسی اور ایسی ہی تکلیف میں اپنے

کسی دوست، عزیز، رشتہ دار یا عام انسان کی توجہ اپنی طرف منعطف کرنا یہ نہ تو شرک ہے اور نہ اس سے ڈاکٹر اور حکیم کو اللہ ماننا لازم آتا ہے کیونکہ یہ سب کچھ سلسلۂ اسباب کے تحت ہے نہ کہ سلسلۂ اسباب سے مافوق بخلاف اس کے جو بھوک پیاس، بیماری یا دُکھ درد میں کسی پیغمبر، ولی شہید اور بزرگ کو پکارتا ہے (تا) اس کو اس معنیٰ میں متصرف فی الامور مانتا ہے، کہ یہ مشکل کشائی، حاجت روائی، پناہ دہندگی اور اعانت و خبرگیری اور حفاظت میں فوق الطبعی طور پر اسباب کو حرکت میں لا سکتے ہیں اور یہی اصل شرک ہے۔

(گلدستۂ توحید ص ۱۱۱-۱۱۲)

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہ اللہ کے کلام میں مطلقاً تدابیر امور کو ملائکہ کے سپرد کرنے کا ذکر ہے اس میں فوق الطبعی طور پر یا طبعی طور پر اسباب کو مسببات کے ساتھ مرتبط کرنے کا فرق نہیں کیا گیا جبکہ علّامہ صاحب نے اسباب و مسببات کے طبعی ربط و تعلّق کے ذریعے مسبب کے تحقق کو تحت الاسباب سے تعبیر کیا ہے اور فوق الطبعی ربط و تعلّق کو فوق الاسباب سے تعبیر کیا ہے اور پھر اعلیٰ حضرت کے کلام کو اپنے مدعا کی دلیل بھی بنا لیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ موصوف کو تحت الاسباب اور مافوق الاسباب میں باہمی امتیاز اور تفرقہ کا پتہ ہی نہیں اور نہ کوئی حتمی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اللہ تعالیٰ کی محتاجی کی نفی فرمائی، اور ملائکہ وغیرہ کے توسل سے امور میں تدبیر و تصرف کی نفی فرمائی جس کا مطلب و مفہوم یہ تھا کہ اصل کارکنانِ قضا و قدر ملائکہ اور عقولِ عشرہ وغیرہ

ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا تو اس طرح ان کے افعال بالواسطہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگئے اور یہ گویا فلاسفہ کا تفویض امور والا نظریہ تھا جس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حقیقی مدبّر اور متصرف اور خالق و موجد ہے اور ملائکہ کی تدابیرِ امورِ کائنات کی انجام دہی کے لیے اسباب ہیں اگرچہ فوق الطبیعت ہی کیوں نہ ہوں جس طرح جبرئیل علیہ السلام کے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک مارنے سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا تولد اگرچہ سبب و مسبّب کے باہمی ربط و تعلق اور جبرئیلِ امین علیہ السلام کی تدبیر سے ہے۔ کما قال :

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝

(سورہ مریم آیت ۱۹)

لیکن توالد و تناسل کا سبب طبعی یہ نہیں ہے بلکہ خاوند اور بیوی کا باہمی ملاپ اور رحم میں دونوں کے ممزوج نطفوں کا استقرار سبب طبعی ہے، اور فوق الطبعی طور پر اسباب و مسبّبات میں ربط قائم کرنے اور سبب کے مترتب ہو جانے کے عقیدہ کو علّامہ صاحب شرک قرار دیتے ہیں حالانکہ معجزات اور کرامات میں بالعموم ہوتا ہی اسی طرح ہے۔ پانی کے پیالہ میں سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا دستِ اقدس رکھ کر اُبلتے چشموں میں بدلنا اور صحابہ کرام کو سیراب فرمانا، حضرت جریج رضی اللہ عنہ کا زانیہ عورت کے پیٹ میں موجود بچے کو کہنا

یا بابوس من ابوک

اسے پیٹ میں موجود جنین تو کس کے نطفے سے ہے اور اس کا اندر سے
جواب دینا میں چرواہے کے نطفے سے ہوں -
(مسلم شریف ص۳۱۲ ج ۲ - بخاری شریف ص۱۹۱ ج ۱)
فوق الطبعی طور پر اپنی برارت ثابت کرنے کے قبیل سے ہے -
لہٰذا علامہ صاحب کے نظریہ میں اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فرمان میں
واضح فرق اور امتیاز موجود ہے اور باہم مطابقت و موافقت بالکل مفقود
ہے اس لیے آپ کے کلام سے استشہاد علامہ صاحب کے لیے بالکل بے سود ہے -
اعلیٰ حضرت کا صرف اور صرف وہی مطلب ہے جو حضرت خاتم المفسرین
شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کا ہے کہ اسباب ظاہرہ اور ان کے مسببات میں
بھی حقیقی مؤثر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھا جائے اور نظر اسباب
پر نہ رکھی جائے بلکہ مسبب پر اور اسباب باطنہ غیر عادیہ میں بھی نظر اسی
کی ذات پر ہونی چاہیے اور مؤثر حقیقی اسی کو سمجھنا چاہیے - چنانچہ حضرت
شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ :
ایک دن حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نمازِ شام پڑھا رہے تھے جب
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝
کہا تو بیہوش ہو کر گر پڑے - جب ہوش بحال ہوا تو لوگوں نے دریافت کیا
اے شیخ آپ کو کیا ہو گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ جب میں نے اِيَّاكَ
نَسْتَعِيْنُ پڑھا تو مجھے خوف لاحق ہوا کہ مجھے کہیں اے دروغ گو تو پھر
طبیب سے دارو کیوں طلب کرتا ہے اور امیر سے روزی کیوں طلب کرتا ہے

اور بادشاہ اور حاکم سے نصرت و امداد کیوں طلب کرتا ہے (۱) لیکن در اینجا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہیکہ اعتماد برآں غیر باشد واو را مظہر عون الٰہی نداند حرام است واگر التفات محض بجانب حق است واو را یکے از مظاہر عون الٰہی دانستہ ونظر بکار خانہ اسباب وحکمت او تعالیٰ درآں نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید دور از عرفان نخواہد بود ودر شرع نیز جائز وروا است ودانبیاء واولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند ودر حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر۔

(صفحہ نمبر ۸ ج ۱)

لیکن یہاں پر یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیے کہ غیر اللہ سے استعانت اس طرح ہو کہ اعتماد صرف اسی پہ ہو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی اعانت کا مظہر نہ جانے تو حرام ہے اور اگر توجہ اور التفات محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس غیر کو اللہ تعالیٰ کی امداد و اعانت کے مظاہر میں سے ایک مظہر سمجھ کر اور کارخانۂ اسباب اور حکمتِ باری تعالیٰ پر نظر رکھتے ہوئے غیر اللہ سے ظاہری طور پر استعانت کرے تو عرفان سے دُور نہیں ہوگی اور شریعت میں بھی جائز اور درست ہے اور انبیاء علیہم السلام واولیاء نے اس طرح کی استعانت غیر سے کی ہے اور در حقیقت یہ غیر سے استعانت نہیں بلکہ حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔

اور جب ظاہری اور عادی اسباب پر نظر اور اعتماد کلی روا نہیں تو غیر عادی اسباب پر بطریقِ اولیٰ روا نہیں ہوگا اور یہی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

کا مقصد ہے اور اس کو انہوں نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔ ؎

حاکم حکیم دار و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں
مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

اور اگر اعلیٰ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان میں اللہ تعالیٰ کی عطا سے بھی تدبیر و تصرف کی قدرت و طاقت تسلیم نہیں کرتے اور انہیں خداداد تصرف و تدبیر کا مالک بھی نہیں مانتے تو پھر تمہارا ان کے ساتھ اختیاراتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں تنازعہ کیا ہے اور ان پر شرک کے فتوے کیسے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ صاحب کو اعلیٰ حضرت کی اردو عبارت سمجھنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی اور نہ ان کو خود ہی معلوم ہو سکا ہے کہ ہمارے تحت الاسباب اور فوق الاسباب کے رٹے رٹائے الفاظ کا مطلب اور معنیٰ و مفہوم کیا ہے۔

حالتِ اضطرار میں مافوق الاسباب استمداد کا جواز

اختیاری حالت میں تو علماءِ دیوبند تحت الاسباب اور فوق الاسباب استمداد کا فرق بہت ہی ملحوظ رکھتے ہیں اور اوّل کے جواز اور ثانی کے شرک ہونے کے فتویٰ صادر کرتے ہیں مگر جب بھوک ستائے اور جان لبوں پر آجائے تو پھر فوق الاسباب استمداد بھی جائز ہو جاتی ہے اور امداد دینے والے کی قدرت و طاقت اور تدبیر و تصرف کا فراخدلی کے ساتھ اعتراف بھی کیا جاتا ہے چنانچہ مخزنِ احمدی کے مؤلف سیّد احمد بریلوی کے نبیرہ سید محمد علی صاحب لکھتے ہیں: (ص ۹۹)

کہ ہمارا قافلہ وادیٔ سرف میں حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے مزار مبارک کے قریب فروکش ہوا۔ اتفاق سے کھانے پینے کو کوئی شے دستیاب نہ ہوسکی اور ہر شخص کے پاس روٹی کی طلب میں دوڑا لیکن ہر طرف سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو لاچار اور مجبور ہوکر مزار مبارک کی زیارت کے لیے حجرہ مبارک میں حاضر ہوا۔

و پیش تربت شریفہ گدایانہ ندا کردم وگفتم۔ اے جدہ امجدہ من مہمان شما ہستم چیزے خوردنی عنایت فرما و مرا محروم از الطاف کریمانہ خود منما۔ آنگاہ سلام کردم و فاتحہ و اخلاص خواندہ ثوابش بروح پرفتوحش فرستادم آنگاہ نشستہ سر بر قبرش نہادہ بودم از رزاق مطلق و دانائے برحق دو خوشہ انگور تازہ بدستم افتادہ۔ طرفہ تر آنکہ آں ایام سرما بود و ہیچ جا انگور تازہ دستیاب نبود در حیرت افتادم و یکے ازاں ہر دو خوشہ ہموں جانشستہ تناول نمودہ از حجرہ بیروں شدم و یک یک دانہ ہر یک تقسیم کردم وگفتم ؎

یافت مریم گر بہنگام شتا
میوہ ہائے جنت از فضل خدا

ایں کرامت در حیاتش بود و بس
بعد فوتش نقل نمودہ است کس

بعد فوت زوج ختم المرسلین ﷺ
رفتہ چندیں قرنہا اے دور بین

بنگر از وے ایں کرامت یافتم
مایۂ صد گونہ نعمت یافتم

ﷺ ـــہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی مزار شریف کے سامنے گداگر کے انداز میں صدا دی اور عرض کیا، اے میری بزرگ ترین نانی جان میں آپ کا مہمان ہوں، کھانے کے لیے کوئی چیز عنایت فرمائیں اور مجھے اپنے الطاف کریمانہ سے محروم نہ رکھیں۔ اس وقت سلام پیش کیا۔ سورہ فاتحہ اور اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب آپ کی روح پر فتوح کو پہنچایا۔ اس وقت بیٹھے ہوئے میں نے اپنا سر آپ کی مزار مبارک پر رکھا ہوا تھا کہ اچانک رزاق مطلق اور دانائے برحق کی طرف سے تازہ انگوروں کے دو خوشے میرے ہاتھ پر گرے عجیب معاملہ یہ تھا وہ سردی کے دن تھے اور کسی جگہ بھی تازہ انگور دستیاب نہیں تھے میں حیرت زدہ ہوگیا اور ان دو میں سے ایک خوشہ وہیں بیٹھے کھا لیا پھر حجرہ مبارک سے باہر آگیا اور دوسرے خوشہ سے ایک ایک دانہ سب رفقاء میں تقسیم کیا اور کہا۔

ترجمہ اشعار :

اگر حضرت مریم علیہا السلام نے سردی کے ایام میں خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم سے جنت کے میوہ جات پالیے تو یہ ان کی کرامت صرف ان کی ظاہری زندگی میں تھی۔ ان کی وفات کے بعد کسی نے اس کرامت کو نقل نہیں کیا۔ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وازواجہ وسلم کی زوجہ محترمہ کی وفات کے بعد اتنی صدیاں گزرنے کے باوجود اسے دور بین دیکھ کر میں نے ان سے یہ کرامت پائی ہے اور صد گونہ نسبت کی برتری حاصل کی ہے۔

علامہ صاحب ذرا سوچ کر بتلانا کہ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے گدایانہ انداز میں مہمانی کا طلبگار ہونا کیا اسی طرح کی استمداد ہے جس طرح

ذکر کو پانی لانے کے لیے حکم دیا جاتا ہے یا ڈاکٹر کو دوا دینے کے لیے کہا جاتا ہے یا اس میں فوق الطبعی طور پر اسبابِ معیشت اور سیری کو حرکت میں لانے کی درخواست ہے اور پھر یہ اعتراف بھی موجود ہے کہ مسبّب کا وجود بھی ان ایام میں کہیں نہیں تھا کیونکہ موسم ہی تازہ انگوروں کا نہیں تھا لیکن محبوبِ کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا نے ازراہِ کرامت فوق الطبعی طور پر اسبابِ معیشت کو حرکت میں لاکر اس گدا یانہ صدا دینے والے فقیر کی مُراد پوری کر دی اور اس کی مہمانی کا حق ادا کر دیا۔

فوائد : ۱۔ ہمیں تو مزاراتِ اکابر کو ہاتھ لگانے کی بھی اجازت دینا علماءِ دیوبند گوارا نہیں فرماتے مگر خود مزارات پر بوقتِ اضطرار سر بھی رکھ لیتے ہیں۔

۲۔ ہمیں فاتحہ و درُود سے روکا جاتا ہے اور بدعت کے فتوے لگائے جاتے ہیں اور خود فاتحہ خوانی کر لیتے ہیں۔

۳۔ ہمیں اہلِ قبور کی استمداد سے روکا جاتا ہے لیکن خود استمداد کر لیتے ہیں اور امداد ملنے کے اعترافات بھی کرتے ہیں (حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت غوثِ اعظم اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین رضی اللہ عنہم اور حضرت مولائے مرتضیٰ اور سیدۃ فاطمۃ الزاہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بلکہ خود سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اعترافات پہلے ذکر کیے جا چکے ہیں)

۴۔ یہاں اہل القبور میں حیات اور سُننے سمجھنے اور زائرین کی معرفت کی اہلیت بھی تسلیم کر لی گئی لیکن ضرورت مٹ جائے تو انکار کرنا واجب بھی قرار

سے دیا جاتا ہے۔ وغیرہ ذٰلک۔

بدحواسی کا نمونہ

اسلامی آداب میں سے یہ اہم ترین ادب ہے کہ پہلے سلام کہو بعد میں سلام کرو لیکن یہاں حاجت پہلے پیش کی گئی اور سلام نیاز اور فاتحہ بعد میں پڑھا گیا۔ بھوک کی شدت نے اسلامی آداب واخلاق بھی بھلا دیئے بلکہ توحید اور شرک کا باہمی امتیاز بھی مٹا دیا۔

علامہ صاحب دور دراز قبور میں لیٹے ہونے کی قیود لگاتے ہیں تو کم از کم اس امر کا اعتراف تو برملا کرلیں کہ واقعی قریب سے مقربانِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ اسبابِ عادیہ سے بالاتر ہو کر خرقِ الطبعی طور پر امداد واعانت فرما سکتے ہیں اور جہاں اسبابِ عادیہ کام نہ آسکیں، یہ حضرات غیر عادی اسباب کے ذریعے امداد فرما دیتے ہیں اور حاجات پوری کر دیتے ہیں اور اس میں زندہ اور وفات شدہ کا فرق روا نہیں رکھتے۔

اور علامہ محمود الحسن دیوبندی صاحب شیخ گنگوہی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ؎

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یا رب
گیا وہ قبلۂ حاجات روحانی وجسمانی

یعنی ہمارا بندوں سے عرض کرنا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے یہ کام کرا دو بھی شرک اور خود اللہ تعالیٰ سے کہیں کوئی بندہ بھلا جس کے پاس حاجات

لے کر جائیں یہ بھی عین اسلام اور رُوحِ دین اور جانِ ایمان ہے۔ ؎

پھر جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۲۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ :

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ (سورۃ المائدہ آیت ۲)

اور باہم برو احسان اور تقویٰ و پرہیزگاری پر تعاون کرو نہ تعاون کرو گناہ اور سرکشی پر اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

وجہ استدلال : اس آیتِ کریمہ میں برو تقویٰ پر باہمی تعاون کا حکم دیا گیا ہے اور اثم و عدوان پر تعاون سے روکا گیا ہے اور اس میں تحت الاسباب یا فوق الاسباب کا کوئی فرق نہیں کیا گیا بلکہ مطلق طور پر یہ حکم دیا گیا ہے اور نصوص کلام مجید کو اپنے عموم و اطلاق پر رکھنا ضروری ہے جب تک کوئی قطعی مخصص اور وجہ تقیید موجود نہ ہو اور اس آیتِ کریمہ کے اطلاق کو تقیید میں بدلنے والی کوئی نص موجود نہیں لہٰذا ہر دو طرح کے تعاون کا حکم یعنی جواز بلکہ استحباب اس سے ثابت ہو گیا جس طرح کہ اثم و عدوان میں ہر طرح کے تعاون کا ممنوع ہونا ثابت ہو گیا اور قبل ازیں اس اطلاق پر تنبیہ بھی ذکر کر دی گئی ہے۔ حضرت ابُو محذورہ کے سینے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ مُبارک پھیر کر ان کے دل سے ظلمتِ کفر دُور فرما دی اور نورِ ایمان سے منور فرما دیا۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ پھیر کر ان کو

اپنی محبّت میں کامل ترین بنا دیا حتیٰ کہ اس کے بعد ان کو آپ مال، اولاد آباؤ اجداد، خویش و اقارب حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی طبعی طور پر عزیز اور پیارے ہو گئے۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی گھوڑے کے تیز دوڑنے پر گر پڑتے تھے آپ نے ان کے سینے پر اور پشت پر ہاتھ پھیر کر بزدلی کو دُور فرما دیا اور انہیں ثابت قدمی اور بہادری کا پیکر بنا دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرضے ادا کرنے کے لیے ان کے باغ کا سارا پھل بھی کفایت نہیں کر سکتا تھا لیکن آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے صرف ایک ڈھیری سے سارے قرضے ادا فرما دیئے اور اس سے بھی ایک کھجور کی کمی معلوم نہیں ہوتی تھی، اور حضرت اَبُوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو دُعا فرما کر دولتِ ایمانی سے مالا مال فرما دیا۔

•

نیز اثم و عدوان میں فوق الاسباب تعاون بھی ممنوع ہے تو لا محالہ بر و تقویٰ میں فوق الاسباب تعاون بھی جائز اور کار ثواب ہوگا۔ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ بلعم بن باعور کو اسمِ اعظم معلوم تھا اور وہ مستجاب الدعوات تھا جب قوم جبارین کی حضرت موسیٰ کلیم علیہ السّلام کے مقابلہ میں اسمِ اعظم کے ذریعے امداد و اعانت کرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مردود و ملعون بنا دیا اور اس کی زبان لٹک کر سینہ تک آ گئی اور قرآن مجید میں اس کی مذمت اس طرح فرمائی گئی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِیٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ (الیٰ) فَمَثَلُهٗ

لہ رض

كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ الایہ (سورۃ الاعراف آیت ۱۷۵ - ۱۷۶)

تفصیل تفسیر ابن کثیر جلد ثانی صفحہ ۲۷۱ تا ۲۷۲ پر ملاحظہ فرماویں۔

نیز حضرت یوسف علیہ السلام کا حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی بحال فرمانا اور حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تخت لاکر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیماروں کی مختلف النوع بیماریوں کو دُور کرنا کلامِ مجید سے ثابت ہے اور یہ سبھی امورِ خیر میں مافوق الاسباب طریق پر تعاون کی صورتیں ہیں لہٰذا اس آیتِ کریمہ کو تحت الاسباب استعانت سے مقید اور مخصوص ٹھہرانا سراسر زیادتی ہے۔ اس میں قواعد و اصول کی خلاف ورزی بھی ہے اور دُوسری آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ مقدسہ کی بھی مخالفت ہے جو قطعاً قابلِ برداشت نہیں ہے۔

۴۔ قال اللہ تعالیٰ:

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ○

(سورہ تحریم آیت ۴)

پس تحقیق اللہ ان کا ناصر و مددگار ہے اور جبرئیل اور مومنین صالحین اور ان کے تمام ملائکہ ان کے مددگار اور پشت پناہ ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی امداد و نصرت کیساتھ ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور مومنین صالحین (صحابہ کرام علیہم الرضوان

اور ملائکہ کی نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے نصرت وامداد کا ذکر فرمایا ہے۔ اگر مدد نہیں دے سکتے نہ سببیت کے طور پر اور نہ علیت کے طور پر نہ کسب اور مباشرت اسباب کے ذریعے اور نہ دعوات اور توجہاتِ قلبیہ اور رُوحانی تصرّفات کے ذریعے تو ان کے ذکر کا کوئی مقصد ہی نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں میدانِ بدر میں ملائکہ کا امداد کے لیے آنا اور عملی طور پر امداد کرنا نصِ قرآنی سے ثابت اور جنگِ اُحد میں نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر تلواروں کے تیر حملے ہونے کے باوجود محفوظ رہنا بھی جبرئیل ومیکائیل کی امداد واعانت کا نتیجہ اور ثمرہ تھا اور خیبر کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا روحانی تصرّف سے قلعہ کے دروازے کو اکھیڑ پھینکنا اور اس کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دینا اور مرحب جیسے ناقابلِ شکست جنگجو کو ایک ضربتِ حیدری سے دو لخت کر کے میدانِ کارزار میں تہلکہ مچا دینا اسبابِ عادیہ سے ماوراء کارنامہ ہے اور امتیازی کرامت ہے الحاصل اس آیتِ کریمہ میں ولایت ونصرتِ مطلق ہے اور عملی طور پر بھی تحت الاسباب اور فوق الاسباب ہر طرح کی مدد اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور صالح المؤمنین کی طرف سے پائی گئی ہے لہٰذا استمداد و استعانت کی اباحت اور حلت اس آیتِ مبارکہ سے بھی واضح ہو گئی۔ اور علامہ ابنِ قیّم اور حضرتِ شاہ ولی اللہ قدّس سرّہٗ العزیز اور دیگر اکابر کی تصریحات سے صالح المؤمنین کا ملاءِ اعلیٰ میں شامل ہو جانا اور ملائکہ کی طرح تدابیرِ کائنات میں شریکِ کار ہونا واضح ہو چکا اور بالخصوص اعلائے کلمۃ اللہ

میں مجاہدینِ اسلام کی امداد و نصرت کو اپنے اُوپر لازم سمجھنے کی تصریحات گزرچکی ہیں لہٰذا حالتِ حیات میں بھی اور بعد از وصال بھی استمداد و استعانت کی اباحت ثابت ہوگئی کیونکہ امداد و اعانت کرنے کا جواز مدد و اعانت حاصل کرنے کے جواز و اباحت کے بغیر متصور نہیں ہوسکتا اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف سے امداد و اعانت غیراللہ کے لیے جائز ہے تو دُوسرے اہلِ اسلام کے لیے کیوں جائز نہیں ہوگی ؟ اور اگر آپ کا مدد و نصرت حاصل کرنا جائز اور روا ہے تو دُوسروں کا مدد و اعانت حاصل کرنا کیونکر روا نہیں ہوگا ۔ بلکہ نبی اُمّت کے ترجمان اور نمائندے ہوتے ہیں اور ان کے لیے عملی نمونہ اور حق نما آئینہ ہوتے ہیں تو لامحالہ اُمّت کے لیے استمداد و استعانت روا ہوگی ۔

۴ ۔ قال اللّٰہ تعالیٰ :

هُوَالَّذِيٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(سُورۃ الانفال آیت ۶۲)

اللّٰہ تعالیٰ ہی وُہ ذاتِ اقدس ہے کہ جس نے آپ کو تقویت بہم پہنچائی اپنی نصرت و امداد کے ساتھ اور مومنین کے ذریعے اس آیتِ مقدسہ میں بھی اللّٰہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی امداد و نصرت کو اپنی امداد و نصرت کے ساتھ ذکر فرما کر واضح فرما دیا کہ اللّٰہ تعالیٰ اپنی شان کے لائق مدد و معاون ہے اور اہلِ ایمان اپنی شان کے لائق اور ہر ایک سے وُہ تعاون اور امداد حاصل کرنا درست ہے جو ان کی شان کے لائق ہے کوئی اللّٰہ تعالیٰ

سے عرض کرے کہ تلوار لے کر میدانِ کارزار میں ہمارے ساتھ مل کر کفار کے ساتھ جنگ فرما، یا ہماری فتح و نصرت کے لیے دُعا فرما تو ایسا شخص یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہے اور کوئی مومنین سے ایجاد و تخلیق کی صُورت میں امداد و اعانت کا طلبگار ہوگا تو وُہ بھی یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا لہٰذا خلق و ایجاد کے لحاظ سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ مدد معاون ہے اور کسب و سببیت کے طور پہ اہلِ ایمان خواہ اسباب عادیہ کے ذریعے امداد و اعانت کریں یا غیر عادیہ کے طور پر۔ اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی سے بھی یہ مطلوب و مقصود ثابت ہو رہا ہے۔

۵۔ قال اللہ تعالیٰ:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ○

(سورۃ الانفال آیت ۶۴)

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا ہے اور جن مومنین نے آپ کی اتباع کی ہے وُہ کافی ہیں۔

اور قبل ازیں حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ اور دیگر اکابر کے حوالے سے بتلایا جا چکا ہے کہ اسبابِ عادیہ ہی کیوں نہ ہوں ان پر اعتماد اور توکل درست نہیں بلکہ ان کو بھی صرف مظاہر عونِ الٰہیہ سمجھنا لازم اور ضروری ہے جیسے اسباب عادیہ کے تحت معمول کی استمداد و استعانت کا یہ حکم ہے تو اسباب غیر عادیہ کے تحت حاصل امداد و کفایت میں بھی ان کو مظاہر عونِ الٰہیہ سمجھنا لازم اور ضروری ہوگا اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہما

اور دیگر علماء اعلام کے حوالہ جات سے واضح ہو چکا کہ حالتِ حیات اور حالتِ مماتِ میں تفرقہ روا نہیں جیسے کہ امام غزالی علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ جس سے حالتِ حیات میں مدد طلب کی جا سکتی ہے حالتِ ممات میں بھی اس سے مدد طلب کی جا سکتی ہے اور یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی کہ ارواح اور مجردات کے لیے اور نورانی اور لطیف نفوس کے لیے قرب اور بُعد کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔

کون لوگ محرومِ اعانت و امداد ہیں

جب قرآنِ مجید کی آیاتِ مبارکہ سے استمداد و استعانت کی اباحت وحلیت اور جواز وصحت ثابت ہو چکی تو اب یہ بھی معلوم فرما لیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے مقبولانِ بارگاہ اور مقربین کی امداد و اعانت سے محروم کون سے لوگ ہیں کیونکہ الاشیاء تعرف باضدادہا یعنی اشیا کی پہچان اضداد کے ذریعے ہوتی ہے لہٰذا اس پہلو سے بھی اہلِ ایمان اور مخلص مسلمانوں کا حکم مزید واضح ہو جائے گا۔

۱۔ قال اللہ تعالیٰ :

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○

(سورہ نحل آیت ۳۷)

پس اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا انہیں جن کو گمراہ کرے اور نہیں ان کے لیے مددگار۔

۲۔ قال اللہ تعالیٰ :

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ (سورہ آلِ عمران آیت ۱۹۲)

اے ہمارے پروردگار بیشک جسے تُو نے آگ میں داخل کیا پس اس کو رسوا کر دیا اور ظالموں کے لیے انصار و مددگار نہیں ہیں۔

۳۔ قال اللہ تعالیٰ :

وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ (سورہ فاطر آیت ۳۷)

اور آئے تمہارے پاس ڈرانے والے (لیکن تم نے ان کی نہ مانی) پس چکھو (دوزخ کا عذاب)۔ پس نہیں ظالموں کے لیے کوئی مددگار۔

۴۔ وقال تعالیٰ :

مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝

(سورہ کہف آیت ۱۷)

اور جس کو اللہ گمراہ کرے تو تم ہرگز اس کے لیے مددگار رہبر نہیں پاؤ گے۔

۵۔ قال اللہ تعالیٰ :

وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

(سورہ شوریٰ آیت ۸)

اور ظالموں کے لیے نہیں کوئی دوست اور مددگار۔

۶ ۔ قال اللّٰہ تعالیٰ :

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ ؕ وَ مَنۡ یَّلۡعَنِ اللّٰہُ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ نَصِیۡرًا ؕ

(سورہ نساء آیت ۵۲)

وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت بھیجے تو تم اس کے لیے ہرگز کوئی نصیر اور مددگار نہیں پاؤ گے ۔

وجہِ استدلال

ان آیاتِ مبارکہ اور اس مضمون کی دیگر آیاتِ مقدسہ سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ظالم ، گمراہ اور کفار و مشرکین اور ملعون لوگوں کے لیے کوئی ناصر اور مددگار نہیں نہ تحت الاسباب نہ فوق الاسباب زندہ نہ فوت شدہ نہ قریب سے اور نہ دُور سے نہ دُنیا میں اور نہ آخرت میں اور اگر مومنین کے لیے بھی کسی طرح پر امداد و اعانت کرنے والا کوئی نہ ہو تو پھر ان کی خصوصیت کیا رہ گئی اور ان کے مقام مذمت میں ناصر و نصیر اور ولی و مرشد کا نہ پانا ذکر کرنے کی کوئی وجہ وجیہ نہیں ہوسکتی اور یہاں نفی عموم کے طور پر کی گئی ہے لہٰذا صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت سے محروم ہونا مُراد نہیں ہوسکتا بلکہ ہر طرح کے معاونین و انصار کی نفی مقصود ہے اور اس اسلوب اور اندازِ بیان سے واضح ہوگیا کہ ہدایت یافتہ اہلِ خلاص اور مومنین و مخلصین اور مرحومین کے لیے ناصر و مددگار ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تحت الاسباب بھی اور فوق الاسباب بطورِ کرامت

واعجاز بھی اور قریب سے بھی اور دور دراز سے بھی ارواحِ انبیاء واولیاء کے ذریعے بھی اور ملائکہ مدبرین کے ذریعے جیسے کہ مفصلاً اس کا بیان گزر چکا لہٰذا اہلِ ایمان واہلِ ہدایت کو ظالموں اور گمراہوں اور ملعونوں پر قیاس کرنا سراسر لغو اور باطل ہے اور قرآنی قطعی حکم کی خلاف ورزی ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اہلِ ایمان کا اللہ تعالیٰ سے انصار و معاونین کا مطالبہ کرنا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اہلِ ایمان کو ولی و ناصر اور معاون و مددگار طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر غیر اللہ سے مدد لینا کفر و شرک ہے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کفر کرنے کی ترغیب دی العیاذ باللہ۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ مطلقاً غیر اللہ سے امداد و اعانت اور یاری و نصرت طلب کرنا کفر و شرک نہیں بلکہ اس کے کفر و شرک ہونے کا دار و مدار اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو حقیقی معاون و مددگار اور یاور و ناصر نہ سمجھا جائے اور ان کو مظاہرِ عونِ الٰہیہ نہ مانا جائے اور اس میں اسبابِ عادیہ کے ذریعے معاونت اور ان سے بالاتر ہو کر معاونت کا حکم ایک جیسا ہے لہٰذا ان آیاتِ مبارکہ سے بھی استمداد و استعانت کا جواز واضح ہو جائے گا۔

۱۔ قال اللہ تعالیٰ:

قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۝

(سورۂ اسراء آیت ۸۰)

فرما دیجیے اے میرے پروردگار مجھے داخل کر سچائی والے ٹھکانہ میں اور مجھے نکال سچائی والا نکالنا اور بنا میرے لیے غلبہ اور قدرتِ قاہرہ (والے) مددگار۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ میرے چار وزیر ہیں دو آسمانوں میں یعنی جبریل و میکائیل اور دو زمینوں میں یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے اسلام کی عزّت و عظمت اور غلبہ و تسلّط کی دُعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اعز الاسلام بعمر بن الخطاب خاصۃ

اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات گزر چکے کہ تمہیں اللہ کافی ہے اور وہ مومن جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع کی نیز فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی نصرتِ خاصہ کے ساتھ تقویت دی اور مومنین کے ذریعے لہٰذا واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نُورانی اور رُوحانی خدام اور مخلصین کے ذریعہ نصرت اور غلبہ کی دُعا کرنے کی تعلیم فرمائی۔

۲۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝

(سورہ نساء آیت ۷۵)

قال اللہ تعالیٰ:

(یعنی اے اہلِ ایمان تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ قتال نہ کرو کفار و مشرکین

کے ساتھ حالانکہ (مکہ میں) مغلوب مرد اور عورتیں اور بچے کہتے ہیں اے
ہمارے رب ہمیں نکال اس شہر سے جس کے باشندے ظالم ہیں) اور بنا ہمارے
لیے اپنے پاس سے حامی اور بنا ہمارے لیے اپنے پاس سے مددگار اور انکی دعا کو
شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو حرب وقتال کا اور
کفار و مشرکین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا۔ جب رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ
سے انصار و مددگار طلب کریں۔ اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ سے حمایتی اور انصار
طلب کریں اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی فریادوں اور زاریوں، التجاؤں اور
دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے عباد مکرمین یعنی ملائکہ کو امداد و اعانت
کے لیے بھیجے۔

کما قال تعالیٰ :

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي
مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَٰٓئِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝

(سورہ انفال آیت ۹)

جبکہ تم اپنے رب تعالیٰ سے مدد طلب کرتے تھے پس اس نے تمہاری
فریاد رسی فرمائی کہ میں تمہاری مدد کرنے والا ہوں ایک ہزار فرشتہ کے
ساتھ جو لگاتار آنے والے ہیں۔

وقال تعالیٰ :

أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَٰثَةِ ءَالَٰفٍ
مِّنَ الْمَلَٰٓئِكَةِ (سورہ آلِ عمران آیت ۱۲۴)

کیا تمہیں کفایت نہیں کرے گا یہ امر کہ تمہارا پروردگار تمہاری امداد کرے تین ہزار ملائکہ کے ذریعے۔

اور اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملائکہ اور صحابہ کرام کے ذریعے امداد فرمائی جو کہ تحت الاسباب اور فوق الاسباب دونوں پر مشتمل ہے، اور مکہ شریف میں مغلوب و مقہور اہلِ ایمان کی بھی نبی اکرم شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے ذریعے اور ان کی خصوصی دعاؤں کے ذریعے امداد فرمائی اور نجات و خلاصی کا سامان بہم پہنچایا اگر اسبابِ عادیہ یا غیر عادیہ کے ذریعے امداد دینا درست ہے تو امداد لینا بھی درست ہے۔ میدانِ بدر میں صحابہ کرام بلکہ خود نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے امداد و اعانت کے طلبگار تھے تو اللہ تعالیٰ براہِ راست مدد فرما سکتا تھا کسی قسم کے اسباب کو درمیان میں لائے بغیر لیکن اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعے امداد دی اور اسی کو اپنی امداد قرار دیا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ

(سورہ آل عمران آیت ۱۲۳)

البتہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مدد دی بدر میں جبکہ تم بے سرو سامان اور کمزور تھے۔

وقال تعالیٰ:

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین

اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سے مقامات میں مدد دی اور بالخصوص حنین کے دن۔

تو معلوم ہوا کہ اسبابِ عادیہ ہوں یا غیر عادیہ دونوں بذاتِ خود موثر نہیں بلکہ حقیقی موثر ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور وہی مدبرِ حقیقی ہے لہٰذا سبب کو سبب ہی سمجھا جائے تو عین ایمان اور جانِ اسلام ہے اور سبب کو علتِ موثرہ قرار دے دیا جائے تو یہ اسلام و ایمان کے خلاف ہے۔ اور مادی روحانی اور ظاہری و باطنی اسباب میں تفرقہ کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ ؎

حاکم و حکیم داد دوا دیں یہ کچھ نہ دیں
مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

اور قیامت کے دن تمام خلائق کا دامنِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چھپنا اور ان کے سایۂ رحمت میں پناہ لینا،

یوم یرغب الی الخلق کلھم حتی ابراھیم

اس حقیقتِ واقعیہ کا روشن برہان اور بین ثبوت ہے اور جس دن کوئی کافر بھی کفر پر قائم نہیں رہے گا بلکہ کفر سے مکر جائیں گے اور کہیں گے

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ

اس دن تمام اہلِ ایمان عوام اور خواص اور اخص الخواص کا رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع اور ان سے امداد و اعانت کی درخواست اور ان سے استعانت و استغاثہ اس کے جائز اور روا اور برحق ہونے کی واضح دلیل ہے

لہٰذا: ؎

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

گلدستۂ توحید

فریقِ مخالف اور احادیث

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اثباتِ عقیدہ کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے یعنی قرآنِ مجید اور احادیثِ متواترہ لیکن آپ یقین جانیے کہ غیراللہ کو طریقِ سابق سے پکارنے پر نہ تو کوئی قرآنِ مجید کی آیت موجود ہے اور نہ ہی خبرِ متواتر اور خبرِ واحد کا قرآنِ مجید کی سابقہ پیش کردہ آیات کے مقابل پیش کرنا اصولِ موضوعہ کے خلاف ہی نہیں بلکہ مولوی احمد رضا خاں صاحب قائدِ فریقِ مخالف کے نزدیک بھی ہرزہ بافی ہے۔ ص۱۴۰

گلشنِ توحید و رسالت

علامہ سرفراز صاحب کی اصولی غلطیاں

علامہ سرفراز صاحب نے اپنے اس دعویٰ میں کئی اصولی غلطیاں کی ہیں۔

۱۔ اپنے دعوے کو قطعی قرار دیا ہے حالانکہ اس پر جو آیاتِ مبارکہ پیش کی ہیں وہ بتوں کے حق میں وارد ہیں اور ان کی امداد و اعانت اور مدار و پکار سننے کی استعداد و صلاحیت کی نفی سے اہلِ ایمان بالخصوص انبیائے کرام علیہم السلام

اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کے ارواحِ طیبہ کی طرف سے امداد و اعانت اور ان کے نداء پکار کو سننے کی نفی کیسے لازم آسکتی ہے؟

نیز اصنام و اوثان سے قریب و بعید اور تحت الاسباب اور فوق الاسباب ہر طرح کی نداء و پکار کی نفی اور امداد و اعانت کی نفی ہے مگر انہیں آیات میں مقبولانِ بارگاہ کو داخل کر کے ان سے صرف فوق الاسباب اور سینکڑوں ہزاروں میل دُور ہونے کی صورت میں نداء و پکار سننے کی اور امداد و اعانت کی نفی کرنا عجب مضحکہ خیز بلکہ احمقانہ طرزِ استدلال ہے۔ لہٰذا علامہ صاحب کی پیش کردہ آیات ان کے دعوے پر جب دلالت ہی نہیں کرتیں تو وہ دعویٰ قطعی عقیدہ کیسے بن گیا اور وہ ثابت قطعی طریقہ پر کس طرح ہو گیا؟

۲۔ کسی دلیل کا قطعی الثبوت ہونا الگ امر ہے اور اس کا قطعی الدلالت ہونا علیحدہ امر ہے۔ علامہ صاحب کی پیش کردہ آیات ثبوت و تحقق کے اعتبار سے تو قطعی ہیں لیکن علامہ صاحب کے مدعی پر وہ سرے سے دلالت ہی نہیں کرتیں کیونکہ ان کے مصداق ہی اصنام و اوثان ہیں اور اگر علامہ صاحب سینہ زوری کے ساتھ انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو ان کا مصداق بنائیں بھی تو ان پر تاویل کرنا لازم اور ضروری ہے

مثلاً ھم عن دعاءھم غفلون

میں دُعا اور پکار مطلق ہے اس میں قریب اور بعید کا فرق نہیں اور تحت الاسباب اور فوق الاسباب کا اور نہ ہی زندہ اور فوت شدہ کا لیکن اسی میں انبیاء و اولیاء کو داخل کرنے کے بعد علامہ صاحب کو یہ تاویلیں کرنی پڑیں کہ دُور

سے پکارنے اور فوت ہونے کے بعد پکارنے اور فوق الاسباب امور میں پکار سے غافل ہیں کیونکہ کوئی احمق سے احمق ترین شخص بھی زندہ انبیاء و اولیاء کے لیے اور بعد از وفات بھی قبور پر قریب سے پکار اور ندا سے غافل نہیں مان سکتا۔ تو جب یہ آیت اور اس مضمون کی دیگر آیات مؤول ٹھہریں تو ان کو اپنے مزعومہ عقیدہ پر قطعی الدلالت کہنے کا کیا جواز ہے کیونکہ تاویل کے بعد تو وہ از روئے دلالت ظنی ہو گئیں۔

۳۔ نیز علامہ صاحب اگر ان میں اپنی مرضی کی تاویل کر سکتے ہیں تو ہمیں دیگر آیات و احادیث اور اکابرین کے نظریہ و عقیدہ کی روشنی میں انکی پیش کردہ آیات میں اس تاویل کا حق کیوں نہیں کہ ان حضرات سے امداد و اعانت کی بالفرض والتقدیر نفی ہے تو استقلال کے لحاظ سے ہے جو کہ صرف شانِ الوہیت کے لائق ہے اور بالاذن اور بعطائے الٰہی دور و نزدیک اور حالت حیات اور بعد از وفات سن سکتے ہیں اور اپنی شان کے لائق امداد و اعانت بھی کر سکتے ہیں اور تفصیلی دلائل اور حوالہ جات پہلے ذکر کیے جا چکے ہیں۔

۴۔ علامہ صاحب کا یہ دعویٰ کہ اخبار آحاد کو سابقہ پیش کردہ آیات کے مقابلہ میں پیش کرنا اصول موضوع کے خلاف اور امام اہل السنت کی تصریح کے خلاف ہے لیکن یہاں بھی علامہ صاحب نے غلطی کا ارتکاب کیا ہے یا دیدہ دانستہ دھوکہ دہی سے کام لیا ہے۔ ۱ کیونکہ اصولِ فقہ کی کتب میں تصریح موجود ہے کہ اگر خبرِ واحد قرآن مجید کی کسی قطعی آیت کے خلاف ہو گی تو ان میں تطبیق کی کوشش کی جائے گی۔ اگر تطبیق اور توافق پیدا ہو سکے تو خبر واحد کو رد

اور ناقابلِ التفات سمجھنا بالکل روا نہیں اور اس کی متعدد مثالیں دے کر
اصول نے وضاحت فرمائی ہے مثلاً قرآن مجید میں وارد ہے۔

فاقرءوا ما تیسر من القرآن

حصہ قرآن مجید کا آسانی پڑھ سکتے ہو نماز میں پڑھ لیا کرو اور حدیث شریف میں وارد ہے:

لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتٰب

کہ الحمد شریف کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی تو یہ حدیث بظاہر حکم قرآنی کے
خلاف ہے اور یسر کو عسر میں بدلنے اور عموم کو خصوص میں بدلنے کے مترادف
ہے لیکن علماءِ اعلام نے اس حدیث کو رد نہیں کیا بلکہ مطلق قرآت کو فرض
قرار دیا اور فاتحہ شریف کو واجب قرار دے دیا اگر بالکل قرأت نہ کی جائے
بوجہ ترک فرض کی وجہ سے نماز باطل اور فاتحہ نہ پڑھی جائے (منفرد یا امام ہونے
کی صورت میں) تو نماز ناقص ہوگی سجدہ سہو واجب ہوگا۔

لہٰذا اصول موضوع کو سمجھنے میں علامہ صاحب نے ٹھوکر کھائی ہے اور
پھر حسبِ عادت معروفہ فریب دہی کی مذموم سعی فرمائی ہے۔

۴۔ نیز اگر علامہ صاحب اپنی طرف سے فوت شدہ کی سینکڑوں ہزاروں
میل دور ہونے کی اور فوق الاسباب امور میں استمداد و استعانت کے لیے
پکار پائے جانے کی قیود اور تخصیصات عائد کر سکتے ہیں تو آخر
صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان اور
اکابرینِ اُمت کو یہ حق کیوں نہیں دیتے کہ وہ بھی اپنے قول یا عمل سے ان
آیات کے اصلی مفہومات اور مدلولات کی تعیین کر سکیں۔

تلك اذاً قسمة ضيزیٰ

۵ ۔ علامہ صاحب نے عقائد کا صرف قطعی ہونے میں حصر کر دیا ہے حالانکہ عقائد و نظریات قطعی بھی ہوتے ہیں اور ظنی بھی ہوتے ہیں مثلاً رسل بشر رسل ملائکہ پر افضل ہیں اور رسل ملائکہ عام بشروں سے افضل ہیں اہلسنت کا مذہب یہ ہے جبکہ معتزلہ اس میں مخالف ہیں۔

علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی میں اس نظریہ و عقیدہ اور اس دلائل کی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لاخفاء فی ان هٰذه المسئله ظنية يكتفىٰ فيها بالادلة الظنية ۔

یعنی اس میں شک نہیں کہ یہ مسئلہ ظنی ہے اس میں دلائل ظنیہ پر اکتفا کیا جائے گا۔

علامہ پرہاروی نبراس میں فرماتے ہیں:

جواب سوال وهو ان العام الذی خص منه البعض يكون ظنی الدلالة علیٰ ما تقرر فی الاصول فلا يصح دليلا علیٰ مسئلة اعتقادية وحاصل الجواب ان المسائل الاعتقادية قسمان احدها ما يكون المطلوب فيه اليقين كوحدة الواجب و صدق النبی صلّی اللّٰه عليه وسلّم ثانيهما ما يكتفی فيها بالظن كهذه المسئلة والاكتفا بالدليل الظنی

انما لا یجوز ذالاول بخلاف الثانی (ص۱۹۸)

علامہ تفتازانی کی یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ عام مخصوص البعض کی دلالت ظنی ہوتی ہے جیسے کہ اصول فقہ میں ثابت ہے لہٰذا قول باری تعالیٰ:

ان اللّٰہ اصطفٰی اٰدم و نوحًا واٰل ابرٰھیم واٰل عمران علی العٰلمین

بھی عام مخصوص البعض ہے تو اعتقادی مسئلہ پر یہ دلیل نہیں بن سکتا اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ اعتقادی مسائل دو قسم ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس میں یقینی علم مطلوب ہوتا ہے جیسے واجب تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقانیت کا عقیدہ۔ دُوسری قسم وُہ ہے جس میں ظن غالب پر اکتفاء کیا جاتا ہے جیسے کہ یہ مسئلہ ہے اور ظنی دلیل پر اکتفاء صرف پہلی قسم میں جائز نہیں ہوتا بخلاف دُوسری قسم کے اس میں اکتفاء جائز ہوتا ہے۔

علامہ تفتازانی اسی بحث کے تحت فرماتے ہیں:

وما یقال انہ لا عبرۃ بالظنیات فی باب الاعتقادات فان ارید انہ لا یحصل منہ الاعتقاد الجازم ولا یصح الحکم القطعی فلا نزاع فیہ وان ارید انہ لا یحصل الظن بذٰلک الحکم فظاھر البطلان

(شرح مقاصد ص۱۹۹ ج۲)

اور وہ جو کہا جاتا ہے کہ اعتقادات کے باب میں ظنی دلائل کا کوئی اعتبار نہیں ہے تو اگر اس سے مراد یہ ہے کہ ظنیات سے اعتقاد جازم حاصل نہیں ہوتا اور حکم قطعی درست نہیں ہوتا تو اس میں نزاع و اختلاف نہیں ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ ظنی دلائل سے اس حکم کا ظن بھی حاصل نہیں ہوتا تو اس قول کا بطلان ظاہر ہے۔

میر سید سند شریف الملۃ شرح مواقف ص۴۹۹ میں فرماتے ہیں:

ان الظن لا یغنی فی مثلہ من المسائل التی یطلب فیھا العلم والیقین عن الحق شیئاً۔

بیشک ظن ایسے مسائل میں مفید اور کارآمد نہیں ہوتا جن میں قطعی علم اور یقین مطلوب ہوتا ہے (بخلاف ظنی مسائل کے)

اور علامہ صاحب نے جو دلائل قائم کیے اول تو ان کا تعلق ہی اصنام واوثان سے ہے جیسے کہ خود انہوں نے نیلوی صاحب کے استدلالات کے جواب میں تصریح بھی کر دی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام سے ان کا تعلق ہی نہیں اور ان کے زعم فاسد کے مطابق اگر تعلق مان بھی لیا جائے جیسے کہ انہوں نے ہماری مخالفت میں وہی طریق استدلال اپناتے ہوئے یہ آیات انبیاء کرام اور اولیاء کرام پر بھی منطبق کر دی ہیں تو خود انہوں نے ان کے عموم و اطلاق کو مخصوص اور مقید کر کے دلالت کے لحاظ سے ظنی بنا دیا ہے اور یہ بھی اصول موضوعہ اور قواعدِ مسلمہ میں سے مسلّم قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ عام مخصوص ہو جائے

یا مطلق مقید ہو جائے تو خبرِ واحد بلکہ قیاس سے بھی اس کی تخصیص و تقیید جائز اور صحیح ہوتی ہے۔

۶۔ نیز علامہ صاحب کی تاویل ان کے دوسرے حسینی المشرب بھائیوں کے خلاف ہے۔ علامہ نیلوی اور علامہ عنایت اللہ شاہ گجراتی اور دیگر مولوی حضرات ان آیات کو اہلِ قبور کے سماع کی نفی میں پیش کرتے ہیں اور قریب سے بھی سننے اور مدد کر سکنے کی نفی کرتے ہیں اور تمام احادیث اور روایات کو اخبار آحاد ہونے اور قرآنِ مجید کے قطعی دلائل کے خلاف ہونے کی بنا پر رد کر دیتے ہیں اور علامہ صاحب اہل القبور کے سماع کے قائل ہیں اور ان روایات و احادیث کی حجیت کے بھی قائل ہیں آخر یہ تماشا کیا ہے اور تحقیق و تدقیق کی کونسی قسم ہے کہ وہی آیات ایک طرف کی احادیث کیخلاف ہوں تو وہ احادیث بھی قابلِ قبول اور آیات میں تاویل روا اور درست لیکن دوسری طرف ان آیاتِ کریمہ سے کشید کردہ معنیٰ کے خلاف آیات بھی موجود ہوں اور احادیث و روایات بھی اور اکابرینِ اُمت کی تصریحات بھی لیکن نہ آیات درخورِ اعتنا ہوں اور نہ روایات لائقِ اعتبار بلکہ اپنے ہی بیان کردہ معنیٰ پر بیجا اصرار بھی ہو اور اس کی قطعیت کی تکرار بھی ہو۔

ثبوت دُعا و ندا از روئے قرآنِ کریم،

علامہ صاحب کی بے اصولیوں پر تنبیہ کرنے کے بعد اب اصل مسئلہ کی طرف رجوع کرتے ہیں قبل ازیں شہداء کرام کا اہلِ دُنیا کے متعلق علم

اور صدیقین اور انبیاء علیہم السلام کا بطور اولیت علم ثابت ہونا، اور قولِ باری تعالیٰ فالمدبرات امرًا میں مقبولانِ بارگاہ کا داخل ہونا اور ملاءِ اعلیٰ میں شامل ہوکر تدبیر و تصرف کرنا اور حدیث قدسی کی روسے انوارِ الٰہیہ کے ساتھ منور ہوکر قریب کی طرح بعید سے دیکھنا سُننا وغیرہ ثابت کیا جاچکا ہے اور اس پر بھی قبل ازیں متنبہ کیا جاچکا ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پکارنے سے منع نہیں فرمایا، بلکہ پکارنے کا انداز و اسلوب سکھلایا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ (سُورۃ النور آیت ۶۳)

میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ندا، پکار کو اس طرح نہ بنالو اور یوں نہ سمجھو جیسے کہ ایک دوسرے کی پکار کو جیسے کہ ابُو نعیم نے دلائل میں اور ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پکارتے وقت یا محمدؐ یا ابا القاسم کہا کرتے تھے۔ (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

فنهاهم الله تعالیٰ عن ذٰلك بقوله سبحانه لا تجعلوا الاية اعظاما لنبيه صلى الله عليه وسلم فقالوا يا نبی الله يا رسول الله ۔

پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اپنے اس قول لا تجعلوا دعاء الرسول الاية

کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتکریم کے لیے پس انہوں نے بوقتِ ندا یانبی اللہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک یا حبیب اللہ) کہنا شروع کردیا اور یہی مضمون قتادہ، حسن بصری، سعید بن جبیر اور مجاہد رضی اللہ عنہم سے مروی ومنقول ہے۔ (روح المعانی صفحہ ج ۱۸)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں ذکر فرمایا:

ان فی ھٰذا النھی تحریم نداءہ صلی اللہ علیہ وسلم باسمہ والظاھر استمرار ذٰلك بعد وفاتہ الی الاٰن۔ (روح المعانی)

اس نہی میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذاتی نام کے ساتھ پکارنے کی حرمت کا بیان ہے اور یقیناً یہ تحریم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد سے اب تک دائم اور مستمر ہے (صرف حالتِ حیات کے ساتھ مختص نہیں ہے)۔

اور تفسیر ابن جریر، تفسیر نیشاپوری اور خازن و معالم وغیرہ میں بھی منقول ہے کہ اس آیت کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ندا و پکار کے معاملہ میں ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کو ملحوظ رکھنے اور ذاتی نام کی بجائے القاب اور اوصاف کمال کے ساتھ پکارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں کہا کہ قولِ باری تعالیٰ

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا

میں خطاب اگر عام ہے ملائکہ اور انسان سبھی اس حکم کے ساتھ مکلف ہیں تو

جبرئیل علیہ السلام کا عرض کرنا :

یا محمد اخبرنی عن الاسلام

وصفی معنیٰ کے لحاظ سے نداء پر مشتمل ہے یعنی اسے وہ ذات کہ جو ہر وصفِ کمال کے ساتھ اور ہر زمانہ اور ہر زبان پر بار بار حمد و ثنا کیے جانے والے ہیں اور اس اعتبار سے وہ تمام اوصافِ کمال کے لیے جامع وصف بن جائے گا اور یا اس تحریم کے ساتھ نوعِ انسانی مخصوص ہے اور ملائکہ اس کے ساتھ مکلف نہیں ہیں۔

او الخطاب للآدمیین فلا یشمل الملٰئکہ الا بدلیل

او قصد بہ المعنی الوصفی دون المعنی العلمی۔

(صفحہ نمبر ۱۵ جلد ۱)

الغرض بہت سے مفسرین حضرات نے اس آیت کریمہ کا یہ معنیٰ بیان فرمایا ہے اگرچہ اس کے علاوہ بھی دو تفسیریں ذکر کی ہیں لیکن جیسے کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ متعدد تفاسیر میں سے ہر تفسیر کے ساتھ استدلال جائز ہوتا ہے اور اس کو احتمالات کے تعدد پر قیاس کرنا سراسر غلط ہے نیز اس پر علماءِ اعلام کا اتفاق اور اجماع بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے پرواہی اور بے اعتنائی کے طور پر ذاتی نام مبارک سے پکارنا حرام ہے اور امام سیوطی رحمہ اللہ کے ارشاد سے واضح ہو چکا کہ یہ حکم حیاتِ ظاہرہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تب سے اب تک کے لیے ہے (بلکہ قیامت تک کے لیے) تو اس اجماعی معنیٰ پر نص قرآنی کا محمول کرنا بالکل درست اور

صحیح ہے۔

نیز یہ حقیقت بھی محتاج بیان نہیں کہ تمام نوعِ انسان کے مومن افراد قریب و بعید سبھی اس حکم کے ساتھ مکلف ہیں یہ نہیں کہ قریب والوں کو تو ذاتی نام کے ساتھ پکارنا ممنوع ہو اور دُور والوں کے لیے جائز ہو لہٰذا اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوگیا کہ تمام اہلِ ایمان کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا جائز ہے خواہ قریب ہوں یا بعید اور خواہ حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں پکاریں یا وصال شریف کے بعد۔ نیز یہی قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق معنیٰ بنتا ہے کیونکہ جب نہی اور نفی مقید پر وارد ہو تو صرف قید ہی منفی اور ممنوع ٹھہرے گی نہ کہ مقید بلکہ وہ دُعاء و نداء جو عامیانہ انداز میں ہوگی وہی ممنوع ہوگی اور ادب و احترام اور تعظیم و تکریم پر مشتمل دُعاء و نداء بالکل جائز اور مباح ہوگی۔

دُعاء و نداء کا ثبوت از رُوئے احادیث

ا۔ نیز نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریب و بعید اور آپ کی حیاتِ ظاہرہ اور وصال شریف کے بعد والی تمام اُمت کو تشہد میں سلام پیش کرنے کا جو طریقہ سکھلایا اس میں دُعاء و پکار اور نداء و خطاب ہی وارد ہے اور اس حدیثِ پاک کی صحتِ اسناد اور صحتِ متن میں کسی کو کلام نہیں ہے اور اس میں حکایت کے طور پر تلفظ بھی درست نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا تھا

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

بلکہ اپنی طرف سے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں سلام پیش کرے اور ارشاد باری تعالیٰ، سلّموا تسلیما پر عمل کرے جیسے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے قولِ باری تعالیٰ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۝

کے نازل ہونے پر عرض کیا:

قد عرفنا السّلام علیک فکیف الصّلوٰۃ۔

ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو معلوم ہے یہ فرمائیں کہ صلوٰۃ کس طرح بھیجیں اور یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ سلام باری تعالیٰ کی حکایت سے سلّموا والے حکم کی قطعاً تعمیل نہیں ہو سکتی لہٰذا سب اہلِ ایمان کو اپنی طرف سے بطورِ انشاء بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں سلام بھیجنا ضروری ہے اور وہ بھی ندا و خطاب اور دعا و پکار کے صیغے کے ساتھ لہٰذا آیتِ کریمہ کے ساتھ ساتھ اس صحیح ترین حدیث سے بھی دعا و ندا اور پکار و خطاب کا جواز بلکہ مامور بہ ہونا واضح ہو گیا۔

اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ فرمادیں:

بخاری شریف اور مسلم شریف کی متفق علیہ روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو تشہد اور التحیات کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

فاذا جلس احدکم فی الصلوٰۃ فلیقل التحیات للہ
والصلوٰت والطیبات السلام علیک ایھا النبی
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

الحدیث اور مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے
جو تشہد مروی ہے اس میں بھی

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ وبرکاتہ

کے الفاظ موجود ہیں ۔ اور امام بدر الدین عینی نے ان کے علاوہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ، حضرت عبداللہ بن عمر ، حضرت عائشہ صدیقہ ، حضرت عبداللہ بن زبیر ، حضرت جابر بن عبداللہ ، حضرت ابوسعید خدری حضرت ابو موسٰی اشعری ، حضرت معاویہ ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے تشہد کی جتنی روایات نقل فرمائی ہیں ان سب میں یہی خطاب کا صیغہ مروی و منقول ہے ۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری ص۱۱۳-۱۱۴ ج ۶)

بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں تشہد کی تعلیم حلقہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو دی اس میں بھی یہی خطاب کے صیغے بیان فرماتے تو گویا اس ندا و خطاب والے سلام پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع منعقد ہوگیا جیسے کہ علامہ بدر الدین عینی نے امام طحاوی ، امام ابوبکر بن ابی شیبہ ، امام عبدالرزاق اور امام ابوبکر بن مردویہ کے حوالوں سے مسند اور مرفوع طور پر اس روایت کو ذکر

فرمایا ہے ۔

۱ ۔ علامہ علی القاری شرح شفا میں فرماتے ہیں :

اجمع الاربعۃ علیٰ ان المصلی یقول ایھا النبی وان
ھٰذا من خصوصیاتہ علیہ السلام اذلو خاطب
مصلٍ احداً غیرہ ویقول السلام علیک بطلت صلوٰتہ

(صفحہ نمبر ۴۶۸ ج ۲)

خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ نمازی تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہے اور یہ اندازِ سلام نبی مکرم شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خصوصیات میں سے ہے کیونکہ اگر کوئی نمازی دُوسرے کسی شخص کو خطاب کرے اور اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ کہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی ۔

۲ ۔ امام سیوطی علیہ الرحمہ نے خصائصِ کبریٰ صـــ ۲۵۳ ج ۲ پر اس خصوصیت کو اس عنوان سے تعبیر کیا ہے ۔

باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بان المصلی
یخاطبہ بقولہ سلام علیک ایھا النبی ولا یخاطب
سائر الناس ۔

یعنی نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس امر کے ساتھ مختص ہیں کہ نمازی آپ کو اس طرح خطاب کرتے ہوئے سلام پیش کرتا ہے :

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ

اور دُوسرے تمام لوگوں کو اس طرح خطاب نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں اور علامہ زرقانی شرح مواہب میں اسی خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

ومنها ان المصلی یخاطبه بقوله السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته کما فی حدیث التشهد والصلوٰة صحیحة ولا یخاطب غیره من الخلق ملکاً او شیطاناً او جماداً او میتا۔ ۱ھ۔[1]

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خصائص میں سے یہ خاصہ بھی ہے کہ نمازی آپ کو

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

کے ساتھ خطاب کرتا ہے۔ جیسے کہ حدیث تشہد میں ہے اور اس کے باوجود اس کی نماز صیح اور درست رہتی ہے اور مخلوق میں سے دُوسرے کسی بھی فرشتے یا شیطان اور جماد یا میت کو خطاب نہیں کر سکتا۔

۴۔ امام ابنِ حجر عسقلانی فتح الباری ص۲۵۹ ج ۲ پر فرماتے ہیں :

فان قیل کیف شرع هٰذا اللفظ وهو خطاب بشر مع کونه منهیا عنه فی الصلوٰة فالجواب ان ذٰلك من خصائصه صلی الله علیه وسلم

پس اگر سوال کیا جائے کہ یہ لفظ (اور انداز سلام) کیسے جائز ہو گیا

[1] (صفحہ نمبر ۳۰۸ جلد ۵)

حالانکہ وہ بشروں کے ساتھ مخاطبت کے قبیل سے ہے جو کہ نماز میں ممنوع اور غیر مشروع ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔

۵۔ شیخِ اجل شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوت صفحہ نمبر ۲۶۵ پر یہی سوال وجواب نقل فرمایا اور سلام باندازِ خطاب کو آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے:

در خطاب اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ ذو سوال کردہ اند کہ آنکہ خطاب کردن بہ بشر در نماز منہی عنہ است و مفسد اوست وجواب دادہ اند کہ از خصائص اوست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و در حقیقت ایں دعا ست در نماز اگرچہ بصیغۂ خطاب است۔

۶۔ علامہ علی القاری حضرت امام غزالی رحمہما اللہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

وقیل قولك اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ احضر شخصه الكريم فى قلبك وليصدق املك فى انه يبلغه ويرد عليك ما هو اوفى منه۔ (مرقاۃ ص ۳۳۲ ج ۲)

اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کہنے سے پہلے تو نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شخص کریم اور ذاتِ مقدسہ کو دل میں حاضر کر اور تیری اُمید و آرزو صادق ہونی چاہیے اس معاملہ میں کہ تیرا سلام آپ کی خدمتِ اقدس میں پہنچتا ہے اور آپ اس سے کامل تر جواب سے تجھے نوازتے ہیں۔

اقول: اگر خطاب اپنے ظاہری معنیٰ و مفہوم میں نہ ہوتا تو آپ کی

ذاتِ مقدسہ کو مستحضر سمجھ کر سلام پیش کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔

فائدہ : ہر شارح حدیث نے صیغہ سلام میں خطاب کی وجہ بیان فرمائی ہے اور اس کی حکمت اور راز سے پردہ اُٹھانے کی سعی فرمائی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس سلام میں خطاب اور ندا۔ و پکار تو مسلّم ہے مگر اس کا بھید اور راز کیا ہے اس میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ علامہ طیبی اور علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ بدرالدین عینی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ :

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سکھلائے ہوئے الفاظ کی پابندی اور اتباع و اقتدار کرتے ہوئے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہتے ہیں۔

نیز اہلِ عرفان کے طریقہ پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ نمازیوں نے جب تحیات کے ساتھ ملکوت کے دروازے کو کھولنے کی درخواست کی

اذن لهم بالدخول فی حریم الحی الذی لا یموت
فقرت اعینهم بالمناجات فنبهوا ان ذلک
بواسطة نبی الرحمة وبرکة متابعة فالتفتوا
فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر فاقبلوا
علیه قائلین ، اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ
اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ ۔

تو انہیں حی لایموت کے حریمِ ناز میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی، تو مناجاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ پس انہیں متنبہ

کیا گیا کہ (حریمِ ناز تک رسائی اور مناجات کا شرف تمہیں صرف اور صرف نبیِ رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وساطت اور ان کی متابعت کی برکت سے حاصل ہوا ہے پس انہوں نے جب ادھر توجہ اور التفات کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ حبیبِ کریم علیہ السلام اپنے حبیب ربِ کریم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہیں تو آپ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے یوں عرض کرتے ہوئے :

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ -

(فتح الباری ص۲۵۹ ج ۲ ، عمدۃ القاری ص۱۱۱ ج ۶ ، لمعات التنقیح ص۱۸۱ ج ۳)

(مدارج النبوۃ ص۳۲۶ ج ۱ ، شرح العلامۃ الطیبی ص۲۵۳ ج ۲)

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے بعض اربابِ تحقیق اور اہلِ عرفان کے حوالے سے وجہِ خطاب یہ بیان فرمائی ہے :

و بعضے از اربابِ تحقیق گفتہ اند ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدی ست در ذرائر موجودات و حضور اوست در باطن عبد وانکشاف ایں حال است در وقت صلوٰۃ کہ افضل حالات و اقرب مقامات است -

(مدارج النبوۃ ص۳۲۶ ج ۱)

قال بعض العارفین ان ذٰلك لسریان الحقیقة المحمدیه فی ذرائر الموجودات وافراد الكائنات كلها فهو صلی الله علیه وسلم موجود حاضر فی ذوات المصلین وحاضر عندهم فینبغی للمؤمن ان لا یغفل عن هٰذا الشهود عند هٰذا

للخطاب لينال من انوار القرب و يفوز باسرار المعرفة صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وسلم

(لمعات التنقیح ص۱۸۱ ج ۳ وکذا فی الاشعۃ)

خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ بعض محققین اور عارفین نے وجہ خطاب یہ بیان کی ہے کہ حقیقتِ محمدیہ تمام موجودات کے ذرہ ذرہ اور ممکنات کے ہر ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہے لہٰذا حضورِ اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نمازیوں کی ذاتوں میں موجود و حاضر ہیں اور ان کے پاس موجود ہیں لہٰذا مومن کو چاہیے کہ آپ کے اس شہود سے اس خطاب و ندا کے وقت آگاہ رہے تاکہ انوار قرب کو پائے اور اسرار معرفت کے ساتھ فائز ہو جائے۔

یہی شیخ محقق مدارج کے تکملہ میں بزبانِ عرفاء نقل فرماتے ہیں :

ذکر کن او را و درود بفرست بروے صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات و می بینی تو او را متادب با جلال و تعظیم و ہیبت و حیا۔ بدانکہ وے صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم می بیند ترا و می شنود کلام ترا زیرا کہ وے متصف است بصفات اللّٰہ تعالیٰ و یکے از صفات الٰہی آنست کہ انا جلیس من ذکرنی و پیغمبر را نصیب وافر است ازیں صفت۔ (ص۶۲۱ ج ۲)

آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کر اور ان پر درود بھیج اور حالت ذکر میں اس طرح سمجھ کر گویا آپ حالتِ حیات میں تیرے سامنے حاضر ہیں اور گویا کہ تو آپ کو دیکھ رہا ہے آپ کی جلالت و عظمت کو

ملحوظ رکھ کر اور ہیبت و حیاء کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے۔ یقین جان کہ آنحضرت تجھے دیکھتے ہیں اور تیرا کلام سنتے ہیں کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ موصوف ہیں اور ان صفاتِ الٰہیہ میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) میں اس کا ہمنشیں ہوں جو مجھے یاد کرے اور نبیِ محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس صفت سے وافر نصیبہ اور حصہ ہے

اوّل ۔ اگر دیوبندی پیر اپنی روح کے لحاظ سے ہر وقت اور جگہ اپنے مریدوں کے ساتھ رہ سکتا ہے اگرچہ وہ پیر کے جسم سے جتنے دور ہی کیوں نہ ہوں اور اس قدر جسمانی دوری کے باوجود روحانی قرب کی بدولت شیخ کی روح سے جو سوال کرے گا وہ اس کا جواب اور حل اس کو القاء کر دے گا جیسے کہ شہابِ ثاقب کے حوالے سے ذکر کر چکا ہوں تو رحمۃ للعالمین اور

اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم اور

رحمتی وسعت کل شیٔ

اور شاہد و شہید اور نگہبان و رقیب کی صفاتِ عالیہ کے ساتھ موصوف نبی اور رسولوں اور نبیوں کے شیخ اور مرشد اکمل کے متعلق چوں و چرا کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟

سوال ۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیّ کی بجائے السلام علی النّبی کہنا شروع کر لیا تھا۔ لہٰذا اب سلام بصیغہ خطاب کیونکر روا ہو گا؟ اور اندریں صورت یہ استدلال کیونکر صحیح ہو گا؟

ا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الجواب: نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صرف اور صرف
اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ
کے اندازِ خطاب میں ہی سلام پیش کرنے کی تعلیم دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً یہ نہیں فرمایا کہ میری ظاہری زندگی میں تو خطاب کے ساتھ سلام پیش کرنا اور وصال شریف کے بعد بدل دینا۔ اگر بدلنا ضروری تھا اور خطاب کے انداز میں سلام دینا بعد از وصال جائز نہیں تھا تو گویا نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشہد کے بارے میں تعلیم ناقص اور ادھوری رہ گئی؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی مسئلہ میں جس کا تعلق نماز جیسے اہم فریضہ سے ہے اور ایمان اور عقیدہ سے بھی ہے، خامیاں رہ گئیں؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اور کوئی عامی مسلمان بھی بقائمی ہوش وحواس اس قسم کا نظریہ وعقیدہ تو کجا تصور اور خیال بھی روا نہیں رکھ سکتا چہ جائیکہ علماء و فضلاء ایسا نظریہ اپنائیں۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں منبر شریف پر بیٹھ کر خطاب پر مشتمل تشہد وسلام کی تعلیم دی اور صحابہ کرام کی موجودگی میں یہ تلقین فرمائی اور کسی صحابی نے اس پر اعتراض اور انکار نہیں کیا تو گویا آپ کے وصال شریف کے بعد بھی اجماعِ صحابہ سے یہی صیغہ خطاب وندا ثابت ہوا بلکہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ کی تصریح گزر چکی کہ خلفاءِ اربعہ نے اپنے دورِ خلافت میں اسی کی تعلیم وتلقین فرمائی لہٰذا جب خلفاء اربعہ اور صحابہ کرام کا اجماع اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ پر ثابت ہوگیا۔

اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام حکم اور وُہ بھی صیغہ امر کے ساتھ متفق علیہ روایت سے ثابت ہو چکا یعنی جب بھی تم میں سے کوئی شخص نماز کے تشہد کے لیے بیٹھے تو یوں کہے :

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ۔

تو اس کے بعد اس نداء وخطاب کو ممنوع اور غیر مشروع قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی ۔

۳ ۔ نظر ظاہر میں وصال شریف کے بعد یا حالتِ حیات میں دُور و دراز علاقوں میں بسنے والوں میں تفرقہ کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ مکہ ، اہلِ طائف اور سرایات میں شامل مجاہدین کو اور خود غزوات میں شامل ہونے کی صُورت میں اہلِ مدینہ کو تبدیلی کا حکم فرماتے اور جب قطعاً ایسا حکم ثابت نہیں ہوا ۔ جب حالتِ حیات میں اس بعد بعید اور دُوری کے باوجود تبدیلی کا اشارہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نہیں پایا گیا تو وصال شریف کے بعد تبدیلی کا اشارہ کیسے ہو سکتا تھا نیز صحابہ کرام نے اپنے طور پر ان حالات میں تبدیلی ضروری نہیں سمجھی تو وصال شریف کے بعد کیونکر سمجھ سکتے تھے ۔

۴ ۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی گئی ہے کہ ہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ

اَیُّھَا النَّبِیّ کہا کرتے تھے۔

فلما قبض قلنا السَّلَام عَلَی النَّبِی

لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہوگیا تو ہم نے اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِی کہنا شروع کر دیا۔ یہ ابو عوانہ کی روایت ہے اور بخاری شریف کی روایت جو اس سے صحیح ترین ہے اور اس میں اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ یہ راوی کی اپنی سمجھ اور سوچ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہے۔ کیونکہ بخاری شریف کی روایت میں ہے:

فلما قبض قلنا السلام یعنی علی النبی

پس جب آپ کا وصال ہوگیا تو ہم نے کہا السلام یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تو علی النبی کو راوی نے اپنی طرف سے ذکر کیا ہے لیکن آپ کا قول قلنا:

السَّلَام یحتمل انه اراد به استمرانا به علی ما کنا علیه فی حیاته ویحتمل انه اراد اعرضنا عن الخطاب واذا احتمل اللفظ لم یبق فیه دلالة کذا ذکره ابن حجر۔ (مرقاۃ ص ۳۳۲ ج ۲)

کہ ہم نے کہا اَلسَّلَام تو اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ نے یہ ارادہ کیا ہو کہ ہم اسی اندازِ خطاب پر برقرار رہے جس پر کہ آپ کی حالت حیات میں تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہم نے خطاب کے اسلوب سے اعراض کر لیا اور جب الفاظ میں دونوں طرح کے احتمال ہیں تو تبدیلی پر قوی اور

اگر نمازی کسی دُوسرے شخص کو خطاب کرتے ہوئے السلامُ علیک کہے اس کی نماز باطل ہو جاتے گی۔

۵۔ نیز اگر خلفاء اربعہ کے اجماع و اتفاق سے قطعِ نظر کرلیں اور اجماعِ صحابہ سے بھی قطع نظر کرلیں (جو کہ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے منبرِ رسُول علیہ السلام پر بیٹھ کر اس تشہد کی تعلیم دینے اور صحابہ کرام کے سکوت سے ثابت ہے) تو ہم کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ اس سے اتنا ثابت ہوگا کہ خطاب کے طریقہ پر سلام کہنا واجب نہیں ہے جیسے کہ بظاہر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے فرمان

فَاذا صلی احدکم فلیقل التحیات للہ

سے ثابت ہوتا تھا اور وجوب کی نفی سے جواز بلکہ استحباب کی نفی بھی لازم نہیں آتی اور خلفاء اربعہ بلکہ اہلِ مدینہ کا اجماع اور جمہور اہلِ اسلام کا اسی پر عمل دائم اور استمرار اس پر شاہدِ عدل اور دلیلِ صادق ہے (جبکہ ہمارا مدعا جواز اور استحباب کی صورت میں بھی ثابت ہو جاتا ہے)۔

امام سبکی نے شرح منہاج میں ابُو عوانہ کی روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا:

ان صح ھٰذا عن الصحابة دل علی ان الخطاب فی السلام بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر واجب فیقال السلام علی النبی۔

(فتح الباری شرح البخاری لعلامہ ابنِ حجر عسقلانی صفحہ ۲۹ ج ۲)

دلیل نہ رہی۔ کذا ذکر ابن حجر اور شرح شفاء میں علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرمایا کہ :

اس حدیث میں اول تو اس امر پر قطعی دلالت نہیں کہ نماز میں صیغہ خطاب کو بدل دیا گیا۔ ثانیاً اصح روایت میں صرف قلنا اَلسَّلَام کے الفاظ ہیں اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کے نہیں ہیں لہٰذا راوی کی طرف سے تصرف کا احتمال موجود ہے اور ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ ثالثاً اگر صحیح ہو بھی تو یہ آپ کی انفرادی رائے ہے کیونکہ خلفاء اربعہ کا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ پر اجماع و اتفاق ثابت ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ کریں؛

قلت ان ثبت عنه انه اراد بهذا فى الصلاة فهذا مذهبه المختص به اذا اجمع الاربعة على ان المصلى يقول ايها النبى . وان هذا من خصوصياته عليه السلام اذ لو خاطب مصل احداً غيره و يقول السلام عليك بطلت صلاته ۔

(شرح شفاء مع نسیم الریاض ص ۴۹۶ ج ۳)

میں کہتا ہوں اگر آپ سے یہ ثابت ہو کہ انہوں نے نماز میں السلام علی النبی کہنا شروع کیا تو یہ ان کا اپنا مخصوص مذہب ہے کیونکہ خلفاء اربعہ کا اس پر اجماع ہے کہ نمازی

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ

کہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصیات میں سے ہے کیونکہ

اگر بعض صحابہ سے یہ تبدیلی ثابت ہو تو یہ اس پر دلالت کرے گی کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے (وصال شریف کے) بعد سلام میں خطاب
اور ندا واجب نہیں ہے لہٰذا السلام علی النبی بھی کہا جا سکتا ہے لیکن ہمارا
مدعا صیغۂ خطاب سے سلام دینے کے وجوب پر موقوف نہیں ہے۔ استحباب
بلکہ جواز سے بھی ثابت ہو جائے گا۔

۶۔ نیز اللہ تبارک و تعالیٰ ہر مومن سے قربِ خاص کے ساتھ قریب تر ہے

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط

(سورہ البقرہ آیت ۱۸۶)

اور ہر ایک کی شاہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔

کما قال تعالیٰ:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ○

(سورہ ق آیت ۱۶)

مگر بایں ہمہ اس کے لیے قولی، بدنی اور مالی عبادات کے تحفے پیش کرتے
وقت صیغۂ خطاب ذکر نہیں کیا گیا بلکہ غائب والا انداز اختیار کیا گیا ہے
اَلتَّحِیَّاتُ لكَ کی بجائے اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ کہا گیا ہے تو اگر اس انداز کے
اَلتَّحِیَّاتُ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کو خطاب و ندا کے انداز میں
یہ تحائف پیش کرنا جائز ہی نہ ہو تو اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ جو صرف
احتمال کے طور پر اور صرف بعض صحابہ کرام سے مروی ہے اس سے یہ
کیسے لازم آ سکتا ہے کہ خطاب و ندا کے انداز میں سلام پیش کرنا جائز

بھی نہ ہو یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازیوں سے دُوری و روحانی لحاظ سے قریب تر نہ ہوں۔ کما قال تعالیٰ:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

(سورۃ الاحزاب آیت ۶)

کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ ایمان کے لیے ان کے نفوس سے بھی قریب تر ہیں۔

اور نصِ قرآنی مومنین کے عموم کے لحاظ سے سب اہلِ ایمان کو شامل ہے خواہ قربِ قیامت میں ہی کیوں نہ پردۂ عدم سے عالمِ ہست و بود کی طرف منتقل ہوں اور یہی عرفاء نے تصریح فرمائی کہ حقیقتِ محمدیہ ہر ذرۂ کائنات اور ہر فرد ممکنات کے اندر جلوہ گر ہے اور آپ سب کے قریب تر ہیں بالخصوص نمازیوں کے کما سبق اور ہمارا مدعا اس وقت صرف دور دراز علاقوں میں بسنے والوں کے لیے اور حالتِ حیات کی طرح بعد از وصال دُور سے خطاب اور نداء کا جواز ثابت کرنا ہے تو وہ بحمدہ تعالیٰ بالکل واضح طور پر ثابت ہو چکا۔

سوال: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ میں خطاب بطورِ حکایت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ

والے جواب میں یہ تحائف پیش فرمائے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ط

تو نماز میں اسی طرح اس سلام کو شروع فرما دیا گیا۔
علامہ علی القاری نے مرقات ص۳۳۱ ج ۲ میں فرمایا:

قال ابن الملك روى انه صلى الله عليه وسلم لما عرج به اثنى على الله بهذه الكلمات فقال الله تعالى السلام عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته فقال عليه السلام، السلام علينا وعلى عباد الله الصلحين فقال جبرئيل اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله ـ وبه يظهر وجه الخطاب وانه على حكاية معراجه عليه السلام فى اخر الصلوٰة التى هى معراج المؤمنين ـ

علامہ ابن الملک نے کہا کہ مروی ہے کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب معراج کرایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کلمات

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَات

کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ثنا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ ○

تب جبرئیل علیہ السلام نے کہا

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اور اسی سے خطاب وندار کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ خطاب آنحضرت کے معراج کی حکایت پر مبنی ہے نماز کے آخر میں جو کہ مومنین کی معراج ہے۔

الجواب : صیغۂ خطاب کو بطورِ حکایت سمجھنا اور اپنی طرف سے سلام پیش کرنے کا قصد و ارادہ نہ کرنا بالکل غلط ہے اور ناجائز فعل ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا :

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝

تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا :

قد عرفنا السَّلَامُ عَلَیْکَ ، یَا رَسُوْلَ اللہ کیف الصلوٰۃ عَلَیْکُم اھل البیت فان اللہ قد علمنا کیف نسلم علیك الحدیث ۔

اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم اہلِ بیت پر صلوٰۃ کس طرح بھیجی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سلام کی کیفیت تو بتلا دی ہے ۔

خلاصۃ الرام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ اور سلام کا حکم دیا ہے اور ہمیں سلام بھیجنے کی کیفیت آپ کی زبانی معلوم ہو چکی اب صلوٰۃ کی کیفیت سمجھا دیجیے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ ؎

میں ارشادِ خداوند تعالیٰ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کی تعمیل اور اطاعت ہے اور اپنی طرف سے سلام پیش کر کے حکمِ باری کی اتباع کی گئی ہے لہٰذا صحابہ کرام اور جملہ اہلِ اسلام تشہد میں جو سلام پیش کرتے ہیں وہ بطورِ نقل اور حکایت نہیں

؎ متفق علیہ ۔ مسلم

حکایت ہے)۔

نیز درِ مختار اور المجتبیٰ کے حوالے سے مزید توضیح یہ بھی ہوگئی کہ اگر

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ

میں حکایت کا قصد کیا جائے تو اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ میں بھی اور اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا میں حکایت کا قصد کرنا پڑے گا کیونکہ وُہ دونو بھی معراج کے موقعہ کے نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف سے صادر ہونے والے کلمات ہیں اور

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ

اللہ تعالیٰ کا جوابی تحفہ ہے تو پھر سبھی میں حکایت کا قصد وارادہ ہونا چاہیے گویا نہ نمازی اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں قولی بدنی اور مالی عبادات کے تحائف پیش کرتا ہے اور نہ اپنے اور نہ اولیا عباد صالحین کے لیے سلامتی کی دُعا کرتا ہے جیسے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی طرف سے سلام پیش نہیں کرتا حالانکہ یہ بالکل غلط نظریہ اور باطل سوچ ہے بلکہ اپنی طرف سے تحائف پیش کرنے کا قصد کرے اور اپنے لیے اور اولیاء اللہ کے لیے سلامتی کی دُعا والتجا کرے اور اسی طرح اپنی طرف سے بارگاہِ رسالتمآب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میں سلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے۔ آخر اس کا کیا جواز ہے کہ تینوں جملوں کا تعلق تو واقعہ معراج سے ہو لیکن اوّل وآخر میں تو انشا مقصود ہو اور درمیانی جملے میں خبر اور حکایت کا قصد کر لیا جائے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ وسلام دونو کا حکم فرمایا لیکن :

بلکہ بطورِ انشاء اور دُعا ہے۔ اس لیے فقہاء کرام نے تصریح فرمائی:

ویقصد بالفاظ التشھد معانیھا مرادۃ لہ علٰی وجہ الانشاء کانہ یحیی اللّٰہ تعالٰی ویسلم علٰی نبیہ وعلٰی نفسہ واولیاءہ لا الاخبار عن ذٰلک ذکرہ فی المجتبٰی وظاھرہ ان ضمیر علینا للحاضرین لاحکایۃ سلام اللّٰہ۔

(در مختار جلد اوّل ص۳۴۲ مع رد المحتار)۔

اور تشہد کے الفاظ سے ان کے معانی کا قصد وارادہ کرے درآنحالیکہ وُہ اس کی مُراد ہیں، انشاء اور دُعا کے طریقہ پر گویا وُہ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ کے الفاظ سے بارگاہِ خداوند تعالیٰ میں تحفے پیش کر رہا ہے اور

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ

کے الفاظ کے ساتھ بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں تحائف پیش کر رہا ہے اور (اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا) کے الفاظ کے ساتھ اپنے لیے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور عباد صالحین کے لیے سلامتی طلب کر رہا ہے نہ کہ اس کی خبر اور اس کی حکایت کا قصد کرے (جو معراج میں وقوع پذیر ہوا) اس کو مجتبٰی میں ذکر کیا ہے اور اس کا ظاہر و باہر معنٰی و مفہوم یہ ہے کہ عَلَیْنَا کی ضمیر سے حاضرین مراد ہیں (جو کہ نماز میں اس کے ساتھ شامل ہیں) نہ کہ اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت اور نقل ہے۔

(یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا کی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

میں تو صلوٰۃ بطور انشاء اور دعا ذکر کر کے صلّوا والے حکم کی تعمیل کی جائے مگر اپنی طرف سے سلام کا قصد و ارادہ کر کے سَلِّمُوْا والے حکم کی تعمیل نہ کی جائے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان اور جملہ اہلِ اسلام کے طرز و طریق اور سُنّت و روش سے عدول کیا جائے اس کا بھی قطعاً کوئی جواز نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مسلمان اس تفرقہ کا سوچ ہی سکتا ہے۔

منشاء غلط

علّامہ علی قاری علیہ الرحمہ نے خود ذکر فرمایا کہ :

تشہد میں اس اندازِ خطاب سے سلام دینا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے اور دیگر اکابر کی اس مضمون کی تصریحات بھی گزر چکی ہیں لہٰذا ایں صورت ان کی مرقاۃ سے نقل کردہ عبارت کا ہرگز وُہ مطلب نہیں ہو سکتا جو سائل نے کشید کیا ہے بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ سلام باندازِ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ بھی ہو سکتا تھا یعنی :

اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ

کہہ دیا جاتا یا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کی طرح سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ

کہہ دیا جاتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تحائف اور ہدایا پیش کرنے کے لیے اَلتَّحِیَّاتُ لَکَ اَللّٰھُمَّ بھی کہہ سکتے تھے لیکن ترجیح

اسی انداز و اسلوب کو دی گئی۔ جو اللہ تعالیٰ نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے سلام میں اختیار فرمایا جس طرح کہ التحیات میں اسی انداز و اسلوب کو اختیار کیا گیا جو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بارگاہِ خداوندی میں یہ تحفے پیش کرتے وقت اختیار فرمایا۔ خلاصۃ المرام یہ کہ صیغوں کے انتخاب میں واقعہ معراج میں صادر ہونے والے صیغوں کی اتباع کی گئی ہے نہ کہ مضمون سلام میں حکایت مقصود ہے اور انشاء مقصود نہیں ہے۔ علاّمہ علی قاری کی عبارت کا صحیح اور واضح مفہوم یہ ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اللہ تعالیٰ کے روبرو تھے حالتِ معراج میں لہٰذا اس نے فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ط

اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نمازی کے روبرو ہونے چاہئیں اس نماز کے تشہد میں جو معراج المؤمنین کی انتہا ہے اور وہی اندازِ سلام کا اختیار کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا اس میں سُنّتِ الٰہیہ کی پیروی کرنی چاہیے لہٰذا اس عبارت سے کسی دُوسرے معنٰی و مفہوم کو کشید کرنا اس عبارت کے بھی خلاف ہے اور ان کی دیگر عبارات اور اکابرینِ ملّت کی طرف سے اس خطاب و ندار کو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے خصائص میں سے شمار کرنے کے بھی خلاف ہے بلکہ ان علماءِ کرام پر لازم تھا کہ وُہ فرماتے کہ سرے سے سلام باندازِ خطاب نہ کیا جائے ورنہ نماز فاسد اور باطل ہو جائے گی اور حکایت کے طور پر تو قرآنِ مجید کی بیسیوں آیات میں خطاب کے صیغے تلاوت کیے جاتے ہیں ان کے نہ جواز میں کسی کو کلام ہے

اور نہ ان کی تلاوت کسی کی خصوصیت قرار دی گئی ہے۔

علاوہ ازیں پہلے شہابِ ثاقب کے حوالے سے ذکر کر چکا ہوں کہ علماءِ دیوبند کے نزدیک درود شریف میں یا رسول اللہ کہنا جائز اور روا ہے۔ جیسے کہ اہلِ حرمین

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

پڑھا کرتے تھے۔ صرف نجدیوں کو اس ندار و خطاب سے چڑ اور عناد تھا علماءِ دیوبند تو اس طرح کے درود و سلام کو روا رکھتے ہیں تو پھر اپنے اکابر کا مذہب بھی چھوڑ بیٹھنا اور راہِ فرار اختیار کرنا کسی مخلص اور نیک نیت مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا بلکہ علامہ حسین احمد مدنی صاحب تو تصریح کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ دلائل الخیرات پڑھتے ہیں اور اس کے پڑھنے کی اپنے متعلقین کو تلقین بھی کرتے ہیں اور اس میں مذکور ندار و خطاب والے صیغوں کے ساتھ بھی صلوٰۃ و سلام کو جائز رکھتے ہیں الغرض اس حدیث شریف اور تصریحات اکابر سے واضح ہو گیا کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ندار و خطاب کرنا اور دور و دراز سے بھی اور وصال شریف کے بعد اس طرح پکارنا بالکل جائز اور روا ہے۔

حدیث ۲ ۔ حضرت عمرو بن سالم خزاعی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے استغاثہ کیا اور آپ نے مسافتِ بعیدہ کے باوجود اس کی فریاد اور استغاثہ پر لبیک نصرت نصرت فرمایا

یعنی میں تیری امداد و نصرت کے لیے حاضر ہوں اور تجھے نصرت وامداد عطا ہو گئی۔ جیسے کہ معجم صغیر میں امام طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل فرمایا ہے:

انها قالت بات عندی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیلۃ فقام لیتوضأ للصلوٰۃ فسمعتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول فی متوضاہ لبیک لبیک لبیک ثلاثا نُصِرْتَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ ثلاثا فلما خرج قلت یا رسول اللّٰہ سمعتک تقول فی متوضاک لبیک لبیک ثلاثا نصرت نصرت نصرت ثلاثا کانک تکلم انسانا فھل کان معک احد فقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھذا راجز بنی کعب یستصرخنی ویزعم ان قریشا اعانت علیہم بنی بکر (الی)

(مواہب لدنیہ مع زرقانی ص۲۹۰ ج۲)

وہ فرماتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے پاس رات گزاری پس آپ اُٹھے تاکہ نماز کے لیے وضو کریں تو میں نے آپ کو وضو والی جگہ میں تین مرتبہ لبیک فرماتے سُنا اور تین مرتبہ نُصِرْتَ فرماتے ہوئے سُنا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک یا حبیب اللہ) میں نے آپ کو وضو والی جگہ میں تین مرتبہ لبیک اور تین مرتبہ نصرت کہتے ہوئے سُنا گویا کہ آپ کسی انسان کے ساتھ کلام فرما رہے تھے تو کیا آپ کے ساتھ کوئی شخص تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بنو کعب قبیلہ

کا رجز خوان ہے جو مجھے امداد و اعانت کے لیے پکارتا تھا اور کہہ رہا تھا کہ قریش نے ان کے خلاف اپنے حلیف قبیلہ بنو بکر کی امداد کی ہے۔ (تا)

قالت میمونة رضی اللّٰہ عنہا فاقمنا ثلاثا ثم صلّی بالناس صبح الیوم الثالث فسمعت الراجز ینشدہ، یارب انی ناشد محمداً۔ حلف ابینا ربیعہ الا تلدا (الیٰ) وجعلوا لی فی کداء رصداً وزعموا ان لست ادعوا احداً فانصر ھداک اللّٰہ نصراً ابداً۔ وادع عباد اللّٰہ یاتوا مدداً فیھم رسول اللّٰہ قد تجردا۔ ان سیم خسفا وجھہ تربدا۔

حضرت میمونہ رضی اللّٰہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم تین دن ٹھہرے اور تیسرے دن آپ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی تو میں نے رجز خوان کو آپ کے سامنے یہ اشعار پڑھتے سُنا۔ اے میرے رب میں محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو بُلانے والا ہوں جبکہ ہمارے باپ اور آپ کے باپ کے درمیان اور ہمارے درمیان عہدِ قدیم سے باہمی دوستی اور امداد و اعانت کا معاہدہ چلا آرہا ہے (تا) اور بنو بکر نے میرے لیے کداء (مکہ مکرمہ کی قریبی پہاڑ) میں نگران اور پہرے دار مقرر کر رکھے تھے اور انہوں نے یہ باطل خیال کیا کہ میں کسی کو نہیں پکاروں گا، پس مدد فرمایئے دائمی اور نہ ختم ہونے والی مدد اللّٰہ تعالیٰ آپ کو ہدایت پر ثابت قدم رکھے اور اللّٰہ تعالیٰ

کے بندوں کو بھی بلا لیجئے کہ وہ معاون و مددگار بن کر آئیں (اور صرف سریہ کو روانہ نہ کرنا بلکہ) اللہ کے رسول خود اس لشکر میں ہوں درآنحالیکہ وہ ہم پر ظلم کرنے والوں پر غضبناک ہوں۔ اگر ان کو اپنی ذات اور حلیفوں کے بارے میں مشقت کا سامنا کرنا پڑے تو غیظ و غضب کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

(وکذا نقلہ علامہ ابن حجر عسقلانی فی الاصابہ ص۵۴۲ ج ۲ ———

مدارج النبوۃ ص۲۸۲ ج ۲ از شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ)۔

اس روایت سے صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تین دن کی مسافت بلکہ مکہ مکرمہ کے قرب وجوار سے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغاثہ کرنا اور امداد و اعانت کے لیے پکارنا اور آپ کا سُننا اور جواب دینا اور نصرت و امداد اور غلبہ و کامیابی کی بشارت دینا ثابت ہو گیا۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ففی اخباره به قبل قدومه علم من اعلام النبوة باهر فاما انه اعلم بذٰلك بالوحی و علم ما یصوره الراجز فی نفسه او یكلم به اصحابه فاجابه بذٰلك او انه كان یرتجز فی سفره واسمعه الله كلامه قبل قدومه بثلاث ولامانع فی ذٰلك فقد روی ابو نعيم مرفوعًا انی لاسمع اطیط

السماء وما تلام ان تئط الحديث ۔

(صفحہ نمبر ۲۹۰ جلد ۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمرو بن سالم کے پہنچنے سے قبل اس کے متعلق خبر دینے میں نبوت کے معجزات میں سے واضح معجزہ اور امتیازی علامت ہے پس یا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے اس کی اطلاع دے دی گئی اور آپ نے اس کو جان لیا جو رجز خوان اپنے دل میں فریاد کے لیے مضمون تیار کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا یا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے متعلق کلام کر رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے استغاثہ اور فریاد کا جواب دیا یا وہ دورانِ سفر یہ رجزیہ اشعار پڑھتا آرہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا کلام اس کے پہنچنے سے تین دن پہلے سنوا دیا اور اس میں کوئی استبعاد اور حیرانگی کی بات نہیں کیونکہ ابُو نعیم نے مرفوع روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم [1] نے فرمایا بیشک میں البتہ آسمان کی چیخ اور چرچراہٹ سُنتا ہوں اور اس کے چیخنے اور ایسی آواز نکالنے پر اس کی ملامت نہیں کی جا سکتی۔

اقول: اگر حضرت عمرو بن سالم خزاعی رضی اللہ عنہ نے صرف دل میں خیال کیا تھا اور آپ کو معلوم بھی ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لبیک اور نُصِرتَ فرمانا شروع کر دیا تو اس سے مدعا اولویت کے طور پر ثابت ہو جائے گا کہ فریادی ابھی فریاد کرتا ہی نہیں صرف دل میں خیال باندھتا ہے اور ارادہ کرتا ہے مگر اس رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔

کو ذرا پتہ بھی چل جاتا ہے اور اغاثہ و فریاد رسی پر آمادہ اور کمربستہ بھی ہو جاتے ہیں یا صرف اپنے ساتھیوں سے اس بارے میں صلاح و مشورہ کرتا ہے اور پروگرام بناتا ہے مگر ادھر سے اجابت پہلے ہی پائی جاتی ہے تو بالفعل فریاد اور استغاثہ پر بطریقِ اولیٰ فریادرسی اور حاجت روائی اور مشکل کشائی پائی جائے گی اور اگر تیسری صورت پائی گئی تو اس کی دلالت مدعا پر واضح ہے اور علّامہ زرقانی نے حدیث مرفوع نقل کرکے دُور سے سُن سکنے کا استبعاد دُور کر دیا کہ جو ہستی پاک آسمان جتنی دُوری سے سُن سکتے ہیں وہ مکہ مکرّمہ کی دُوری یا تین دن کی مسافت سے کیوں نہیں سُن سکتے جبکہ صرف پہلے آسمان کی نچلی سطح کی مسافت زمین سے پانچ سَو سال کی راہ ہے اور اوپر والا کنارہ ہزار سالہ راہ ہے اور اگر ساتویں آسمان کی چیخ سُنی تھی تو سات ہزار سالہ مسافت سے سُن لی تو اس قدر دُور سے سُن سکنے والے نُورانی کانوں کے لیے زمینی مسافتوں کی کیا حیثیت ہے۔ جبکہ زمین کا محیط صرف چوبیس ہزار میل ہے اور مدینہ منوّرہ سے مشرق اور مغرب میں منتہائے ارض تک صرف بارہ بارہ ہزار میل کی مسافت ہے بلکہ کرۂ ارض کے اُفقِ حقیقی کی مسافت مشرق اور مغرب میں صرف چھ چھ ہزار میل ہے اگر اُوپر والے حصہ کا اعتبار کریں اور اگر نچلا حصہ ارضی بھی ساتھ شامل کریں تو مدینہ منوّرہ سے نیچے دوسری سمت تک کا قطر تقریبًا ساڑھے سات ہزار میل بنے گا اور زمین کے بشمّ سمندروں کے دو حصّے بارہ بارہ ہزار میل

تک کی مسافت کے ہوں گے۔

سوال : عمرو بن سالم خزاعی صرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا حلیف تھا مسلمان اور صحابی نہیں تھا لہٰذا اس کی فریاد و زاری اور استغاثہ و استمداد سے اس کا جواز اور مشروع ہونا کیونکر ثابت ہو سکتا ہے؟ بلکہ اس طرح کے استغاثہ کا کفار و مشرکین کے عمل سے ہونا ثابت ہو گیا۔

الجواب : اولاً یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے کہ عمرو بن سالم صحابی تھے، رضی اللہ عنہ۔ چنانچہ علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

عمرو بن سالم الخزاعی احد بنی کعب الصحابی۔ نیز فرماتے ہیں:

ابن الکلبی، ابو عبید اور طبری نے ذکر کیا ہے:

انه احد من عمل الویة خزاعة یوم الفتح

(صفحہ نمبر ۲۹۰ جلد ۲)

یعنی وہ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے دن خزاعہ کے پرچم تیار کیے۔

اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ ص۵۲۷ ج ۲ پر ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

قد طعن السهیلی فی صحبة هذا الراجز وقال قوله، ثم اسلمنا اراد اسلموا من اسلم لامن الاسلام لانهم لم یکونوا اسلموا بعد و رد بقوله وقتلونا رکعا و سجدا و وقع

في رواية ابن اسحٰق ۔ هم قتلونا بالصعيد هجدًا نتلوا القرآن ركعًا وسجدًا ۔ وتاوله بعضهم بان مراده بقوله ركعا و سجدًا انهم حلفاء الذين يركعون ويسجدون ولا يخفى بعده ۔

یعنی سہیلی نے اس رجز خوان اور فریادی اور مستغیث کے صحابی ہونے پر طعن و تشنیع کی ہے اور کہا کہ اس کے قول اسلمنا سے مُراد اسلام لانا نہیں بلکہ مصالحت و مسالمت والا معنیٰ مُراد ہے کیونکہ وُہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے مگر یہ قول مردُود ہے۔ عمرو بن سالم کے اس قول سے کہ انہوں نے ہمیں قتل کیا حالتِ رکوع اور سجود میں اور ابنِ اسحٰق کی روایت میں ہے کہ انہوں نے ہمیں چٹیل میدان میں قتل کیا درآنحالیکہ ہم تہجد پڑھتے تھے۔ قرآن تلاوت کر رہے تھے اور رکوع و سجود کر رہے تھے اور بعض نے اس قول کی یہ تاویل کی ہے کہ رکعًا و سجدًا سے مُراد یہ ہے کہ ہم ان کے حلیف ہیں جو رکوع و سجود کرتے ہیں اور اس تاویل کا بعید از صواب ہونا کسی پر مخفی نہیں ہے۔

(وکذا فی الزرقانی شرح المواہب صفحہ ۲۹۲ ج ۲)

ثانیاً : جو رحیم و کریم اور بجپال اور مجسّمہ وفا غیر مُسلم حلیفوں کے استغاثہ اور فریاد و زاری پر ان کی امداد و اعانت فرما دیں اور ان کے پہنچنے سے پہلے اور حاضرِ خدمت ہو کر عرض کرنے سے تین دن قبل صرف اپنے گھروں میں خیال کرنے پر یا صلاح و مشورہ کرنے پر لبّیک لبّیک

کہہ رہے ہوں اور امداد و نصرت کا سامان کر رہے ہوں تو وہ مخلص غلاموں کو کیونکر نظر انداز فرمادیں گے اور ان کی دستگیری کیوں نہیں فرمادیں گے ؎

فریاد حالِ زار کی جو اُمّتی کرے
ممکن نہیں کہ خیر البشر[1] کو خبر نہ ہو

ثالثاً : فریادی کون ہے کون نہیں ہے غرض اس سے نہیں بلکہ غرض اس سے ہے کہ فریادرس بھی کوئی ہے یا نہیں؟ اور وہ فریادیں سُنتے ہیں یا نہیں؟ تو اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فریادیوں کی فریاد سُنتے ہیں اور امداد و اعانت فرماتے ہیں۔

اب ان لوگوں کی بدبختی دیکھنی چاہیے کہ اُمّتی ہو کر اپنے نبی سے مدد مانگنے کو تیار نہیں جبکہ بقول معترض کے کافر مدد طلب کر بھی رہے ہیں اور بوجہ حلیف ہونے کے مدّعا حاصل بھی کر رہے ہیں تو کم از کم اُمّتیوں کو اپنے نبی کے مقام سے اتنا بے خبر نہیں ہونا چاہیے تھا کہ وہ کافروں سے بھی پیچھے رہ جائیں اور ان کے برابر بھی مقامِ نبوّت و رسالت کی معرفت اور پہچان نہ رکھیں اور نہ اس کریم و رحیم نبی کے رحم و کرم سے ناامید اور مایوس ہونا چاہیے تھا جن کی امداد و اعانت سے کافر بھی محض حلیف ہونے کی بنا پر ناامید و مایوس نہیں تھے بلکہ اُمّتیوں کو یقین ہونا چاہیے تھا کہ جو رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلیف ہونے کا اس قدر پاس کرتے ہیں وہ توحید و رسالت کے اقرار اور قرآن و سُنّت پر عمل کے عہد و پیمان والوں کو اور غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے

[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

والوں کو کیونکر محروم التفات فرماویں گے کیونکہ مومنین کے لیے تو وہ خصوصی رحمت و رافت فرمانے والے ہیں۔ کما قال تعالیٰ :

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸)

حدیث ۳ : امام نووی رحمہ اللہ نے کتاب الاذکار میں ابن السنی کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں اور امام جزری نے حصن حصین میں ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا تو کسی نے کہا کہ :

اذکر احب الناس الیك فقال یا محمد ﷺ اہ

اپنے ہاں محبوب ترین شخص کو یاد کیجیے تو انہوں نے کہا یا محمّداہ تو ان کا پاؤں فوراً ٹھیک ہو گیا۔

کانما نشط من عقال ۔ (کتاب الاذکار صفحہ ۲۷۱)

امام نووی رحمہ اللہ نے اس روایت کو اس عنوان کے تحت نقل فرمایا:

باب مایقول اذا خدرت رجله

باب اس امر کے بیان میں کہ جب آدمی کا پاؤں سن ہو جائے تو کیا کہے اور ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک اگر یہ حدیث ثابت ہی نہ ہوتی تو اس سے یہ حکم کیونکر ثابت کرتے نیز انہوں نے اپنی کتاب کے آغاز میں اس امر کی تصریح بھی فرمائی ہے۔

اما الاجزاء والمسانید فلست انقل منها شیئا الا فی نادر من المواضع ولا اذکر من

شیئ یعتد والسلام۔

الاصول المشهورہ من الضعیف الا النادر مع بیان ضعفہ وانما اذکر فیہ الصحیح غالبا فلھذا ارجو ان یکون ھٰذا الکتٰب اصلا معتمد ۔ (ص۵)

لیکن اجزاء اور مسانید سے کوئی شے بھی میں اس کتاب میں نقل نہیں کروں گا مگر بہت کم اور نادر مواقع میں اور اصول مشہورہ سے بھی ضعیف حدیث کو نقل نہیں کروں گا مگر ندرت کے طور پر اور اس میں بھی ضعف کو بیان کر کے ذکر کروں گا۔ بلکہ میں اس میں صرف صحیح روایات ہی ذکر کروں گا اکثر طور پر لہٰذا میں امید رکھتا ہوں کہ یہ کتاب معتمد علیہ اصل قرار پائے گی۔

اور یہ حقیقت کسی بھی صاحبِ علم پر مخفی نہیں ہے کہ امام موصوف نے اس روایت میں بیانِ ضعف سے اجتناب کیا ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف نہیں ہے بلکہ قابلِ استنعاد و استدلال ہے خواہ از روئے اصطلاح صحیح ہو یا حسن۔

نیز شفاء شریف میں بھی اس روایت کو قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے ذکر فرمایا اور علامہ شہاب خفاجی نے اور علامہ علی قاری رحمہا اللہ نے اپنی اپنی شرحوں میں اس پر کوئی جرح و قدح نہیں کی بلکہ علامہ خفاجی نے فرمایا:

ھٰذا یقتضی صحۃ ما جربوہ ووقع مثلہ لابن عباس رضی اللہ عنہما وذکرہ النووی فی

اذکارہ و روی ایضا عن غیرہ (الی) وھٰذا مما تعاھدہ اھل المدینہ ۔ (ص ۳۵۵ ج ۴)

یہ روایت اس تجربہ کی صحت کی مقتضی ہے (کہ محبوب ترین ہستی کے ذکر سے سُن عضو درست ہو جاتا ہے) اور اسی طرح کا واقعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی پیش آیا اور نووی رحمہ اللہ نے اس کو کتاب الاذکار میں ذکر کیا ہے اور اہلِ مدینہ کا یہی معمول اور عادتِ تقدیر ہے۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فصاح ای فنادی باعلیٰ صوتہ یا محمداہ[1] وکانہ رضی اللہ عنہ قصد بہ اظہار المحبۃ فی ضمن الاستغاثۃ ۔ (ص ۳۵۵ ج ۴)

تو حضرت عبداللہ بن عمر چلاتے یعنی بلند آواز کے ساتھ نداء کرتے ہوئے کہا، یا محمداہ (علیک الصلوٰۃ والسلام) اور گویا کہ انہوں نے اس نداء سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت و مودت کا اظہار استغاثہ اور فریاد کے ضمن میں کیا۔

گلدستۂ توحید

جواب اوّل

یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں اور پھر ہے بھی ضعیف۔ اس

[1] ملتقطاً ...

کی کوئی سند جرح سے خالی نہیں۔ چنانچہ اس کی ایک سند میں اَبُو شعبہ نامی راوی ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں، متروک ہے۔

دُوسری سند میں مُحمّد بن مصعب ہے امام نسائی کہتے تھے ضعیف ہے امام اَبُو حاتم کہتے تھے، اس کی حدیث ضعیف ہے۔ علّامہ خطیب کہتے ہیں، کثرت سے غلطیاں کرتا تھا۔ عبداللہ بن سیار فرماتے ہیں ضعیف تھا۔ اَبُو احمد الحاکم فرماتے ہیں کہ محدّثین کے نزدیک ضعیف تھا۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں، اس سے احتجاج صحیح نہیں۔

تیسری سند میں زہیر بن معاویہ عن ابی اسحٰق ہے۔ زہیر اگرچہ ثقہ تھے لیکن محدّثین نے تصریح کی ہے کہ ان کی وُہ حدیث جو اَبُو اسحٰق کے طریق سے ہو گی وُہ ضعیف ہے۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ہوتی تب بھی یہ خبرِ واحد ہے حالانکہ سند میں بعض راویوں کا حال بھی آپ نے دیکھ لیا لہٰذا باب عقائد میں ان کی روایت کیسے حجت ہو سکتی ہے! (ص۱۴۱)

گلشنِ توحید و رسالت

علّامہ سرفراز صاحب نے اس دلیل سے گلو خلاصی کے لیے جواب اوّل میں تین سہارے لیے اوّل یہ موقوف ہے، دوم ضعیف ہے، سوم خبرِ واحد ہے اور باب عقائد میں اس کا اعتبار نہیں ہے۔ امر سوم یعنی آخری سہارے اور تیسری بنیاد کی لغویت قبل ازیں اکابرین کی تصریحات سے واضح ہو چکی کہ عقائد دو طرح کے ہوتے ہیں قطعی و یقینی بھی اور ظنی جزمی بھی اور

بیت قسم اوّل کے لیے قطعی ادلہ درکار ہوتے ہیں جبکہ قسم ثانی عام
لوس البعض نص مؤوّل اور اخبار آحاد سے بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔
بایہ سراسر لغو عذر اور بے بُنیاد بہانہ ہے۔ اور دُنیائے علم وتحقیق میں
اہ کے برابر بھی اس کی اہمیّت نہیں ہے۔

امر دوم کے متعلق معروضِ خدمت ہے کہ اس میں بھی علاّمہ صاحب
مغالطہ دہی اور فریب کاری سے کام لیا ہے کیونکہ ضعفِ سند سے
بالاطلاق متنِ حدیث کا ضعف لازم نہیں آتا بلکہ اس کا درجہ حسن بلکہ
زاید صحیح میں ہونا بھی درست ہو سکتا ہے کیونکہ تمام سندوں کے احاطہ کا
دعویٰ تو متعذر ہے تو عین ممکن کہ ان سندوں کے علاوہ صحیح سند کے
ساتھ مروی ہو یا کتاب اللہ سے یا سُنّتِ صحیحہ سے یا اجماع سے اس
کے مضمون و مفہوم کی تائید و تصدیق ہو جائے تو بھی صحیح لغیرہٖ بن جائیگی
ضعیف حدیث جب متعدد طرق اور اسنادات کے ساتھ ثابت ہو
تو بھی حسن لغیرہٖ بن جاتی ہے لہٰذا علاّمہ صاحب نے جواب کی دُوسری
شق میں کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔

اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو:

۱۔ یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں ذکر فرمائی ہے،
اور اس کی سند یہ ہے:

حدثنا ابو نعیم قال حدثنا سفیان عن ابی اسحٰق عن عبد الرحمٰن
بن سعد قال خدرت رجل ابن عمر رضی اللہ عنہما

فقال لہ رجل اذکر احب الناس الیک فقال یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

(الادب المفرد مطبوعہ مصر ص۱۴۲)

لیکن اس سند میں علامہ صاحب کے مجروح راوی موجود نہیں ہیں لہٰذا ان سندوں کے ضعیف ہونے کے باوجود حدیث کے متن میں ضعف لازم نہیں آسکتا کیونکہ قابل وثوق اور معتمد علیہ راویوں سے بھی یہ معنی اور متن حدیث مروی و منقول ہے۔ اورخود علامہ صاحب نے بھی "الادب المفرد" کا حوالہ دیا ہے مگر اس کی سند پر جرح و قدح سے گریز کیا اور حدیث پر دیگر سندوں میں ضعف بیان کرکے ضعف کا حکم بھی لگا دیا، بد دیانتی کی بد ترین مثال ہے۔

۲۔ تعدد طرق سے ضعیف روایت بھی درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہے تین سندیں تو علامہ صاحب نے خود تسلیم کیں اور چوتھی سند الادب المفرد کی ہے جو ان اعتراضات سے بھی منزہ و مبرا ہے لہٰذا اب بھی ضعف کا حکم بے جواز اور سراسر تحکم اور سینہ زوری ٹھہرا۔

۳۔ (الف) قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط (سورۃ النور آیت ۶۳)

فرما کر واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنا ممنوع نہیں صرف اس ندار و پکار میں عامیانہ اور لاپرواہی والا انداز اپنانا ممنوع

لہٰذا قریب و بعید کے لیے یا رسول اللہ یا نبی اللہ کے القاب سے پکارنا درست ہے بلکہ حالتِ حیات اور بعد از وصال بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے۔

(ب)۔ تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کے صیغوں سے سلام عرض کرنے کا حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع و اتفاق بلکہ تمام اعصار و ازمان میں اور جملہ ممالکِ اسلامیہ میں اس پر عملِ دائمی اس اندازِ تسلیم اور اسلوبِ ذکر کے جواز و حقانیت کی بین برہان ہے لہٰذا جب کتاب و سنت اور اجماع سے اس کی تائید و تصدیق ہو گئی ہے تو متن کی صحت و قوت کے متعلق چوں چرا کی قطعاً گنجائش باقی نہیں رہ جاتی اور مدارِ استدلال متنِ حدیث ہوتا ہے نہ سند تو صرف طریقۂ ثبوت ہے۔

۔ امام بخاری علیہ الرحمہ اور امام ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق السنی اور امام نووی و دیگر علماءِ اعلام نے ان روایات کو نقل کیا اور پاؤں وغیرہ سن ہو جانے کی صورت میں کیا کہنا چاہیے اور کیا چارہ اور حیلہ اور کونسی تدبیر اور طریق کارگر اور مؤثر ہو سکتا ہے اس کو بیان کیا تو صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ ذکر اور تدبیر اس عارضہ سے خلاصی میں مؤثر ہے۔ اگر مضمونِ حدیث ان کے نزدیک صحت و قوت کے درجہ میں نہ ہوتا تو اس سے استدلال کیوں کر کرتے بلکہ ان پر اس سے اجتناب لازم تھا تاکہ غلط عقیدہ اور فاسد نظریہ میں لوگوں کو مبتلا کرنے کا باعث نہ بنتے۔

ان کے سر نہ آسکتا لیکن جب اس مضمون و مفہوم پر مشتمل روایت کو ذکر
کیا اور اس سے استدلال بھی کیا اور اس مفسدہ کو بالکل خاطر میں نہ لا
جس نے علماء دیوبند کو مضطرب اور بے چین کر رکھا ہے تو معلوم ہو گیا
وہ حضرات اس مضمون کی صحت و قوت پر مطمئن تھے اور قبل ازیں امام نو
کا قول گزر چکا جس سے ان کے ہاں اس روایت کی تصحیح و تقویت ہو
ہو جاتی ہے اور امام جزری نے حصن حصین کے مقدمہ میں بھی اس ا
کی تصریح کر دی ہے:

واخرجته من الاحاديث الصحيحة -

کہ میں نے اس کتاب کو صحیح احادیث سے ترتیب دیا ہے لہٰ
اپنے آپ کو ان اکابر سے زیادہ محقق بنانے اور ثابت کرنے کی کوش
لاحاصل ہے اور ناقابلِ التفات اور نہ ہمارے لیے کسی کا یہ دعویٰ قا
التفات ہے کہ میں اگلے محققین سے تحقیق میں سبقت لے گیا ہوں۔

نوٹ: امام نووی روز و شب کے اعمال اور اقوال اور اورا
وظائف پر مشتمل کتب پر امام نسائی کی کتاب کو فوقیت دیتے ہیں، ا
اس پر بھی ابن السنی کی کتاب عمل الیوم واللیلہ کو ترجیح دیتے ہو
فرماتے ہیں:

واحسن منه وانفس واكثر فوائد كتاب
عمل اليوم والليلة لصاحبه الامام ابي بكر
احمد بن محمد بن اسحٰق السني (الي) لكونه

اجمع الکتب فی ھٰذا الفن ۔

(کتاب الاذکار للنووی رحمہ اللہ ص ۱۴)

اور امام نسائی کی کتاب "عمل الیوم واللیلہ" سے بھی زیادہ حسین اور نفیس اور فوائد کے اعتبار سے بہت زائد کتاب عمل الیوم واللیلہ سے جو ان کے ساتھی اور مصاحب امام ابُو بکر احمد بن محمد اسحٰق السنی کی ہے (تا) کیونکہ وُہ اس فن میں تمام تر کتب سے زیادہ جامع ہے۔ اور خود امام نووی[۱] اور امام شمس الدین جزری جیسے اکابر اور قاضی عیاض جیسے اکابر کا اس سے استفادہ و استفاضہ اور اس پر اعتماد اور بھروسہ اس کی عمدگی اور قابلِ وثوق و اعتماد ہونے کی بین دلیل ہے۔

اور اگر اہلِ علم کا کسی ضعیف حدیث پر عمل اس کی تقویت کی دلیل بن جاتا ہے (جیسے کہ امام ترمذی علیہ الرحمہ کا بیانِ تقویت میں یہی معمول ہے) تو ایسے اکابر کا نہ صرف عمل کرنا بلکہ اہلِ اسلام سے اس پر عمل کرانا اور اس کی ذمہ داری اپنے سر لینا کیونکر تقویت کی دلیل نہیں ہوگا

امرِ اوّل: علامہ صاحب فرماتے ہیں یہ حدیث مرفوع نہیں ہے، موقوف ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں ہے لیکن علامہ صاحب نے یہاں بھی کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے متعلق کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ وُہ شرکیہ اور کفریہ الفاظ استعمال کریں اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغاثہ اور استمداد اور امداد و اعانت اور فریاد رسی کی التجا و درخواست کریں جو کہ شرک اور کفر ہو،

[۱] رحمہ اللہ تعالیٰ

لہٰذا جب صحابہ کرام کا یہ معمول ثابت ہو جاتے تو یہ ماننا ضروری ہو جائیگا کہ اس کو کفر و شرک قرار دینا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ روافض کا طریقہ تو ہو سکتا ہے سُنّی بلکہ اصلی سُنّی کہلانے والوں کا یہ طریقہ نہیں ہو سکتا اور صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس میں منفرد بھی نہیں بلکہ دیگر صحابہ کرام اور اکابرین سے بھی اس طرح کی ندار دیکار ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ عملِ صحابہ بیان کرنے کے لیے مرفوع حدیث پیش نہیں کی جا سکتی بلکہ ان پر موقوف حدیث ہی ذکر کی جائے گی اور اگر صحابہ کرام کے عمل پر کوئی شخص مرفوع حدیث کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کے لیے کسی ہسپتال کی خدمات حاصل کرنی ضروری ہیں اور عمل صحابہ کو قابلِ تقلید نہیں سمجھتا تو اس کا علاج بھی ضروری ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

(مشکوٰۃ باب الفضائل)

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں پس جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

نیز ان اکابر کے نزدیک اگر موقوف حدیث حجت نہ ہوتی تو مقامِ استدلال میں اس کو کیوں ذکر کرتے اور جب ایسے اکابرینِ ملت اس کو حجت اور دلیل تسلیم کر لیں تو آجکل کے مولویوں کو انکار کی جرأت کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر ایسے مولوی حضرات کا کہنا مان لیا جاتے تو نیا

دین تیار کرنا پڑے گا اور دینِ سابق کو خیرباد کہنی پڑے گی اور ایسے لوگ تو اجماعِ صحابہ کے بارے میں غیر مقلدین کی طرح انکارِ حجیّت کر دیں گے اور اس کو بھی سند اور حجت ماننے سے انکار کر دیں گے کیوں کہ وُہ بھی بہرحال صحابہ پر ہی موقوف ہوگا مرفوع حدیث تو نہیں بن سکے گا حالانکہ اس کی حجیّت کتاب و سنّت سے ثابت ہے جیسے کہ فرداً فرداً ہر صحابی کی اقتداء و اتباع کا جواز بھی احادیث سے ثابت ہے۔

گلدستۂ توحید

جواب دوم

یہ حدیث موقوف اور ضعیف ہونے کے علاوہ فریقِ مخالف کو چنداں مفید بھی نہیں کیونکہ اس میں اذکر کا لفظ ہے ادع کا نہیں ہے اور حرف نداء قریب اور بعید دونوں کے لیے مستعمل ہے (شرح مائۃ عامل وغیرہ) اور اشتیاقاً کسی کو حرف 'یا' سے ذکر کرنا جبکہ اس کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب اور متصرف فی الامور نہ سمجھے صحیح ہے اور اکثر حضرات صوفیاءِ کرام اور بزرگانِ دین سے اس معنیٰ میں یا رسول اللہ مروی ہے۔

گلشنِ توحید و رسالت

علاّمہ صاحب نے دُوسرا جواب بھی تین شقوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اوّل یہ کہ اس روایت میں اذکر کا لفظ ہے ادع کا نہیں ہے

دوم : یا کا لفظ قریب و بعید دونوں کے لیے مستعمل ہے
سوم : یہ ندار اشتیاق اور محبت کے اظہار کے لیے ہے اور اس میں اختلاف نہیں ہے۔

جواب دوم کی شق اوّل اس لیے لغو اور باطل ہے کہ ہمارا استدلال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے "یا محمداہ" کے ساتھ پکارنے پر موقوف ہے نہ کہ اس قائل کے اذکر کہنے پر۔ کیا اگر آپ کو کوئی شخص اذکر۔ ادع وغیرہ نہ کہتا تو پھر اس ندار کو ندار ہی نہ سمجھا جاتا اور اس کلام کو کلام ہی نہ سمجھا جاتا اور اس پر کوئی حکم جواز اور عدم جواز والا مترتب نہ ہوتا، ہمیں انتہائی افسوس اور دلی دکھ ہے کہ علامہ صاحب نے یہاں پر اپنی علمیت کا سارا بھرم گنوادیا ہے، اور طفلانہ حرکت کا مظاہرہ کیا ہے کیا کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس کہہ سکتا ہے کہ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِی میں اور
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ

میں ندار اور پکار نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا فرمایا ہے۔ ادعوا اور نادوا تو نہیں فرمایا۔ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

اور اگر علمار دیوبند میں سے محقق ترین علمار اعلام کا حال یہ ہے تو دوسروں کا کیا کہنا۔ ع

لہ صلی اللہ علیک یا حبیب اللہ۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

شقِ ثانی اس لیے لغو ہے کہ جب یا کا لفظ دونوں کے لیے مستعمل ہے منادیٰ قریب ہو یا بعید تو دونوں طرح نداء اور پکار کا جواز واضح ہو گیا، ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ دونوں طرح پر نداء و پکار درست نہیں قریب سے اس لیے کہ یا کا لفظ بعید کے لیے بھی آتا ہے اور بعید سے اس لیے کہ یا کا لفظ ندائے قریب کے لیے بھی آتا ہے اور

اِذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال

لہٰذا دونوں صورتیں نداء کی ناجائز ہوں گی اور یہ خود علامہ صاحب کے لیے بھی ناقابلِ تسلیم ہے تو پھر لازمی طور پر دونوں طرح کی نداء و پکار کو جائز تسلیم کرنا پڑے گا اور

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کی بحث میں قریب و بعید سے صیغۂ خطاب اور نداء و پکار کے انداز و اسلوب سے اس فرق کی لغویت واضح ہو چکی اور مکہ مکرمہ سے حضرت عمرو بن سالم رضی اللہ عنہ کی نداء و پکار اور استغاثہ سے بھی اور یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ کے دوران صحابہ کرام کی یا محمداہ ﷺ کی اجتماعی نداء و پکار سے بھی اس کی لغویت واضح ہو جائے گی جیسے کہ عنقریب ذکر کیا جائے گا اور طرسوس کے علاقہ سے مجاہدینِ اسلام کا یا محمداہ ﷺ کہہ کر استغاثہ کرنا بھی ذکر کیا جائے گا اور دیگر اکابرین کے دور دراز سے اس طرح استغاثہ کرنے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امداد و اعانت فرمانے سے بھی اس

تفرقہ کی لغویت واضح ہو جائے گی جیسے کہ امام بوصیری رحمہ اللہ تعالےٰ کا استغاثہ اور ان کا فائز المرام ہونا اور بارگاہِ نبوت سے سرفراز کیا جانا اس پر شاہدِ صادق ہے۔ نیز نص قرآنی میں بھی قریب و بعید کا کوئی فرق نہیں اور نورانی و روحانی شخصیات کے لیے قرب و بُعد کا فرق ہوتا ہی نہیں ہے جیسے کہ مفصلاً عرض کیا جا چکا ہے ۔

شق سوم کا بطلان اس سے واضح ہے کہ اشتیاق اور محبت سے پکارنے میں اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بذاتِ خود سُن لینے اور اپنے شایانِ شان امداد و اعانت فرمانے میں کوئی منافات نہیں ہے آپ کا اعلان ہے :

اریٰ مالا ترون واسمع مالا تسمعون (الحدیث)

مَیں وُہ دیکھتا ہُوں جو تم نہیں دیکھتے اور وُہ کچھ سُنتا ہُوں جو تم نہیں سُنتے ــــ آسمان سے چرچراہٹ کی آواز آتی ہے اور حق بھی ہے کہ اس سے ایسی آواز آئے کیونکہ اس میں ہر چپّہ بھر جگہ پر فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہیں۔

یہ روایت ترمذی شریف ، ابن ماجہ اور اَبُو نعیم کے حوالہ سے امام سیوطیؒ[1] نے خصائصِ کبریٰ صہ ٦٥ ج اوّل پر حضرت اَبُوذر رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی اور اس مضمون کی دوسری روایت حضرت حکیم ابن حزام سے اَبُو نعیم کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے اور اکابرینِ ملت نے اس دُور دراز سے دیکھنے اور سُننے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا جیسے کہ شفاء شریف اور اسکی شرح

[1] ؒ رحمہ اللہ ۔

نسیم الریاض وغیرہ میں ہے :

والحاصل ان بواطنھم وقواھم الروحانیۃ ملکیۃ ولذا تری مشارق الارض ومغاربھا وتسمع اطیط السماء وتشم رائحۃ جبرئیل علیہ السلام اذا اراد النزول الیھم کما شم یعقوب علیہ السلام رائحۃ یوسف علیہ السلام ۔ (ص ۵۲۵ ج ۳)

اور حاصلِ کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے باطن اور رُوحانی قوتیں ملکی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ زمین کے مشرقی اور مغربی کناروں تک کو دیکھتے ہیں اور آسمان کی چرچراہٹ کو سُنتے ہیں اور جبرئیل علیہ السلام جب ان پر اُترنے کا ارادہ کریں تو اس کی خوشبو کو محسوس کر لیتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یُوسف علیہ السلام کی خوشبو کو سُونگھ لیا۔

علماءِ اُمّت کی سوچ اور علماءِ دیوبند کی سوچ کا فرق

عجیبہ : مقامِ حیرت ہے کہ علماءِ اعلام انبیاء علیہم السلام کو بالعموم اور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بالخصوص ملائکہ پر قیاس کرتے ہیں اور علماءِ دیوبند آپ کو ہواؤں، پہاڑوں اور احباء کی منازل اور ٹھکانوں پر قیاس کرتے ہیں۔ علماءِ سابقین ان کو کمالاتِ ملکیہ سے متصف مانتے ہیں بلکہ کمالاتِ الٰہیہ کا مظہر جانتے ہیں اور ان کے لیے دُور دراز

سے دیکھنے سننے کی قوتیں تسلیم کرتے ہیں اور علماءِ دیوبند ان کو پہاڑوں اور مکانوں وغیرہ کی طرح بے علم اور بے خبر جانتے ہیں۔ علماءِ اعلام اور اکابرینِ ملّت اُمتیوں کو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے قُرب اور شعور اور علم و آگہی پر نظر رکھنے اور غافل و ذاہل نہ ہونے کی تلقین کرتے ہیں جبکہ علماءِ دیوبند اس نظریہ و عقیدہ پر شرک کے فتوے صادر کرتے ہیں۔

ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

قبل ازیں علامہ حُسین احمد مدنی کی زبانی پانچ صُورتوں میں ندائے یارسُول اللہ کا جواز ذکر کیا جا چکا ہے جن میں پانچویں وجہ یہ تھی کہ پکارنے والے کے لیے بعد مسافت اور کثافتِ جسمانی باقی نہ رہے اور وُہ جہاں کہیں بھی ہو براہِ راست اپنے معروضات بارگاہِ رسالت میں پیش کرسکتا ہو تو اس کے لیے بھی یارسُول اللہ پکارنا جائز ہے۔

اے کاش علماءِ دیوبند سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں اتنی صلاحیت اور استعداد ہی تسلیم کر لیتے جتنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اُمتیوں میں تسلیم کرسکتے ہیں! ہمیں معلوم نہیں ہوسکا کہ آخر افضل الخلائق علی الاطلاق اور خلیفۃ اللہ الاعظم فی السبع الطباق کے ساتھ اس قدر عداوت اور دُشمنی کیوں ہے اور ان کے حق میں ایسے کمالات تسلیم کرنا ان کے لیے ناگوار کیوں ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اُمتیوں میں تسلیم کرتے ہیں، علاوہ ازیں ابلیس جیسے لعنتی میں بھی تسلیم کرلیتے ہیں۔

ہے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔

اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

حدیث ۴ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا پاؤں سوگیا تو انہوں نے کہا "یا محمد ﷺ[1] اہ" کتاب الاذکار وغیرہ۔

گلدستہ توحید

اس کی سند میں غیاث بن ابراہیم ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں، متروک ہے۔ امام یحییٰ کہتے ہیں ثقہ نہ تھا وغیرہ وغیرہ۔

گلشن توحید و رسالت

صحت متن کا معاملہ الگ ہوتا ہے اور صحت سند کا الگ۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ موضوعات کبیر میں علامہ ابن حجر مکی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں :

المحققون علی ان الصحة والضعف والحسن انما هی من حیث الظاهر فقط مع احتمال کون الصحیح موضوعا و عکسه کذا

افاده الشیخ ابن حجر مکی ۔ (ص ۶۸)

محققین اس نظریہ وعقیدہ پر ہیں کہ صحت اور حسن وضعف کا حکم فقط ظاہر کے لحاظ سے ہے ورنہ حقیقت میں عین ممکن ہے کہ صحیح موضوع

[1] صلی اللہ علیک یا حبیب اللہ ۔

ہو اور موضوع صحیح ہو اور امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

فقد تصح الروایات لمتن ویکون الناقلون لبعض اسانیدہ متهمین ۔ (صـ۶ ج ۱)

یعنی امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایات میں صحیح اور سقیم کا ذکر کرنے کے بعد ناقلین کے ثقہ اور متہم ہونے کا جو ذکر کیا ہے تو اس میں حکمت یہ ہے کہ کبھی روایات متن کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں اور ان کے بعض اسناد ات کے ناقل متہم ہوتے ہیں اور امام سیوطی رحمہ اللہ اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة میں فرمایا کہ بعض اوقات محدثین کرام ایک حدیث کی ایک سند کو سامنے رکھ کر اس پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں حالانکہ وہی حدیث دوسری سند کے اعتبار سے صحیح اور معروف ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

• واعلم انه جرت عادة الحفاظ کالحاکم و ابن حبان والعقیلی وغیرهم انهم یحکمون علی حدیث بالبطلان من حیثیة سند مخصوص لکون راویه اختلق ذلك السند لذلك المتن ویکون ذلك المتن معروفا من وجه اٰخر (الیٰ) وکثیرا ما تجدهم یقولون هذا الحدیث بهذا الاسناد باطل ای وهو بغیره لیس بباطل ۔

(صفحہ نمبر ۶۱ جلد ۱)

اور جان لے کہ حاکم ، ابن حبان اور عقیل اور دیگر حفاظ کی عادت اور طریقِ کار یہ کہ وُہ ایک حدیث پر مخصوص سند کے لحاظ سے باطل ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں کیونکہ اس کے راوی نے اس متن کے لیے اس سند کو گھڑ لیا ہوتا ہے اور وُہ متن دُوسری وجہ سے معروف ہوتا ہے (تا) ، اور بسا اوقات دیکھو گے کہ وُہ ایک حدیث کے بارے میں کہیں گے یہ حدیث اس اسناد کے ساتھ باطل ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ حدیث دُوسری سند کے لحاظ سے باطل نہیں ہے۔

الغرض کسی ایک راوی اور کسی ایک سند پر ضعیف اور متروک وغیرہ کے حکم سے جملہ اسنادات اور متنِ حدیث کا ضعیف اور متروک ہونا لازم نہیں آتا اور امام بُخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ سند سے بھی اور تعدد طرق سے بھی اس حدیث کے مضمون اور متن کی قوّت اور حجیّت واضح ہو جاتی ہے لہٰذا یہ بحث علّامہ صاحب کے لیے چنداں مفید نہیں ہے۔

نیز ذکر کیا جا چکا ہے کہ اہلِ مدینہ کا معمول بھی یہی تھا لہٰذا یہ تعامل جو کہ اجماع کے حکم میں ہے اس کے متن اور مضمون کی تائید و تقویّت کر رہا ہے اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے مسیلمہ کے خلاف بھیجے ہوئے لشکر اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے زیرِ کمان صحابہ کرام پر مشتمل لشکرِ اسلام کا یا محمّداہ[1] پکارنا بھی اس مضمون کا موید ہے جیسے کہ ابھی ذکر کیا جا رہا ہے لہٰذا متن اور مضمونِ حدیث پر اعتراض غلط ہے۔

[1] صلّی اللہ علیکَ یا حبیب اللہ۔

حدیث ۵ :

ثم نادی بشعار المسلمین و کان شعارهم یومئذ یا محمداہ ﷺ۔

(البدایۃ والنہایۃ عماد الدین بن کثیر صفحہ ۳۲۶ ج ۶)

پھر حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے اہلِ اسلام کے شعار کیساتھ ندا، فرمائی اور ان کا شعار اور علامتِ تشخص اس دن یا محمداہ ﷺ تھا اور یہ ندا، اس وقت فرمائی جب وقتی طور پر اہلِ اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسیلمہ کے لشکری حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خیمہ تک آ پہنچے لیکن اس کے بعد اہلِ اسلام کو ان پر فوقیت اور برتری حاصل ہونے لگی اور بالآخر فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے اور مسیلمہ قتل ہو کر داخلِ جہنم ہوا اور اس کا لشکر بھی تباہ و برباد ہو گیا۔

اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے علامہ ابن الجوزی کی عیون الحکایات سے اُبو علی منزیہ طرسوسی تک واؤ ن ابن جوزی کی سند سے نقل کیا کہ تین شامی مجاہد بھائی جو کہ بڑے بہادر اور شہسوار تھے ان کو رومیوں نے قید کر لیا اور شاہِ رُوم نے کہا کہ میں تمہیں اپنے ملک سے حصہ بھی دیتا ہوں اور اپنی بیٹیوں کا رشتہ بھی دیتا ہوں تم دینِ اسلام چھوڑ دو اور نصرانی بن جاؤ تو انہوں نے انکار کر دیا اور پکارنے لگے یا محمداہ ﷺ تو بادشاہ نے تین دیگیں تیل سے بھروا کر ان کے نیچے آگ جلا کر تیل کو اُبلنے کا حکم دیا انہیں دینِ اسلام سے برگشتہ ہونے اور نصرانیت قبول کر لینے کا حکم دیا اور تین دن تک ان سے یہی مطالبہ کرتا رہا جب وہ

ﷺ صلی اللہ علیک یا حبیب اللہ۔

انکار پر مُصر رہے تو پہلے بڑے بھائی کو ایک دیگ میں پھینک دیا۔ پھر دُوسرے کو بعد ازاں
تیسرے کو پھینکنے کے لیے قریب لائے تو ادکانِ سلطنت میں سے ایک نے
کہا یہ مجھے بخش دو میں اس کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں
کیونکہ میری بچی جیسی کوئی عورت حسین نہیں وُہ اس کو اپنے دین سے
منحرف کرلے گی لیکن چالیس شب و روز کی کوشش کے باوجود اس جوان
کو تو نصرانی نہ بنا سکے البتہ وُہ لڑکی مسلمان ہو گئی اور دونوں سواریوں پر
سوار ہو کر بھاگ نکلے دن کو چھپے رہتے اور راتوں کو سفر کرتے اچانک
انہیں محسوس ہوا کہ ہمارے پیچھے سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے آرہے ہیں
اور ہمارے لیے ان سے فرار ممکن نہیں مگر قریب آنے پر معلوم ہوا کہ یہ تو
وُہ تیل میں جلائے جانے والے شہید ہیں جو ان گھوڑوں پر سوار ہیں
اور ان کے ہمراہ ملائکہ بھی ہیں تو دریافت کیا تم تو شہید ہو چکے تھے تو یہ
حالت کیسی ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں تو انھوں نے کہا :

ماکانت الا الغطسة التی رءیت حتّٰی خرجنا
فی الفردوس وان اللّٰہ ارسلنا الیك لنشهد تزویجك
بھٰذہ الفتاة فزوجوها ایاها ورجعوا -

(شرح الصدور ص ۸۹ - ۹۰)

بس وُہ ایک غوطہ ہی تو تھا جو تُو نے دیکھا یہاں تک کہ ہم فردوسِ اعلیٰ
میں جا نکلے اور اللّٰہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ ہم اس
دوشیزہ کے ساتھ تیرے عقدِ تزویج میں حاضر ہوں۔

چنانچہ انہوں نے ان دونوں کا نکاح کیا اور واپس چلے گئے اور یہ دونوں
ملک شام پہنچ گئے اور دونوں کا یہ قصہ شام میں معروف و مشہور ہوگیا
اور شعراء نے اس کے متعلق اشعار کہے جن میں سے ایک یہ ہے۔

سیعطی الصادقین بفضل صدق
نجاۃ فی الحیات وفی الممات

اللہ تعالیٰ عنقریب سچوں کو اپنی سچائی کی فضیلت کے طفیل دنیوی
زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی نجات عطا فرمائے گا۔

الحاصل ثابت ہوگیا کہ مجاہدینِ اسلام صحابہ کرام علیہم الرضوان اور
ان کے متبعین بالاحسان کا یہی معمول اور طریقہ تھا اور اس پر ثابت قدم
لوگ مشرک اور کافر نہیں تھے بلکہ کفر و شرک مٹانے والے مجاہدین و غازی
اور شہداء کرام تھے اور عنداللہ مقبول و محبوب اور بعداز وفات و
شہادت مدبر و متصرف بھی تھے۔ لہٰذا یہ ندا برحق ہے اور سراسر صواب
فللہ الحمد۔

حدیث ۶-۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی
ہے کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی جنگل میں سفر کر رہا ہو اور تمہاری سواری کا
جانور ہاتھ سے نکل جائے تو اس کو یہ کہنا چاہیے، اے اللہ کے بندو
میری مدد کرو۔

یاعباد اللہ اعینونی۔

اور ایک روایت میں ہے :

یا عباد اللہ احبسوا فان للہ فی الارض حاضرًا و

فی روایۃ (عبادًا) سیحبسونہ۔

اے اللہ کے بندو روکو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے زمین میں حاضر رہنے والے بندے ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے :

کہ اللہ تعالیٰ کے لیے زمین میں بندے ہیں جو اس کو روک لیتے ہیں۔

(مجمع الزوائد ص۱۳۲ ج ۱۰ ۔ ابن السنی ص۱۶۲ ۔ حصن حصین ص۱۶۳ ، کتاب الاذکار ص۲۰۱)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

مجھے ہمارے شیوخ کبار میں سے بعض نے بتلایا کہ ان کی سواری جو کہ غالبًا خچر تھی بھاگ نکلی اور وہ یہ حدیث جانتے تھے تو انہوں نے اس طرح کہا یعنی :

یا عباد اللہ احبسوا ، یا عباد اللہ احبسوا ۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس کو فورًا ان پر روک دیا۔ فحبسھا اللہ فی الحال اور فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں خود ایک جماعت کے ساتھ تھا تو ان کا ایک جانور بھاگ نکلا۔ اور وہ اس کو پکڑنے سے عاجز آگئے تو میں نے یہ کلمات کہے :

فوقفت فی الحال بغیر سبب سوی ھذا الکلام

تو وہ جانور فوری طور پر کھڑا ہو گیا صرف اس کلام کے ساتھ کسی دوسرے
سبب کے بغیر۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے
جنگلات میں رہتے ہیں جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو یہ کہا کرو:

اعینونی عباد اللہ ۔

اے اللہ کے بندو میری مدد کرو

(مجمع الزوائد صـ ۱۳۲ جلد ۱۰ ۔ وقال رجالہ ثقات)

دوسری روایت کے متعلق تو علامہ ہیثمی نے خود تصریح کر دی کہ اس
کے راوی ثقہ ہیں اور پہلی روایت دو سندوں کے ساتھ مروی ہے
دوسری سند حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتی ہے
اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں، اور
علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:

رجالہ وثقوا علیٰ ضعف فی بعضهم ۔

تو اس کی سند کی بھی فی الجملہ توثیق ثابت ہو گئی ورنہ ضعیف ہونے
کی صورت میں توثیقِ رجال کا کیا مطلب؟ اور علیٰ ضعف کہنے کا
کیا مطلب؟

الغرض اس حدیث شریف سے جو مضمون کے اعتبار سے تین
صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس کے مضمون کی توثیق بھی

ثابت ہو چکی اور علماء اعلام اور مشائخِ کبار نے اس کو مجرب بھی قرار دیا تو اس سے عباد اللہ کی ندا، وپکار کا جواز اور ان کے شایانِ شان استمداد واستعانت کا جواز واضح ہو گیا۔

نیز علامہ علی قاری "الحرز الثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں:

ھٰذا حدیث حسن یحتاج الیہ المسافرون و انہ مجرّب۔

یہ حدیث حسن ہے اور اس کی طرف مسافروں کو محتاجی ہے اور یہ مجرب ہے۔

اور عباد اللہ کے متعلق فرمایا کہ:

المراد بھم الملٰئکۃ او المسلمون من الجن اور رجال الغیب المسمون بالابدال۔ (حرز ثمین)

یعنی ان عباد سے مُراد فرشتے ہیں یا مُسلمان جن یا رجالِ غیب جن کو ابدال کہا جاتا ہے۔

گلدستۂ توحید

یہ روایت ایک سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی سند میں معروف بن حسان ہے۔ علامہ ہیثمی لکھتے ہیں کہ ضعیف ہے۔ ابنِ عدی کہتے ہیں منکر الحدیث ہے اور ابُو حاتم کہتے ہیں مجہول ہے۔ دُوسری سند حضرت عتبہ بن غزوان تک پہنچتی ہے

جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں لیکن اس سند میں حسبِ تصریح علامہ ہیثمی علی ضعف فی بعضہم بعض راوی ضعیف اور کمزور ہیں۔ اور دُوسری خرابی یہ ہے کہ یزید بن علی راوی کی حضرت عتبہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے اور نہ اس نے ان کو دیکھا اور نہ ان کا زمانہ پایا لہٰذا یہ روایت حضرات محدثین کی اصطلاح میں منقطع ہے جو ضعیف ہوتی ہے۔

جواب دوم: اگر ضعیف ہونے کے ساتھ اس حدیث کے الفاظ پر طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ لفظ بھی ہیں کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے حاضر ہوتے ہیں (تا) تو اس روایت سے مافوق الاسباب مدد طلب کرنا ثابت نہ ہُوا بلکہ وہاں جو فرشتے موجود ہوتے ہیں ان سے مدد طلب کی گئی ہے۔

گلشنِ توحید و رسالت

جب یہ روایت تین صحابیوں سے اور متعدد سندوں سے مروی ہے اور ان میں سے بعض اسنادات کے رجال ثقہ ہیں تو نفسِ مضمون کی توثیق کے بعد چوں وچرا کی گنجائش ختم ہو گئی اور کسی حدیث کی متن کے لحاظ سے صحت و قوت اس کی تمام تر اسناد ات اور تمام تر راویوں کی توثیق پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ تعدد طرق سے اس کا ضعف دُور ہو جاتا ہے جبکہ ہر سند ضعیف ہی کیوں نہ ہو چہ جائیکہ جب بعض صحیح اور قابلِ وثوق

ان اور اکابرین اس حدیث کے حسن ہونے کی تصریح بھی کریں۔

بد دیانتی کا مظاہرہ

علامہ سرفراز صاحب نے علامہ ہیثمی کی عبارت میں قطع و برید کر کے خیانت کا بدترین مظاہرہ کیا ہے انہوں نے کہا:

رجالہ وثقوا علیٰ ضعف فی بعضھم

مگر علامہ صاحب نے اپنے مطلب کے مخالف الفاظ پر قینچی چلا دی، رجالہ وثقوا کو کاٹ دیا اور علیٰ ضعف کا ترجمہ راوی ضعیف ہیں کر دیا۔ اگر یہ ترجمہ صحیح ہے تو توثیقِ رجال کا مطلب کیا ہوا۔ معلوم ہوا راویوں کا وہ ضعف اس روایت میں ضعف کا موجب نہیں تھا اور ان کو ناقابلِ اعتماد بناتا تھا اس لیے توثیق کر دی اور جب رجال کی توثیق ثابت ہو گئی تو انقطاع مضر نہیں رہے گا اور یہ روایت موقوفِ صحابی ہوتی تو بھی حجت ہوتی چہ جائیکہ اس کو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے۔

علامہ علی قاری فرماتے ہیں:

فمن المعلوم ان موقوف الصحابة حجة عندنا وکذا الحدیث المنقطع اذا صح سندہ۔ (موضوعات ۳۹)۔

یہ بات معلوم و یقینی ہے کہ صحابہ کی موقوف روایت اور حدیث ہمارے نزدیک حجت ہے اور ایسے ہی منقطع حدیث بھی جب کہ

اس کی سند صحیح ہو۔

نیز راویوں کے متعلق سب آئمہ جرح و تعدیل کا اتفاق تو تقریب
ناممکن سا امر ہے شاید چند ہی خوش نصیب ایسے راوی ہوں کہ ان کو
آئمہ موثوق اور قابلِ اعتماد قرار دیں ورنہ کوئی ایک کو دجال کہتا ہے
دوسرا اس کی توثیق کر دیتا ہے اور کسی کو ایک صاحب ضعیف لہ
اعتبار ٹھہراتے ہیں تو دوسرے اس کو قوی اور معتمد علیہ قرار دیتے ہیں لہٰذا
کسی بھی راوی کو ایک دو شخصیات کے قول سے مجروح قرار دے کر
کی روایت کو ناقابلِ استدلال قرار دے ڈالنا بھی کوئی اچھی سوچ کا
نہیں ہے اور آجکل کے محققین نے کچھ ایسے ہی نئے لطائف بنا ڈالے
ہیں ایک روایت اپنے مسلک کے خلاف ہوئی تو اس میں کیڑے نکال
کے لیے جن حضرات نے کسی راوی کی تضعیف کی اس کا قول نقل کر
اس روایت کو ناقابلِ اعتبار بنا ڈالا اور جب کوئی روایت اپنے
کے موافق ہوئی تو اسی راوی کے متعلق جن حضرات نے توثیق کی ہو
ہے وہاں ان کے اقوال نقل کر کے اس روایت اور حدیث کو صحیح
قوی السند اور حجت ثابت کر دیا جاتا ہے اور خود علامہ سرفراز
اسی کرتب کا مظاہرہ کئی جگہ کیا ہے کبھی غیر مقلدین کی پیش کرد
روایات میں اور کبھی اپنے حسینی المشرب پیر بھائیوں یعنی نیلوی اور
عنایتی گروپ کے پیش کردہ روایات میں جیسے کہ ان کی کتب کے مطا
سے ظاہر ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہا سے مروی قول

محمد گنگوہی نے اس کی تضعیف کے لیے کہا کہ اس کی تیسری سند میں زہیر عن ابی اسحاق ہے اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ زہیر کی ابو اسحاق سے جو روایت بھی ہو ضعیف ہوگی۔ (گلدستۂ توحید ص۱۴۱)

بھی اسی زہیر کی ابو اسحاق سے روایت کو ازالۃ الریب ص۱۷۲ پر ذہبی بعد حاکم کے حوالے سے صحیح قرار دے دیا۔

لہٰذا بہتر صورت یہی ہے کہ علماءِ اعلام اور محدثینِ عظام یا مجتہدین کرام اور سلف صالحین کے کسی روایت پر اعتماد اور اس سے استدلال اور استناد کے بعد یا معنوی طور پر کتاب و سنت سے تائید و تصدیق کے بعد یا تعدد طرق کے ثبوت کے بعد ایسی جرح و قدح سے گریز کیا جائے کم از کم کچھ حضرات اپنے اسلاف کی تحقیق سے مطمئن ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان روایات کے مطابق عقیدہ و عمل اپنا لیں تو انہیں معذور سمجھنا چاہیے اور اپنی نئی تحقیقات کے ماننے پر ان کو مجبور نہیں کرنا چاہیے اور نہ ان کو اپنے تکفیری فتووں کا نشانہ بنانا چاہیے۔

علامہ سرفراز کا جواب دوم

طائرانہ نظر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جنگلات اور ویرانوں میں خدائے تعالیٰ کے کچھ بندے حاضر ہوتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق وہ فرشتے ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیش ہو تو یہ کہا کرو "اللہ کے بندو [illegible] یا عباد اللہ [illegible] رضی اللہ عنہ۔

مدد کرو۔ تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ ملائکہ سے مدد طلب کرنا درست ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی کام پر مامور کیا ہُوا ہوتا ہے ـــــ اور قولِ باری تعالیٰ فالمدبرات امراً کے تحت متعدد اکابرین کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے کہ کاملین اولیاء کرام بھی اس ملاء اعلیٰ میں شامل ہو کر کارکنانِ قضا و قدر بن جاتے ہیں لہٰذا ملائکہ اور اُن میں استمداد و استعانت کے جواز اور عدمِ جواز کے لحاظ سے فرق کرنا قطعاً درست نہیں ہے جبکہ ملائکہ بھی غیر اللہ ہی ہوتے ہیں جیسے کہ اولیاء کرام اور انبیاء کرام علیہم السلام، اور اللہ تعالیٰ بھی حاضر و ناظر اور علیٰ کُلِ شئی قدیر لیکن پھر بھی ملائکہ مدبرین سے استمداد جائز ہے تو ان مقبولانِ بارگاہ سے بھی استمداد جائز اور درست ہو گی۔ وُہ کون سا دین و مذہب ہے جس میں رسل و انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان تو غیر اللہ ہیں مگر ملائکہ غیر اللہ نہیں ؟

رہا فوق الاسباب اور تحت الاسباب کا فرق تو اس کی لغویت قبل ازیں واضح کی جا چکی ہے جب ظاہری اسباب کے تحت وُہ لوگ اپنے جانور کو قابو کرنے میں ناکام رہیں تو ظاہری اسباب کے بغیر اس کا روک دیا جانا فوق الاسباب العادیہ امداد ہی ہے۔ نیز جنگل اور ویرانہ کے لیے پتہ نہیں علامہ صاحب نے کیا حد بندی کر رکھی ہے کہ اس کے ہر گوشہ اور ہر حصہ پر اس حادثہ سے دوچار ہونے والے ان رجالِ غیب کے قریب ہی ہوں گے اور بعد مسافت کا شائبہ بھی وہاں

نہیں ہوسکے گا ہر جگہ سے ندا و پکار قریب سے ہی ندا ، و پکار بھی جائے گی - یہ سراسر ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا اور قبل ازیں متعدد بار اور متعدد حوالہ جات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ نورانی اور روحانی شخصیات کے لیے دوری اور نزدیکی اور قرب و بعد کا امتیاز مٹ جاتا ہے - علامہ ابنِ حجر ہیتمی مکی فتاوٰی حدیثیہ میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیداری میں زیارت کے جواز اور درستی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

ثم رءیت ابن العربی صرح بما ذکرنا من انه
لا یمتنع رؤیة ذات النبی صلی اللہ علیه وسلم
بروحه وجسده لانه وسائر الانبیاء احیاء
ردت الیهم ارواحهم بعد ما قبضوا و اذن
لهم فی الخروج من قبورهم والتصرف فی
الملکوت العلوی والسفلی ولا مانع من ان
یراه کثیرون فی وقت واحد لانه کالشمس
واذا کان القطب یملأ الکون کما قال
التاج ابن عطاء اللہ فما بالك بالنبی صلی اللہ علیه وسلم

(فتاوٰی حدیثیہ ص ۲۵۶)

پھر میں نے ابن العربی کو دیکھا کہ انہوں نے بھی اس کی تصریح کی ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس

کا دیدار رُوح اور جسم سمیت ممتنع نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں ان کی رُوحیں قبض کرنے کے
بعد پھر ان کی طرف لوٹا دی گئی ہیں اور انہیں قبروں سے باہر آنے اور
عالمِ بالا اور عالمِ اسفل میں تصرّف کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور
اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ بہت سے لوگ آپ کا ایک ہی وقت
میں مشاہدہ کریں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سُورج کی مانند ہیں
اور جب قُطب پُورے جہان کو بھر سکتا ہے جیسے کہ تاج ابنِ عطاء اللہ
نے فرمایا ہے تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا مرتبہ و مقام ہوگا
یعنی یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام انتہائی ارفع و اعلیٰ ہوگا۔
الغرض تمام جہان کی مسافتیں محبوبانِ خُداوند تعالیٰ کے سامنے سمٹ
سکڑ جاتی ہیں اور کوئی دُوری اور مسافت ان کو دیکھنے، سُننے اور
دستِ تعاون دراز کرنے میں مانع نہیں ہو سکتی اور وُہ ملائکہ کے احکام
کے ہی حامل ہوتے ہیں اور انہیں جیسے نُورانی وجود اور نورانی قوائے
لطیفہ کے مالک ہوتے ہیں لہٰذا یہ فرق کرنا سراسر دھاندلی اور
سینہ زوری ہے نیز ظاہر ہے کہ جتنی ہمجنس کو اپنے ہمجنس سے محبت
ہو سکتی ہے اتنی دُوسروں کو نہیں ہو سکتی۔ تو جب اولیاء کرام کا ملاءِ اعلیٰ
میں شامل ہونا بھی ثابت ہے اور ان میں زیادہ ہمدردی اور خیر خواہی
بھی موجود ہے تو ان کی امداد و اعانت کے انکار کی کوئی وجہ نہیں
ہو سکتی۔

حدیث ۸ : حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کمانڈر حضرت ساریہؓ
نہاوند کے مقام پر مدینہ منورہ سے تقریباً پندرہ سو میل دور دشمنوں کے
گھیرے میں آرہے تھے تو آپ نے دورانِ خطبہ پکار کر کہا :

یا ساریۃ الجبل الجبل ۔

اور انہوں نے اس نداء و پکار کو سُن لیا اور پہاڑ کی اوٹ میں ہوگئے
اور دشمن کے گھیرے میں آنے سے بچ گئے اور فتح یاب ہوگئے ۔

امام سیوطی فرماتے ہیں :

اخرجه البیهقی فی دلائل النبوة وغیره والف
القطب الحلبی جزءً فی صحته، الدرر المنتشرة فی الاحادیث
المشتهرة علی حاشیة الفتاوی الحدیثیه (ص۲۲۴)

امام بیہقی نے اس کو دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے اور دیگر حضرات نے
بھی اور قطبِ حلبی نے اس کی صحت ثابت کرنے کے لیے ایک جز تالیف
کیا ہے ۔

اور خصائصِ کبریٰ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف
کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں غزوات وغیرہ میں ظاہر
ہونے والی آیات اور خوارق عادات کے تحت اس کو ابنِ سعد کے
حوالے سے حضرت نافع مولیٰ ابن عمر اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہم سے نقل
کیا ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ
کے احوال میں اس کو ذکر فرمایا اور بتلایا کہ اس واقعہ کو واقدی اور

ۓ رضی اللہ عنہ

سیف بن عمر نے نقل کیا:

واخرجها البيهقي في الدلائل واللالكائي في شرح السنة والزين عاقولي في فوائده وابن الاعرابي في كرامات الاولياء من طريق ابن وهب عن يحيٰ بن ايوب عن ابن عجلان عن نافع عن بن عمر (الى) وهو اسناد حسن وروى ابن مردويه من طريق ميمون بن مهران عن بن عمر -

(ص ۲-۳ ج ۲)

یعنی امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور لالکائی نے شرح السنہ میں اور زین عاقولی نے اپنے فوائد میں اور ابن الاعرابی نے کرامات الاولیاء میں ابنِ وہب، یحییٰ بن ایوب، ابن عجلان نافع کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور یہ اسناد حسن ہے نیز ابنِ مردویہ نے بھی اس کو میمون بن مہران کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔

الغرض حافظ ابنِ حجر اور قطب حلبی نے اس روایت کی تحسین اور تصحیح فرمائی ہے اور قطبِ حلبی نے تو اس کی تصحیح کے لیے رسالہ تالیف فرمایا اور دیگر اکابر نے بھی اس کو اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا اور اپنی کتب میں نقل کیا اس کے بعد اس میں شک وشبہ کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے اور اس کی تضعیف وغیرہ کی سعی لاحاصل اور بے فائدہ ہو کر

رہ جاتی ہے۔

علامہ ابن الجوزی الوفاء صفحہ ۳۵۲ پر فرماتے ہیں :

لقد فاضت اشعة معجزاته على اصحابه فكتب عمر الى نيل مصر ونادى سارية فاسمعه -

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آفتابِ معجزات کی شعاعیں آپ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر منعکس ہوئیں اور وہ بھی اربابِ کرامات بن گئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نیل مصر کو خط لکھ کر جاری کر دیا اور ساریہ کو ندا دی اور سنوا کر کفار کے نرغہ سے نکال کر فتح سے مشرف فرما دیا۔

نیز علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ کی تحقیق کے مطابق پانچ سو فرسخ (پندرہ سو میل) سے بھی زائد فاصلہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ اور لشکرِ اسلام کی امداد فرمائی اور جب اتنی طویل مسافت سے کسی کا امداد دینا صحیح ہے تو ان سے امداد لینا بھی درست اور صحیح ہے کیونکہ جو امداد و اعانت اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے وہ اور ہے اور جو مقبولانِ بارگاہ کے لائق ہے وہ اور ہے اور امداد کے طالب کا اپنے معاون و مددگار کا مشاہدہ کرنا ضروری نہیں بلکہ صرف مغیث اور فریاد رس کا مطلع ہونا ضروری ہے اور اولیاء کرام اور انبیاء کرام اور مقبولانِ بارگاہ کا انوارِ الٰہیہ کے ساتھ منور ہونے کے بعد قریب و بعید سے سن سکنا اور دیکھ سکنا قبل ازیں واضح کیا جا چکا ہے۔

گلدستۂ توحید

جواب اوّل

یہ روایت بیہقی، ابُونعیم اور خطیب نے اپنی کتابوں میں لکھی ہے۔

(سیرت المحمدیہ ص۱۷۵)

ابُونعیم اور خطیب کی کتابیں طبقہ رابعہ سے ہیں اور ہم طبقہ رابعہ کے بارے میں حضرات محدثین کا نظریہ پہلے بیان کر چکے ہیں اور امام بیہقی کی کتابیں طبقہ ثالثہ سے ہیں اور اس طبقہ کا حکم یہ ہے:

اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہا نہ شدہ اند بلکہ اجماع برخلاف آنہا منعقد گشتہ۔

لہٰذا قرآنِ کریم کی سابقہ آیات کے مقابلہ اور عقیدہ میں اس کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ یہ حدیث صحیح بھی ہو اور ظن غالب بھی یہی ہے کہ یہ سنداً صحیح ہے مگر بحث بابِ عقائد کی ہے۔

گلشنِ توحید و رسالت

۱۔ جب اس روایت کا از روئے سند صحیح ہونا تسلیم شدہ امر ہے تو طبقات کا شمار اور ان کے حکم کا بیان بے فائدہ اور طوالت کے سوا کچھ نہیں ہے وار و مدار روایت کے متن کے اعتبار سے صحت اور قوت پر ہوتا ہے یا اس کی سند کی صحت و قوت پر لہٰذا اگر طبقہ اولیٰ

کی روایت اس معیار پر پوری نہ اُترے تو قابلِ استدلال اور لائقِ استناد نہیں اور بعد والے طبقات کی روایت اس معیار پر پوری اُترے تو وُہ بھی حجت اور سند ہے لہٰذا یہ ابتدائی کلام لاحاصل اور بے فائدہ ہوئی۔

۲۔ نیز یہ کہنا کہ قرآنِ مجید کی سابقہ آیات کے مقابلہ میں اس کو پیش نہیں کیا جا سکتا یہ بھی لغو بات ہے کیونکہ ان آیاتِ کریمہ کو اپنے عموم واطلاق پر رکھو تو قریب و بعید اور زندہ و فوت شدہ اور تحت الاسباب اور فوق الاسباب کا فرق لغو ہو کر رہ جاتا ہے اور اگر اپنے عقل و قیاس اور اجتہاد سے ان کو مقید اور مخصوص ٹھہراؤ تو وُہ فرمانِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم :

من قال فی القرآن برایه فلیتبوا مقعده من النار۔

کے مطابق دوزخی ہونے کا موجب ہے۔ نیز اس صُورت میں وُہ آیات مؤول ہو گئیں اور مخصوص البعض ٹھہریں لہٰذا ان کی قطعیت ختم ہو گئی، اور آیات و احادیث اور روایات و آثار تو درکنار قیاس کے ساتھ بھی ان کی مزید تخصیص و تقیید جائز ہو گئی تو صحیح السند روایات و احادیث کے ساتھ بلکہ آیات کے ساتھ بطریقِ اولیٰ تخصیص و تقیید جائز ہو گی لہٰذا یہ دعویٰ بھی نرا دعویٰ ہے اور حقیقت و حقانیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۳۔ علاوہ ازیں عقائد کے باب میں ان کو حجت نہ ماننا بھی غلط ہے کیونکہ تصریحِ اکابر کے مطابق عقائد قطعی بھی ہیں اور ظنی بھی اور ظنی

عقائد کو ظنی دلائل سے ہی ثابت کیا جائے گا۔ اگر دلائل قطعی ہوں گے تو مدلول بھی قطعی ہوگا پھر اس کے ظنی ہونے کا تصور کیسے ہو سکتا ہے؟

۴۔ علاوہ ازیں اربابِ علم و دانش پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ کل افرادی اور کل مجموعی کے احکام جُدا جُدا بھی ہوتے ہیں۔ ایک ایک شخص کی خبر موجبِ ظن ہوتی ہے اور تواتر کی صورت میں مجموعی اشخاص کی خبر موجبِ یقین ہو جاتی ہے لہٰذا ان تمام آیات اور احادیث و آثار کو سامنے رکھ کر فیصلہ دینا چاہیے جو اہل السنت پیش کرتے ہیں نہ کہ ہر ایک کو الگ الگ رکھ کر لہٰذا علم و تحقیق کی دُنیا میں جوابی کارروائی کا یہ طریقہ بھی فریب کاری اور دھوکہ دہی کا بد ترین نمونہ ہے ورنہ متواتر معنوی کی حجیت بلکہ متواتر لفظی کی حجیت کا بھی انکار کر دینا چاہیے کیونکہ جب ہر واحد واحد کی خبر موجبِ یقین نہیں تو پھر کل مجموعی کی خبر بھی موجبِ یقین نہیں ہونی چاہیے حالانکہ یہ قول اور دعویٰ کسی بھی اہلِ علم اور دیانتدار کے نزدیک درست نہیں ہو سکتا۔

گلدستہ توحید

جواب دوم

اس سے فریقِ مخالف کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطورِ کرامت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے نہاوند کا معرکہ پیش کر دیا تھا اور انہوں نے آواز دی تو اللہ تعالیٰ نے وُہ آواز

وہاں پہنچا دی۔ آج بھی اگر کسی غائب کو کسی کی ناگفتہ بہ حالت کا کشف وغیرہ سے علم ہو جائے اور وہ آواز کرے تو اس کی آواز سن کر اگر کوئی اپنے بچاؤ کا از خود انتظام کرے تو صحیح ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عمر بھی زندہ تھے اور حضرت ساریہ بھی۔ اسلئے اس سے زندہ کا غائب مردہ سے استعانت کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

پھر حضرت ساریہ کو آواز سننے سے قبل یہ وہم بھی نہیں ہوا ہوگا کہ میں نے حضرت عمر سے استعانت کی ہے۔ اور یہ بھی نہ بھولیے اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ماکان اور مایکون کا علم ہوتا اور آپ کو اللہ تعالے کی طرف سے اختیارات دیئے گئے ہوتے تو ابولولو مجوسی سے اپنی جان اور دیگر حضرات صحابہ کرام کی جان بھی کیوں نہ بچا لیتے۔ (۱۴۷)

گلشنِ توحید و رسالت

۱۔ علامہ صاحب نے اس جواب میں اس واقعہ کو کرامت قرار دیا اور ان کے زعم میں کرامات اتفاقی امور ہوتے ہیں لہٰذا ان سے استدلال درست نہیں جبکہ اس کی لغویت قبل ازیں واضح کی جا چکی ہے اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ معجزات اور کرامات اختیاری بھی ہوتے ہیں بلکہ معجزہ وکرامت کا دار و مدار روح کی تطہیر اور تنویر پر ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ مقدس ہستیاں ملائکہ کی طرح مدبرات امور میں سے ہو جاتی ہیں

۲۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی زندہ

تھے اور حضرت ساریہ بھی زندہ تھے لہٰذا اس سے زندہ کا غائب مُردے سے استعانت کرنا قیاس مع الفارق ہے حالانکہ کسی آیت اور حدیث سے یہ فرق ثابت نہیں؟ کیا زندہ کو خدائی صفات میں شریک ماننا جائز ہے صرف فوت شدہ کو شریک ماننا جائز نہیں ہے اور زندہ کی عبادت جائز ہے صرف فوت شدہ کی جائز نہیں ہے

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

میں عبادت اور استعانت کا اختصاص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا گیا ہے اس میں زندہ و مُردہ اور قریب و بعید اور فوق الاسباب اور تحت الاسباب کا فرق کرنا اپنے قیاس سے نصِ قرآنی کے عموم و اطلاق کو مقید و مخصوص ٹھہرانے کے مترادف ہے جو سراسر لغو اور باطل ہے۔

نیز حقیقی معاون و مددگار اور فاعل و متصرف تو اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہری طور پر بطور سببیت مغیث و معین اور مدد و معاون رُوح و نفس ہوتا ہے اور رُوح دائم و باقی ہوتا ہے اس پر موت وارد ہی نہیں ہوتی موت صرف بدن پر طاری ہوتی ہے بلکہ قبل ازیں تصریحات گزر چکی ہیں کہ زندہ کی رُوح کے لیے بدن کچھ نہ کچھ حجاب اور رکاوٹ بنا رہتا ہے لیکن فوت ہونے کے بعد وُہ مکمل طور پر آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی تمام رکاوٹیں دُور ہو جاتی ہیں لہٰذا وُہ ملاءِ اعلیٰ میں شامل ہو کر مدبرات امر اور کارکنان قضاء و قدر میں سے ہو جاتا ہے لہٰذا یہ جواب سراسر دھوکہ دہی اور فریب کاری پر مبنی ہے اور رُوح اور رُوحانی

شخصیات کے مقام و مرتبہ سے غفلت پر مبنی ہے۔

۴۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ ساریہ کو آواز سننے سے قبل یہ وہم بھی نہیں ہوا ہوگا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استعانت کرنی ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ اس کے بعد بھی ان کو یہ وہم بلکہ اعتقاد پیدا نہ ہوا ہو۔ حقیقتِ حال اور واقعی مرتبہ و مقام معلوم نہ ہونے کا حکم جدا ہے اور مرتبہ و مقام اور حقیقتِ حال اور صورتِ واقعیہ کا علم ہونے کے بعد کا حکم جدا ہے۔

وہی نوجوان اور نوخیز جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے یاسارية الجبل الجبل سن کر ان پر زبانِ طعن و تشنیع دراز کرنے لگے تھے جب حقیقتِ حال پر مطلع ہوئے تو آپ کی عظمتِ خداداد کے گن گانے لگے اور کہنے لگے:

دعوا هذا الرجل فانه مصنوع له۔

(حاشیہ نبراس ص۴۸۱)

انہیں انکے حال پر چھوڑ دو یہ ایسے ہی کمالات اور امتیازات کے لیے تیار کیے گئے ہیں لہٰذا حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو پہلے یہ وہم پیدا نہ ہوا ہو تو مقامِ تعجب اور محلِ حیرت نہیں۔ تعجب اور حیرت تو ان مولویوں پر ہے جو ان حقائق کے جاننے اور ماننے کے بعد بھی انکار پر مُصر ہیں اور دوسروں پر شرک کے فتوے بھی لگائے جا رہے ہیں اور ان کاملین کو مجبور و معذور اور لاچار و بے بس بھی ثابت کیے جا رہے ہیں۔

۴۔ علامہ صاحب نے آخری حربہ کے طور پر ابولؤلؤ کے ہاتھوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کو آپ کے علم اور اختیارات کی نفی پر بطور دلیل پیش کیا اور اس روایت کے معارضہ میں پیش کر دیا۔ حالانکہ ان سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہو سکتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اللہ تعالیٰ سے شہادت کا بھی اور شہرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں وفات کا بار بار سوال کیا اور حج سے فارغ ہونے پر عرض کیا میرا ملک وسیع ہو گیا ہے اور بدن نحیف و ضعیف ہو گیا ہے لہٰذا مجھے اپنی بارگاہ میں بلا لے بغیر کسی کمزوری اور کوتاہی میں مبتلا کیے۔

چنانچہ آپ کی دُعا قبول ہوئی اور اسی سفر سے واپسی پر اسی مہینہ کے آخری ایّام میں آپ کو شدید زخمی کر دیا گیا اور آپ کو شہادت نصیب ہو گئی اور آپ کی دلی تمنّا اور قلبی آرزو پُوری ہو گئی۔

لہٰذا جس چیز کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود طلبگار تھے اس کو آپ کی لاعلمی اور مجبوری و معذوری کی دلیل بنانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اور اگر علامہ صاحب کو ہماری یہ گزارش سمجھ نہیں آتی اور اپنے اس زعمِ باطل پر مُصِر ہیں تو ذرا آنکھیں کھول کر اور عقل و خرد اور حواس کو مجتمع کر کے میدانِ بدر میں موجود اہلِ ایمان کے امدادی ملائکہ کی طرف بھی دیکھیں۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۝

(سورۃ الانفال آیت ۹)

اور دوسری آیت کریمہ میں ہے :

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ۝ بَلَىٰ ۚ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝

(سورہ آل عمران آیت ۱۲۴)

کہ ایک ہزار پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتے امداد و اعانت کیلئے موجود بلکہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ بھی ان کے ساتھ امداد و اعانت کیلئے موجود اور حاضر و ناظر۔

کما قال تعالیٰ :

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ (سورہ انفال آیت ۱۲)

یاد کرو اس وقت کو جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف وحی فرمائی کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں لہٰذا اہل ایمان کی ڈھارس بندھاؤ۔

مگر باں ہمہ چودہ صحابی اس جنگ بدر میں بھی جام شہادت نوش کر گئے۔ کیا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی لاعلمی میں ہو گیا یا انکے دفاع پر ملائکہ اور خود اللہ تعالیٰ قادر نہیں تھے، نعوذ باللہ بلکہ کافر زیادہ زور آور اور قوی و طاقتور تھے ؟ اگر وہاں مصلحت اور حکمت کارفرما تھی

اور یقیناً ایسا ہی تھا تو یہاں پر کیونکر کسی حکمت اور مصلحت کا تصور نہ نہیں کیا جا سکتا ؟

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

گلدستۂ توحید

جواب سوم

اس روایت سے مدد دینے والے کا غائبانہ پکارنا ثابت ہوگا نہ کہ مدد طلب کرنے والے کا پکارنا اور دونوں میں بڑا فرق ہے ۔ علاوہ بریں کیا بعید ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیت المقدس اور نجاشی کا جنازہ حاضر کر دیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی نہاوند کا واقعہ پیش کر دیا ہو اس صورت میں غائب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

رہا کنت سمعہ الذی یسمع بہ وغیرہ احادیث سے خدا تعالیٰ اور بندوں کے فعل کا اتحاد ثابت کرنا تو راقم نے اپنے رسالہ " دل کا سرور " میں نہایت شرح بسط کے ساتھ اس پر کلام کر دیا ہے۔

(ص ۱۴۷ ص ۱۴۸)

گلشنِ توحید و رسالت

علامہ سرفراز صاحب نے تیسرے جواب میں بڑے عجیب تجاہل کا

کا مظاہرہ کیا ہے۔ روایات میں تصریح موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
نے نہاوند کے مقام میں اپنے لشکر کو کافروں کے زغے میں آتے دیکھا تو
ان کو بچاؤ کی تدبیر بتلائی اور فتح مندی کا راستہ بتلایا اندریں صورت
آپ ان کا مشاہدہ فرما رہے تھے آپ سے تو وہ غائب نہ تھے پھر آپ
کی پکار آپ کے لحاظ سے غائبانہ کیسے ہو گئی اور جن کی مدد کی جائے معاون
ومددگار کا ان کے سامنے ہونا ضروری ہی کب ہے؟ کیا صحابہ کرامؓ
ملائکہ کو اور اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے تھے؟ بلکہ انہیں صرف نبی کریمؐ کے
ذریعے ہی معلوم ہوا۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے
جب آپ سے "یا ساریۃ الجبل" پکارنے کے متعلق دریافت کیا تو
آپ نے فرمایا:

رأیت المشرکین ھزموا اخواننا ویاتونھم
من بین ایدیھم وظھورھم فامرتھم ان
یسندوا ظھورھم الی الجبل حتی یقاتلوا
من وجہ۔

(نبراس ص ۴۸۱ وازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ ص ۱۹۹ ج ۲)

میں نے مشرکین کو دیکھا کہ انہوں نے ہمارے بھائیوں کو شکست
دے دی ہے اور وہ ان کے آگے اور پیچھے سے احاطہ کر رہے ہیں تو
میں نے اہلِ اسلام اور ان کے کمانڈر کو حکم دیا کہ اپنی پشتوں کو پہاڑ
کی طرف کر لیں اور ایک جانب سے جنگ لڑیں۔

لہ عظم الشان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

الغرض مستغیث اور فریادی کا مغیث اور فریاد رس کا مشاہدہ کرنا ضروری نہیں ہے خواہ قریب ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ علامہ صاحب نے خود جنگل میں سواری کے بھاگ جانے پر یاعباد اللہ اعینوف کے ضمن میں تسلیم کیا ہے کہ ملائکہ موجود ہوتے ہیں اور وُہ امداد کرتے ہیں حالانکہ وُہ لوگوں کو نظر نہیں آتے اور مغیث و فریاد رس کا فریادی کو دیکھنا اور اس کی فریاد کو سُننا ضروری ہے اور اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان کو دیکھنا بھی ثابت اور ان تک اپنی آواز پہنچانا بھی ثابت اور ان کو حسن تدبیر سے فتح و نصرت اور کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کرنا بھی ثابت ہے جیسے کہ علامہ علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں :

فیه انواع من الکرامة لعمر کشف المعرکة وایصال صوته وسماع کل منهم لصیحته وفتحهم ونصرهم ببرکته ۔ (مرقات ص۲۳۴ ج ۱۱)۔

اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے کئی قسم کی کرامات ثابت ہیں میدانِ کارزار کا آپ پر منکشف ہونا اور اپنی آواز کو وہاں تک پہنچانا اور ان میں سے ہر ایک کا آپ کی آواز کو سُننا اور آپ کی برکت سے ان کا فتح و نصرت پانا ۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک ۔

لہٰذا اس کو مدد دینے والے کی غائبانہ پکار قرار دینا بایں معنیٰ کہ وُہ آپ سے غائب تھے قطعاً غلط اور لغو و باطل ہے ۔

۲۔ دُوسری شق میں علامہ صاحب نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اس کرامت کو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ان معجزات پر قیاس کیا ہے کہ بیت المقدس کو آپ کے لیے حاضر کر دیا گیا اور نجاشی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جنازہ کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حاضر کر دیا گیا اسی طرح کیا بعید کہ اللہ تعالیٰ نے نہاوند کا مقام آپ کے حاضر کر دیا ہو لہٰذا جب وُہ مقام آپ کے سامنے حاضر ہو گیا تو اب غائبانہ امداد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا تو اس جواب میں بھی کئی وجوہ سے سقم ہے۔

۱۔ جب خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بتلائیں کہ میں نے ان کا مشاہدہ کر لیا اور یہ نہ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو میرے قریب کر دیا اور میں نے ان کو قریب سے دیکھا تو بلا دلیل محض اپنے قیاس سے اس کو خلافِ ظاہر پر محل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

۲۔ جو حضرات قربِ فرائض اور قربِ نوافل کی بدولت انوارِ الٰہیہ سے منور آنکھوں اور کانوں کے مالک ہوتے ہیں اور اسی نور کی بدولت دیکھتے اور سُنتے ہیں ان کے لیے قرب و بعد کا معاملہ یکساں ہوتا ہے جیسے کہ امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا:

اذا صار نورجلال اللہ سمعالہ سمع القریب والبعید واذا صار ذلک النور بصرا للہ رای القریب والبعید۔

یعنی جب اللہ تعالیٰ کا نورِ جلال بندۂ محبوب کے کان بن جاتا ہے

تو وہ قریب اور دُور سے سُنتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا نُور اس کی آنکھ بن جاتا ہے تو قریب اور بعید سے دیکھتا ہے اور دیگر اکابر کی تصریحات حدیثِ قدسی کے تحت گزر چکی ہیں تو یقیناً حضرت عُمر رضی اللہ عنہ ان حضرات کے سرخیل ہیں لہٰذا آپ کے لیے نہاوند کے مقام سے دیکھنا مستبعد نہیں ہو سکتا۔

۳۔ نیز جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کیلئے مقامِ نہاوند کو قریب کر دیا دُوسرے حضرات کے لیے بھی اسی طرح فریادی اور اس کے مقام کو قریب کر دے اور ان کی امداد و اعانت کرا دے تو یہ بھی بعید نہیں لہٰذا سبھی کے حق میں ندائے غائبانہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا اور تمہارے شرک کے فتوے بیکار اور فضول ہو کر رہ جائیں گے۔ آخر دُوسرے اولیاء کرام کے حق میں یہ طی مکانی یعنی اس مکان کو قریب کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ اور قوّتِ باہرہ سے بعید کیونکر ہو سکتا ہے؟ جب سبھی مقبولانِ بارگاہ کے حق میں مستغیث اور فریادی کا مکان قریب کر دیا جانا ممکن ہے تو سب کے حق میں ندائے امداد غائبانہ نہ رہی لہٰذا جائز اور درست ہو گئی۔

۴۔ جو خُداوند کریم اپنے مقبولانِ بارگاہ کے لیے زمین کے قطعات اٹھا کر قریب کر سکتا ہے وہ ان کی نظروں کو اتنی وسعت نہیں دے سکتا کہ وہ دُور سے دیکھ لیں کیا زمین اُٹھا کر قریب کرنا بنظرِ ظاہر بعید ہے یا نگاہ کو اتنا قوی کر دینا اور دُور تک دیکھنے کی توفیق دے دینا زیادہ

بعید اور مشکل ہے۔

۵۔ نیز ملک الموت اور دیگر مدبرات امر کے لیے بھی اللہ تعالیٰ زمین کے قطعات اٹھا کر قریب کرتا ہے یا وہ اپنے قوائے لطیفہ سے دُور دراز سے دیکھ لیتے ہیں اور تدبیر و تصرف کر لیتے ہیں جب وہاں اس احتمال کو ثابت کرنا ضروری نہیں تو یہاں پر ضروری کیوں ہے ؟

نوٹ ؛ علامہ صاحب نے نہاوند کو اٹھا کر مدینہ منورہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قریب کیے جانے پر یہ امر متفرع کیا ہے کہ اب ندائے غائبانہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حالانکہ نہاوند والوں نے (خواہ مسلمان لشکر تھا یا کفار کا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اب بھی نہیں دیکھا تھا، اور آپ ان کے لیے غائب ہی تھے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلی شق میں علامہ صاحب کا یہ کہنا کہ اس سے امداد دینے والے کا غائبانہ پکارنا ثابت ہوا نہ کہ مدد لینے والے کا۔ اس سے بالکل ظاہر کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اہلِ نہاوند کو دیکھنے اور ان کا مشاہدہ کرنے کا انکار کر رہے ہیں اور یہ کس قدر غلط اور باطل سوچ اور فکر ہے اور واضح ترین روایات و آثار کا انکار ہے جو دیانت و امانت کے خلاف ہے اور علماءِ اسلام کے لیے قطعاً زیبا اور شایانِ شان نہیں ہے اور بقول علامہ اقبال رحمہ اللہ (اور قلندر لاہوری بزعم سرفراز صاحب) ؂

ولے تاویل شاں درحیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم را [illegible]

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

اس قدر ضد اور ہٹ دھرمی عام مومن کو بھی زیب نہیں دیتی چہ جائیکہ علماء کو مگر بخت و سعادت ساتھ نہ دے تو علم غریب کیا کرے ؎

گلیم بخت کسے کہ بافند سیاہ
باآبِ کوثر و تسنیم سفید نتواں کرد

تنبیہ : علامہ صاحب نے حدیث قدسی کنت سمعہ الذی یسمع بہ کی تاویل و توجیہ کے متعلق اپنے رسالہ "دل کے سرور" کا حوالہ دے دیا ہے اور ہم نے ان کی توجیہ و تاویل کی لغویت اور فساد و بطلان اسی حدیث قدسی کے ضمن میں اسی رسالہ میں واضح کر دیا ہے دوبارہ ملاحظہ فرمادیں۔ اور صداقت و حقانیت کے روز روشن میں اس بیہودہ تاویل کی ظلمت کافور ہوتی دیکھیں اور علامہ صاحب کا اپنے اکابر کا دامن بھی چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہونے کا منظر دیکھیں

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○

اور جن کے دل کا سرور مقبولانِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ کے خدا داد کمالات کے انکار میں ہو ان کے قلبی غم و غصہ اور رنج و الم کا حال کیا ہوگا ؟

گلدستۂ توحید

حافظ ابنِ کثیر لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کا علم حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کو خواب کے ذریعے ہُوا تھا اور انہوں نے یہ الفاظ کہتے وقت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا لشکر موجود رہتا ہے شاید وُہ لشکر میری یہ بات ساریہ تک پہنچا دے چنانچہ اس لشکر نے یہ کلمات ان تک پہنچا دیئے۔

(البدایہ والنہایہ ص۱۳۰ ج ۷)

گلشنِ توحید و رسالت

علامہ صاحب اس روایت کے ذریعے ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیداری میں سر کی آنکھوں سے بطورِ کرامت نہاوند میں موجود اپنے لشکر کی حالت و کیفیت کا مشاہدہ نہیں فرمایا تھا بلکہ صرف خواب میں یہ صُورتِ حال دیکھی تھی اور خواب میں ہی اس وقت کا اندازہ ہُوا اور اس وقت پر یہ آواز اس اُمید پر دے دی کہ اللہ تعالیٰ کا لشکر میری اس آواز کو ان تک پہنچا دے گا اور ایسے ہی ہُوا۔ لیکن یہ روایت بھی ناقابلِ استناد ہے اور اس سے یہ استدلال بھی بالکل لغو اور باطل ہے۔

۱۔ اس روایت میں صحیح السند اور اسنادِ حسن کے ساتھ مروی روایت کے ساتھ تعارض و تخالف ہے اور یہ بذاتِ خود ضعیف ہے لہٰذا معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی تو لامحالہ اس کو ترک کرنا اور نظر انداز کرنا لازم اور ضروری ہے چنانچہ دُوسری روایات میں تصریح ہے کہ لوگوں نے حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کی اس پُکار کو اور خطبہ جمعہ میں ان الفاظ

کے اضافے کو آپ کے مجنون ہو جانے سے تعبیر کیا اور ایک دُوسرے کی طرف حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے دیکھا۔ اصابہ میں ہے کہ:

فالتفت الناس بعضهم الی بعض فقال لهم علی لیخرجن مما قال فلما فرغ سالوه

کہ لوگوں نے یہ آواز سُن کر ایک دُوسرے کی طرف دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہوں نے جو کچھ کہا ہے (اس کا عذر اور موجبِ حقیقی بیان کر کے تمہارے اعتراض و استعجاب سے) ضرور بری ہو جائیں گے۔

اور ازالۃ الخفاء میں مذکور روایت میں ہے (جو کہ محب طبری کے حوالے سے ہے):

فقال ناس من اصحاب رسول انه لمجنون (الی) یا امیرالمؤمنین تجعل للناس علیك مقالا بینما انت فی خطبتك اذ نادیت یا ساریة الجبل ای شی هٰذا۔ (ص۱۹۶)

تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے بعض نے کہا کہ وہ مجنون ہیں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا اور وہ آپ کیساتھ بے تکلف تھے کہ اے امیرالمؤمنین تم لوگوں کو اپنی ذات پر اعتراض اور طعن و تشنیع کا موقعہ دیتے ہو تم نے خطبہ دیتے ہوئے یہ کیوں پکارا یا ساریہ الجبل۔

جب کہ اس روایت میں جو علامہ صاحب نے ذکر کی ہے اس طرح کہا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو بلایا۔ اور انہیں خطاب فرمایا اور انہیں اپنے خواب کی کیفیت بیان کی اور پھر کہا اے ساریہ پہاڑ کی اوٹ لے۔ اے ساریہ پہاڑ کا سہارا لے۔

صعد المنبر فخطب الناس واخبرھم بصفة ماراى ثم قال یاساریة الجبل الجبل۔

(البدایہ ص۱۳۲ ج ۷)

اور ظاہر ہے جب پہلے خواب کی کیفیت ان پر بیان کر دی تو ان کے حیرت اور تعجب کا اظہار کرنے اور مجنون کہنے کی کوئی وجہ نہیں تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کی طرف سے عذر بیان کرنے اور آپ کے پکارنے کی خاص حکمت ظاہر ہونے کا وعدہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے آپ سے اس طرح عرض کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ تم نے لوگوں کو تنقید اور طعن و تشنیع کا موقعہ فراہم کر دیا ہے۔ لہٰذا یہ روایت نا قابلِ اعتبار ہے اور نا قابلِ التفات

۲۔ نیز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا:

واللہ ماملکت ذٰلك حین رءیت ساریة واصحابه یقاتلون۔ الخ

(ازالۃ الخفاء ص۱۶۹ ج ۲)

بخدا میں اس وقت اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا اور ضبط و تحمل کا مظاہرہ نہ کر سکا جبکہ میں نے ساریہ اور ان کے ساتھیوں کو دیکھا کہ وہ حرب و

قتال میں مصروف ہیں اور دشمن ان کو ہر طرف سے گھیرے میں لے رہا ہے لہٰذا میں نے پکار کر کہا یا ساریۃ الجبل الجبل تو اس میں خود حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے اسی وقت ان کو گھیرے میں آتے دیکھا اور برداشت نہ کر سکا لہٰذا علاّمہ صاحب کی نقل کردہ روایت کا اس کے مقابلہ میں کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

۳۔ نیز خواب دیکھنے میں اور بعد ازاں چشمِ سر سے ملاحظہ کرنے میں منافات ہی کیا ہے کہ خواب والی روایت سے بیداری میں مشاہدہ کرنے والی روایات کو رد کر دیا جائے بلکہ سچے خواب کی تو عملی تعبیر سپیدۂ سحر کی طرح آنکھوں کے سامنے مجسّم صورت میں آنی چاہیے۔ جیسے کہ سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

اوّل ما بدی بہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم من الوحی الرؤیا الصادقۃ فی النوم فکان لا یریٰ رؤیا الاجاءت مثل فلق الصبح۔

(مشکوٰۃ باب البعث و بخاری شریف وغیرہ)

اوّل اوّل وحی کا آغاز سچے خوابوں کے ذریعے ہوا پس آپ جو خواب میں دیکھتے تھے وہ صبح صادق کے سپیدہ کی طرح آپ بیداری میں بھی دیکھ لیتے تھے تو حضرت عُمر رضی اللہ عنہ جو اس خیرِ اُمّت میں محدّث اور ملہم ہونے کا شرف و فضل رکھتے ہیں اور اگلی اُمّتوں کے

علم اور محدّث لوگوں سے افضل اور برتر ہیں اور ظاہری و باطنی لحاظ سے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلیفہ اور نائب اور مظہرِ کمالات ہیں تو ان کے حق میں یہی یقین رکھا جائے گا کہ جو کچھ خواب میں دیکھا تھا وہی بیداری میں بھی دیکھا۔

خواب کی عملی تعبیر حالتِ بیداری میں دیکھنا

اس امر کی تائید و تصدیق حضرت مولیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایک خواب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس کے مطابق عمل اور پھر اس عمل کی توضیح سے ہوتی ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے ازالۃ الخفاء میں ذکر فرمایا ہے:

حضور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خواب یہ دیکھا کہ سیدِ عالم نبیِ کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی ہے (جبکہ زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا) اور آپ قبلہ والی دیوار کے ساتھ اوٹ لگا کر منہ مسجد کے دروازہ کی طرف کر کے بیٹھ گئے ہیں۔ دروازہ سے ایک شخص کھجوروں کا ٹوکرہ لایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا آپ نے اس سے یکے بعد دیگرے دو کھجوریں اٹھائیں اور مجھے کھانے کو دیں۔ میں خواب سے بیدار ہوا تو ان کی مٹھاس ابھی منہ میں باقی تھی۔ مسجد میں پہنچا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی اور آپ اسی جگہ اسی حالت میں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے اور اسی دروازہ سے

کھجوروں کا ٹوکرا ایک شخص لایا جو آپ کے سامنے رکھ دیا تو آپ نے اسی طرح دو دو کھجوریں اٹھائیں اور مجھے دے دیں اور باقی کو دیگر حضرات میں تقسیم کر دیا حالانکہ میرا جی چاہتا تھا کہ مزید کھجوریں مجھے ملیں تو آپ نے فرمایا :

یا اخی لو زادك رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلتك لزدناك فعجبت وقلت قد اطلعه الله علی ما رءیت البارحة فنظر الیّ وقال یا علی ان المومن ینظر بنور الدین قلت صدقت یا امیر المؤمنین هكذا رءیته وكذا وجدت طعمه ولذته من یدك كما وجدت طعمه ولذته من ید رسول الله صلی الله علیه وسلم ۔ (شواہد ۱۹۵ ، ۲۶)۔

اے میرے بھائی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو گزشتہ رات زیادہ دیتے تو ہم بھی آپ کو زیادہ دیدیتا تو میں متعجب اور حیرت زدہ ہو گیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس میرے خواب پر مطلع کر دیا ہے جو میں نے گزشتہ رات دیکھا تھا تو آپ نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا اے علی یقیناً دیکھو مومن دین و ایمان کے نور سے دیکھتا ہے میں نے کہا اے امیر المومنین تم نے سچ فرمایا میں نے ایسے ہی دیکھا اور آپ کے ہاتھ سے ملنے والی کھجوروں کا ویسے ہی ذائقہ اور لذت محسوس کی جیسے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دست کرم سے وصول

ہونے والی کمزوروں کی لذّت اور مٹھاس محسوس کی۔

(ازالۃ الخفاء بیان مکاشفاتِ عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ ص ۱۹۸)

فوائد: اس روایت سے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ظاہر و باطن میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائب خلیفہ اور مظہرِ کمالات ہونا بھی ظاہر ہے اور خواب اور بیداری کی باہم مطابقت و موافقت بھی واضح ہے اور نیند میں ہونے کے باوجود دوسروں کے خوابوں پر اطلاع بھی ثابت ہے اور اس کی دلیل و برہان بھی کہ مومن کامل دین و ایمان کے نور سے مشاہدہ کرتا ہے جیسے کہ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔

مومن کی فراست اور نورِ قلب سے ڈرتے رہا کرو کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ لہٰذا اس میں کونسا تعارض و تخالف ہے کہ خواب میں بھی آپ نے وہ منظر دیکھا ہو اور پھر بیداری میں بھی دیکھا ہو اور پہاڑ کی آڑ لینے اور بچاؤ کی تدبیر بتلانے کے لیے پکارا بھی ہو اور امداد بھی بہم پہنچائی ہو۔

نیز خواب آجاتے اور اس پر اعتماد اور وثوق نہ ہو اور اس کی حقانیت اور واقعیت کا علم نہ ہو تو اس کے مطابق عمل کرنا غیر معقول سا امر ہے۔ اگر محض خواب آیا ہوتا اور عملی طور پر اس کی تصدیق نہ ہوتی ہوتی تو یہاں سے پکارنا اور ندا کرنا اور وہ بھی مجمعِ عام میں

اور دورانِ خطبہ کیونکر متصوّر ہو سکتا تھا اکیلے گھر میں کھڑے ہو کر یا باہر جا کر بھی کہہ سکتے تھے اور پیشگی بھی اطلاع دے سکتے تھے جس طرح آپ کو بذریعہ خواب پیشگی مطلع کر دیا گیا تھا۔ خاص اس وقت کے انتخاب کی کیا حکمت تھی کہ جب خطبہ دیا جا رہا ہو گا اسی دوران کہوں گا، پہلے نہیں کہوں گا ؟

۴۔ علاوہ ازیں اکابرینِ ملّت نے اس واقعہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکاشفات میں اور کرامات میں ذکر کیا ہے اور سچا خواب تو کسی بھی مسلمان کو آ سکتا ہے اور وہ کرامت نہیں کہلاتا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ[1] کے قائم کردہ عنوان سے اور دلائل النبوۃ اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ کے ابواب سے اور علی قاری کے بیان کردہ فوائدِ حدیث سے یہ حقیقت دوپہر کے اُجالے کی طرح واضح ہے۔

فیہ انواع من الکرامۃ لعمر کشف المعرکۃ وایصال صوتہ وسماع کل منہم لصیحتہ۔

(مرقات ص۲۳۴ ج ۱۱)

اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کئی کرامات ثابت ہوتی ہیں۔ میدانِ کارزار کا آپ پر منکشف ہونا اور اپنی آواز کو ان تک پہنچانا اور ان میں سے ہر ایک کا آپ کی آواز و پکار کو سُننا۔

اور اصابہ کی روایت (جو کہ ابنِ مردویہ کے حوالہ سے منقول ہے) اس میں تصریح ہے کہ :

[1] قدس سرہٗ۔

فجاء البشير بعد شهر فذكروا انهم سمعوا صوت عمر فى ذالك اليوم ۔ (مشکوٰۃ ج ۲)

خوشخبری اور مژدہ سنانے والا شخص ایک ماہ بعد آیا اور اس نے بتلایا کہ ہم نے اس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی جبکہ شکست کھا چکے تھے پھر پہاڑ کی اوٹ میں ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت عطا فرمائی۔

لہٰذا یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود اس لشکر کی حالت و کیفیت دیکھی اور دیکھتے ہی حسنِ تدبیر سے ان کی شکست کو فتح میں بدلا اور اپنی ندا۔ و للکار کے ذریعے ان کی رہنمائی فرمائی اور انہیں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا۔

۵۔ علامہ صاحب نے "اعینونی عباد اللہ" کی تاویل و توجیہ میں کہا تھا کہ جنگلات میں فرشتے ہوتے ہیں جو لوگوں کی سواریوں کے بھاگ جانے پر ان کی امداد کرتے ہیں لیکن اس روایت کو ذکر کر کے اور اس پر اعتماد کر کے علامہ صاحب نے مان لیا کہ شہری آبادی میں بھی ملائکہ موجود ہوتے ہیں جو تدبیرِ امور پر مامور ہوتے ہیں، صرف جنگلات میں نہیں ہوتے اور یہ بھی تسلیم کر لیا کہ ان کا کام صرف لوگوں کی خچریں اور گدھیاں اور گھوڑیاں پکڑنا نہیں ہوتا بلکہ دور دراز تک انسانی آوازیں پہنچانا بھی ان کے دائرۂ کار میں آتا ہے اور وہ اپنے طور پر نہیں آواز دیتے بلکہ آواز دینے والے اور سننے والوں

کے درمیان اسی طرح واسطہ بن جاتے ہیں جس طرح ٹیلیفون اور وائرلیس اور برقی آلات واسطہ بنتے ہیں اسی طرح لشکرِ اسلام نے جو آواز سُنی انہوں نے یہی محسوس کیا کہ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ ہی آواز دے رہے ہیں (اور اسی سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں ہمارے درُود و سلام بھی اسی انداز میں پیش ہوتے ہیں تو بلوغ صلوٰۃ میں اور بلوغ صوت میں کوئی منافات نہیں رہے گی بلکہ صلوٰۃ کی صُورت بلوغ صلوٰۃ بھیجنے والے کی آواز کے پہنچنے کی صُورت میں ہی ہوگی لہٰذا ان دونو صُورتوں میں باہم کوئی تخالف و تعارض نہیں رہے گا، بلغنی صوتہ ہو یا بلغنی صلواتہ ہو) الغرض اس روایت کا تسلیم کرنا اور کتاب میں ذکر کرنا اور جوابوں کی تعداد میں اس کے ساتھ اضافہ کرنا بھی ان کے لیے مہنگا ہی پڑے گا کوئی سستا سودا نہیں ہوگا۔

۴۔ علاّمہ صاحب دُوسرے حضرات کے دلائل پر راویوں کے لحاظ سے بڑی جرح و قدح کرتے ہیں اور ان کو اَپنے اس طرز سے ناقابلِ اعتبار بنانے کی سعی کرتے ہیں تو اُمید ہے کہ انہوں نے اپنی اس روایت کے متعلق بھی ضرور یہ تسلی کر لی ہوگی کہ اس کے راوی کیسے ہیں؟ اور اگر واقعی معاملہ یونہی ہے جیسے کہ ہمارا گمان ہے تو علاّمہ صاحب نے بہت بڑی بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے اور اگر ان کے متعلق تحقیق و تدقیق نہیں فرمائی تو یہ بھی سراسر زیادتی اور ناانصافی ہے کیا اسماء رجال کی کتابوں کے ذریعے اور اصحابِ جرح و تعدیل کے اقوال پر صرف مخالفین کے

دلائل کی چھان پھٹک اور جانچ پڑتال ضروری ہے اپنے نظریہ کے موافق اور مؤید روایات کے متعلق اس طرح کی تحقیق و تدقیق اور چھان پھٹک ضروری نہیں ؟ بلکہ علامہ صاحب کا ذاتی نظریہ ضعیف بلکہ موضوع روایات سے اور ضعیف بلکہ زندیق راویوں کے ذریعے بھی ثابت ہو سکتا ہے ؟ یقیناً ایسا نہیں اور نہ ہو سکتا ہے تو جو پیمانہ اور معیار دُوسروں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور بڑی بے رحمی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے وہ اپنے لیے بھی ملحوظ رکھنا اور استعمال میں لانا ضروری تھا لیکن علامہ صاحب نے اس معاملہ میں بڑی نا انصافی کا مظاہرہ کیا ہے مگر یہ فریضہ ہم ادا کر دیتے ہیں اور علامہ صاحب کو اس آئینہ میں اپنا چہرۂ استدلال دکھا دیتے ہیں اور اس کی ہولناکی اور بدصُورتی کا مشاہدہ کرا دیتے ہیں۔

علامہ صاحب کی اس روایت کا دار و مدار سیف بن عمر اور اس کے مشائخ پر ہے اور اس کے بعض مشائخ کا حال بھی قابلِ رشک نہیں لیکن خود اس کی حالت تو بہت ہی خراب ہے۔

امام اَبُو حاتم فرماتے ہیں:

متروك الحديث يشبه حديثه حديث الواقدی۔

یہ متروک الحدیث ہے اور اس کی حدیث واقدی کی حدیث کے مشابہ ہے۔

امام اَبُوداؤد فرماتے ہیں:

ليس بشیء یہ کوئی شے نہیں ہے۔

امام نسائی اور دارقطنی فرماتے ہیں کہ :

ضعیف ہے۔

ابنِ عدی فرماتے ہیں :

اس کی بعض احادیث مشہور ہیں اور اکثر مناکیر ہیں جن میں اسکی کوئی متابعت اور تائید و تصدیق نہیں کرتا۔

اور ابن حبان فرماتے ہیں :

یروی الموضوعات عن الاثبات وانہ کان یصنع الاحادیث۔ اتھم بالزندقۃ۔

یہ موضوع روایات کو ثقہ حضرات کے نام سے روایت کر دیتا تھا۔ اور یہ روایات گھڑتا تھا اور زندیق اور بے دین ہونے کے ساتھ متہم تھا۔

اور امام حاکم فرماتے ہیں :

اتھم بالزندقۃ وھو فی الروایۃ ساقط۔

وُہ زندیق ہونے کے ساتھ متہم تھا اور روایت کے معاملہ میں ناقابلِ اعتبار ہے۔

(تہذیب التہذیب از علامہ ابن حجر عسقلانی ص ۲۹۶ ج ۴)

اور یہی علامہ عسقلانی تقریب التہذیب میں اس کے متعلق فرماتے ہیں

ضعیف فی الحدیث، عمدۃ فی التاریخ۔ افحش ابن حبان القول فیہ۔ (ص ۴۰۸ ج ۱)

کہ سیف بن عمر حدیث کی روایت میں ضعیف ہے تاریخ کے بیان

میں عمدہ ہے اور ابنِ حبان نے اس کے متعلق بہت سخت کلام کیا ہے ، اور تغلیظ و تشدید سے کام لیا ہے ۔

اور یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں ہے کہ یہاں بحث حدیث میں ہے نہ کہ تاریخی واقعہ میں ۔ نیز حافظ عماد الدین ابنِ کثیر جن روایات کے بارے میں اسناد حسن کے ساتھ مروی ہونے کی تصریح کر رہے ہیں ان کو چھوڑ کر ایسی روایت پر اعتماد کرنا کسی اچھی ذہنیت کا مظاہرہ نہیں ہے ۔

۷ ۔ پھر اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نہاوند کی فتح کی خوشخبری لانے والے کو گھر لے جانا اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کو اس کے ساتھ روٹی کھانے کے لیے بلانا اور ان کا مناسب لباس موجود نہ ہونے کا عذر کر کے شامل نہ ہونا بھی ذکر کیا گیا ہے ۔ میں حیران ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے غیور کے متعلق (جن کی خواہش کے مطابق ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردے کا حکم نازل ہوا اور جنہوں نے عورتوں کو مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنے سے روک دیا اور گھروں پر پڑھنے کا پابند کر دیا) یہ کیسے باور کر لیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور مولائے مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر کو غیر محرم کے سامنے آنے اور اس کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بلا سکتے تھے جبکہ ان کے بدن پر کامل ستر کیلئے

کپڑے بھی نہ ہوں۔ اور اگر سیف بن عمر نے حضرت امام ابنِ حبان کے قول اور امام حاکم کے قول کے مطابق اس بے دینی اور بے راہروی کا مظاہرہ کیا بھی تھا تو حافظ ابن کثیر کو اس کا ذکر کرنا زیب نہیں دیتا تھا اور اگر انہوں نے بحیثیت مورخ ہونے کے ہر رطب و یابس کو جمع کرنا روا رکھا تھا تو علامہ سرفراز صاحب کو اس کا ذکر کرنا قطعاً زیبا نہیں تھا مگر چونکہ یہ روایت اپنے فاسد نظریہ کا بظاہر سہارا بنتی تھی اسلئے اس کے سارے سقم اور کمزوریاں اور قباحتیں نظر انداز کر دی گئیں اور اسے پورے طنطنہ اور بلند بانگ دعوے کے ساتھ پیش کر دیا، اور اصول و قوانین اور قواعد و ضوابط کی مٹی پلید کر کے رکھ دی۔

۸۔ نیز کیا ہم علامہ صاحب سے دریافت کر سکتے ہیں کہ البدایہ والنہایہ تاریخ کی کتاب ہے یا حدیث کی اور حدیث کی فرض کرتے ہیں تو اس کا مرتبہ اور طبقہ کونسا ہے؟ کیا صرف انبیاء و رسل علیہم السلام کے کمالات اور دیگر مقبولانِ خداوند تعالیٰ کے امتیازی اوصاف کی جانچ پرکھ کیلئے ہی کتبِ حدیث کے طبقات ملحوظ رکھنے ضروری ہیں لیکن اگر کہیں کمالات و امتیازات کی نفی کرنی ہو تو پھر رطب و یابس پر مشتمل کتبِ تاریخ بھی صحیح السند اور قابلِ اعتماد احادیث اور مستند محدثین کی کتابوں پر سبقت لے جاتی ہیں؟ اور طبقہ اولیٰ کی کتابیں قرار پاتی ہیں؟

ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

الغرض علامہ صاحب نے اپنی دیانت و امانت کا بھی خون کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے امتیازی شان اور کرامت کا انکار کیا اور اس کی نفی کی اور اہلِ اسلام کو شک و شبہ میں ڈالنے کی ناکام سعی کی ہے اور اپنے جوابات کی تعداد بڑھانے کے دھن میں عقل و نقل کے تقاضوں کو بھی بالکل نظر انداز کیا ہے جو معمولی علم و دانش والے کے لیے بھی زیبا نہیں چہ جائیکہ بلند بانگ شیخ الحدیث والتفسیر کے لیے۔

۹۔ نیز یہ مسلّم امر ہے کہ کراماتِ اولیاء اس اُمت کے نبی کے معجزات ہوا کرتی ہیں جن سے اس کی صداقت و حقانیت اُجاگر ہوتی ہے اور ہر صاحب بصر و بصیرت یہ فیصلہ بآسانی کر سکتا ہے کہ اگر یہ نبی برحق اور رسول صادق نہ ہوتے اور کامل واکمل نہ ہوتے تو ان کے مریدین اور امتی اس قدر باکرامت اور اربابِ کمال کیونکر بن سکتے تھے ان میں جو کمال اور امتیازی شان نظر آ رہی ہے اور جو امور خارقہ للعادت سرزد ہو رہے ہیں یہ سب ان کے نبی و رسول کا فیضان اور صدقہ ہے۔ جیسے کہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے الوفاء میں فرمایا:

لقد فاضت اشعة معجزاته علی اصحابه فکتب عمر الیٰ نیل مصر ونادیٰ سارية فاسمعه۔

(صفحہ ۲۵۲)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آفتابِ اعجاز کی شعاعیں آپ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر چمکیں اور انہیں انوار سے فیضیاب کیا،

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کے دریائے نیل کو اپنے تحریری آرڈر سے جاری فرمادیا اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو ندار دی اور انہیں اپنا پیغام سنوا لیا۔

لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامت کا انکار کرکے دراصل علامہ صاحب نے سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا انکار کیا ہے جو غلامی کے مدعی اُمتی کے لیے قطعاً زیبا اور لائق نہیں ہے۔

ندا و پکار اور استعانت و استمداد کا جواز از روئے اقوالِ فقہاء

۱۔ علامہ ابنِ عابدین ردمحتار حاشیہ درمختار میں گم شدہ چیز کی واپسی کیلئے یہ طریقہ بتلاتے ہیں:

قرر الزیادی ان الانسان اذا ضاع لہ شئ و اراد ان یردہ اللہ سبحانہ علیہ فلیقف علی مکان عال مستقبل القبلۃ و یقرء الفاتحۃ و یہدی ثوابھا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یہدی ثواب ذلک لسیدی احمد بن علوان و یقول یا سیدی احمد یا ابن علوان ان لم ترد علی ضالتی والا نزعتک من دیوان الاولیاء فان اللہ تعالی یرد علی من قال ذلک ضالتہ ببرکتہ اجھوری مع زیادہ۔ (کذا فی حاشیۃ شرح منہج للداؤدی ص ۲۵۵ ج ۳ ردمحتار)

یعنی زیادی نے اس امر کو مقرر اور ثابت کیا ہے کہ اگر کسی انسان کی کوئی شے گم ہو جائے اور اس کا ارادہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پر وُہ چیز لوٹائے تو وہ انسان بلند مکان پر قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو جائے اور فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں بطورِ ہدیہ پیش کرے۔

پھر اس کا ثواب حضرت سیدی احمد بن علوان کو ہدیہ کرے اور کہے اَے میرے آقا احمد اے ابن علوان اگر تُو نے مجھ پر میری گم شدہ چیز نہ لوٹائی تو سمجھوں گا کہ آپ دیوانِ اولیاء سے خارج ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ تو بیشک اللہ تعالیٰ اس طرح کہنے والے پر اس کی گم شدہ چیز کو ان کی برکت سے لوٹا دے گا۔ اجہوری نے اس کو قدرے زائد عبارت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ایسے ہی داؤدی کی شرح منہج میں ہے۔

گویا علامہ زیادی، علامہ اجہوری، علامہ داؤدی اور صاحب ردمحتار اس امر کے قائل اور معترف ہیں اور معتقد و مستیقن ہیں کہ گُم شدہ چیز کی بازیابی کے لیے سیدی احمد بن علوان کو پکارنا اور ان سے استغاثہ کرنا جائز اور روا بھی ہے اور بازیابی کا قابلِ وثوق ذریعہ بھی ہے اور پہلے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ذکر ہو چکی کہ اگر کسی کی سواری بھاگ جائے تو وُہ پکارے:

اعینونی عباد اللہ ۔ یا عباد اللہ احبسوا ۔

(اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو اس کو روکو۔ تو اللہ تعالیٰ کے بندے اس کو بھاگنے نہیں دیتے اور مالک تک پہنچا دیتے ہیں تو جب یہ حدیث جو کہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اوّل الذکر کی روایت کی صحت علاّمہ صاحب کے نزدیک بھی مسلّم ہے اور دُوسری کا قابلِ استناد اور لائقِ استدلال ہونا بندہ نے واضح کر دیا ہے)۔ اس فقہی روایت کی تائید و تصدیق کرتی ہے اور یہ فقہی روایت اس حدیث کی توضیح اور بیان ہے تو حدیث شریف کے مطابق عمل کرنا جس طرح روا اور درست ہے اسی طرح اس فقہی روایت اور ان اکابر کے بیان فرمودہ طریقہ پر عمل بھی درست ہے۔ وہاں عباد اللہ کا عام لفظ مذکور ہے اور یہاں پر ان میں سے ایک شخصیت کی تخصیص و تعیین ہے اگر سب کی ندا، وپکار اور استغاثہ سے بہت سے شرکاء ماننا لازم نہیں آتا تو اس قول کے مطابق حضرت احمد بن علوان کا خُدا ماننا لازم نہیں آتا اور اولیاء کرام چونکہ انوارِ الٰہیہ کے ساتھ منوّر ہوتے ہیں لہٰذا ان کے لیے قرب اور بُعد کا امتیاز روا رکھنا درست نہیں۔ اسی طرح بعد از وصال ان کی ارواح مزید قوّت اور تصرّف کی مالک بن جاتی ہیں لہٰذا زندہ اور فوت شدہ کا فرق کرنا بھی غلط ہے۔ اور علماءِ اعلام اور بالخصوص علامہ سرفراز صاحب کے ہاں مسلّم ترین شخصیت حکیم الامّت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تصریحات کے مطابق اولیاء کرام ملاءِ اعلیٰ میں شامل ہو کر کارکنانِ قضا

وہ قدر اور مدبرات امر ہو جاتے ہیں لہٰذا جنگلات میں موجود ملائکہ کی طرح
مسافروں کی امداد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان لشکروں کی طرح جو
آوازوں کو پہنچاتے ہیں (جیسے علامہ صاحب کی مسلّمہ روایت میں مروی
و منقول ہے) اور شہری آبادیوں میں بھی لوگوں کی امداد و اعانت فرماتے
ہیں اور ان کی امداد و اعانت حاصل کرنا شرک نہیں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ
نے یہ امور سونپ رکھے ہیں تو ان حضرات سے بھی استغاثہ و استعانت
میں کوئی پہلو کفر و شرک والا نہیں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے قوت بھی
بخشی ہے اور تدبیر و تصرف کا اذن بھی دے رکھا ہے اور جس طرح
یہ طریقہ بتلانے والے علامہ صاحب اور ان کے ہم مشرب بھائیوں
کے فتوائے شرک سے بلند و بالا ہیں، اسی طرح ان کے پیروکار اہل السنت
بھی اس فتویٰ سے محفوظ و مصون ہیں اور بلند و بالا ہیں۔

هٰذا هو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال۔

گلدستۂ توحید

الجواب: اس عبارت سے سید احمد بن علوان سے استعانت
پر استدلال غلط ہے کیونکہ اس کے اول میں وارادان یردہ اللہ علیہ
اور آخر میں فان اللہ یرد ضالتہ ببرکتہ کے الفاظ صراحت کیساتھ
موجود ہیں (تا) اس عبارت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ لوٹائے گا
تو اللہ تعالیٰ ہاں اس میں سید احمد کی برکت اور طفیل اور وسیلہ شامل

سے ہے وہ جس طرح ملائکہ اور مومن جنات کی طرف سے حاصل ہوسکتی ہے اولیاء کرام سے بھی حاصل ہوسکتی ہے۔

۲۔ نیز مقبولانِ بارگاہ کی امداد و اعانت دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی امداد و اعانت ہوتی ہے اور وہ اس کی طرف سے ماذون اور مامور ہوتے ہیں اور اس کی عطا کردہ قوت و طاقت اور توفیق سے اعانت فرماتے ہیں جیسے غازیانِ اسلام اور مجاہدینِ بدر نے اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کیا اور اعانت چاہی اور اللہ تعالیٰ نے ملائکہ بھیج کر فریاد رسی اور اعانت فرمائی۔ کما قال تعالیٰ:

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

(سورہ الانفال آیت ۹)

تو جس طرح اس کو اللہ تعالیٰ کی امداد و اعانت کہنا صحیح اور درست ہے اسی طرح اس کو ملائکہ کی امداد و اعانت کہنا بھی صحیح اور درست ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی امداد و اعانت بھی اللہ تعالیٰ کی ہی امداد و اعانت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قولہ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

(سورۃ الانفال، آیت ۱۷)

قولہ تعالیٰ:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ

ہے اور توسل کا مسئلہ ہی الگ ہے۔

مفتی احمد یار خان صاحب نے عربی عبارت

فان لم ترد علی ضالتی

میں جہالت یا خیانت کی وجہ سے مجہول کا صیغہ معروف کا بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کیونکہ جب عبارت کے اوّل آخر حقیقۃً رد کرنے کا فاعل اللہ موجود ہے تو پھر لوٹانے کی نسبت حقیقۃً سید احمد بن علوان کی طرف کیسی؟ معنیٰ تو یہ ہے کہ اگر میری گم شدہ چیز مجھے واپس نہ لوٹائی گئی تو میں سمجھوں گا کہ آپ ولی ہی نہیں اور پھر آپ کا توسل اور برکت کس کام کی۔

گلشنِ توحید و رسالت

۱۔ علامہ سرفراز صاحب نے اس فقہی عبارت کو توسل اور تبرک پر محمول کیا ہے اور اس میں سید احمد بن علوان سے استعانت کی نفی اور انکار سے کام لیا ہے حالانکہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اور اس فقہی روایت میں مکمل موافقت و مطابقت موجود ہے اور وہاں جنگلات اور شہری علاقوں میں موجود رجالِ غیب سے استعانت کا انکار نہیں تو یہاں انکار کا موجب اور باعث کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص اعانت و امداد نہ ملائکہ اور رسل کرام میں پائی جا سکتی ہے اور نہ رجالِ غیب اور اولیاء اللہ میں، اور مخلوق کے شایان جو امداد

فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ج (سورۃ الفتح آیت ۱۰)

اور حدیث قدسی میں بھی اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے :

بی یسمع و بی یبصر و بی یبطش الحدیث -

تفصیل بحث گزر چکی ہے لہٰذا حضرت سیّد احمد بن علوان کی امداد و اعانت کو الگ سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی امداد و اعانت کو الگ سمجھنا سراسر غلط ہے بلکہ خلق و ایجاد کے لحاظ سے ہر فعل اللہ کا فعل ہے خواہ خلافِ معمول ہو یا معمول کے مطابق اور کسب و سببیت کے لحاظ سے بندوں کا فعل ہے خواہ خواص اور اخص الخواص کا فعل ہو یا عوام کا (مفصّل بحث گزر چکی ہے)

۳ - نیز اگر سیّدی احمد بن علوان کا گم شدہ چیز کی بازیابی میں کوئی دخل نہیں تو ان کو پکارنے اور ان کو دیوان اولیاء سے خارج سمجھنے کی دھمکی بھرے اندازِ نیاز سے دھمکی دینے کا کیا مطلب؟ اور جب لوٹانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہ فعال لما یشآء ہے تو کسی کے توسّل اور طفیل و تصدّق کو وہ نہ تسلیم کرے تو پھر اس ولی کا کیا قصور کہ اس کو دیوانِ اولیاء سے خارج سمجھا جائے؟ یا پھر علّامہ صاحب کو ماننا پڑ جائے گا کہ ان کا متوسّل جیسا کیسا بھی ہو اللہ تعالیٰ ضرور بر ضرور اس کی مراد بر لاتا ہے اور اس کا خلاف نہیں کرتا حالانکہ سرفراز صاحب تو سید المحبوبین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اپنی دعا اور بالخصوص چچا کے حق میں کی جانے والی دعا کو بھی غیر مقبول اور غیر مستجاب سمجھتے ہیں اور ان ہی کے حق میں بھی آپ کی ساری سعی کو بیکار محض اور بے اثر

سمجھتے ہیں تو کسی دوسرے شخص کا (خواہ وہ بذات خود ادنیٰ درجہ کا مسلمان ہی کیوں نہ ہو) کسی ولی کے ساتھ توسل اتنا موثر اور نتیجہ خیز کیونکر سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا خلاف ہرگز نہ فرماتے اور ہر حال میں اس کا مدعا پورا فرمائے۔

لہٰذا یہ امر تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت سیدّ احمد بن علوان کو پکارنے والا انہیں سے گم شدہ چیز کی بازیابی کا مطالبہ کر رہا ہے اور اللہ تعالےٰ کے ہاں ان کی ولایت کا اور ماذون من اللہ ہونے اور متصرف باذن اللہ ہونے کا معتقد ہونے کی حیثیت سے کہہ رہا ہے کہ اگر تم نے میری التجا کو شرفِ قبولیت نہ بخشا اور انجاح مطلوبہ میں اعانت و امداد نہ فرمائی تو میں سمجھوں گا کہ میں نے آپ کو غلطی سے ولی اور ماذون و متصرف سمجھ رکھا تھا۔ گویا پکارنے والے کی ندا و پکار اور خطاب کے صیغے جو اوّل و آخر میں مذکور ہیں وہ بھی اس امر کا قرینہ ہیں کہ گم شدہ چیز کو لوٹانا آپ کی طرف منسوب ہونا چاہیے اور دیوانِ اولیاء سے خارج سمجھنے کا جملہ بھی اس امر کا مؤید ہے لہٰذا ان کو سبب بھی تسلیم نہ کرنا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے۔

عجیبہ: اس عبارت میں دیوانِ اولیاء سے خارج کر دینے کا ذکر تھا اور اس کی نسبت متکلم کی طرف کرنے پر علامہ صاحب کو اعتراض نہیں بلکہ تاویل یہ کر لی کہ میں تمہیں دیوانِ اولیاء سے خارج سمجھوں گا تو ہمارے بیان کردہ قرائن کے تحت صیغہ خطاب بنا لیا جاتے اور لوٹانے کی نسبت

حضرت ابن علوان کی طرف دُعا اور سببیت کے لحاظ سے کر دی جلئے تو یہ کیوں جائز نہیں؟ کیا کسی ولی کو عامی آدمی کا دیوان اولیاء سے خارج کر دینا آسان کام ہے اور ولی کا گم شدہ چیز کو مالک تک پہنچا دینا مشکل کام ہے اور اوّل الذکر میں نسبت درست ہے اور ثانی الذکر میں درست نہیں ہے؟

۴۔ کیا بھاگی ہوئی سواری اگر اعینونی عباد اللّٰہ کہنے پر دستیاب ہو جائے تو یہ سمجھنا درست ہو گا کہ اسے اللّٰہ تعالیٰ نے نہیں لوٹایا صرف رجالِ غیب نے لوٹایا ہے۔ یا حضرت عمر رضی اللّٰہ عنہ کی آواز کو بقول علّامہ سرفراز صاحب لشکرِ خُداوندی نے حضرت ساریہ تک پہنچایا، تو یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اسے اللّٰہ تعالیٰ نے نہیں پہنچایا۔ طبیب کی دوا سے اگر مرض دُور ہو جائے تو کیا کہیں گے کہ اسے اللّٰہ تعالیٰ نے دور نہیں فرمایا سبھی اسبابِ ظاہرہ اور باطنہ عادت اور معمول کے مطابق مؤثر ہیں اور حقیقی مؤثر اور موجد اللّٰہ تعالیٰ ہی ہے لہٰذا ردِ ضالہ اور گم شدہ کی واپسی کی نسبت اللّٰہ تعالیٰ کی طرف بھی صحیح ہے از روئے ایجاد و تخلیق اور تقویّت و توفیق کے اور سیّد احمد بن علوان کی طرف بھی صحیح ہے بطور سبب اور کاسب ہونے کے لہٰذا علّامہ صاحب نے جن قرائن کو حضرت سیّد احمد بن علوان کی طرف گم شدہ چیز کے واپس کرنے کی نسبت سے مانع سمجھ لیا ہے وہ قطعاً مانع نہیں ہیں اور ہمارے بیان کردہ قرائن اور بالخصوص گم شدہ سواری کے واپس لانے والی حدیث میں عباد اللّٰہ

لہ رضی اللّٰہ عنہ۔

سے امداد کی اپیل اور اسے روکنے اور پابند کرنے کی درخواست اس نسبت کی مؤید اور مؤکد ہے۔

لہٰذا مفتی احمد یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کمالِ عرفان کا مظاہرہ کیا اور عبارت کی رُوح اور مغز کو بیان کیا جس میں نہ انکی جہالت کا شائبہ ہے اور نہ بد دیانتی کا البتہ وُہ جن اُلوّوں کو سیدھا کرنا چاہتے تھے وُہ ان سے سیدھے نہ ہونے تھے نہ ہُوئے۔ ؎

گلیم بخت کسے کہ بافند سیاہ
بآبِ کوثر و تسنیم سفید نتواں کرد

؎

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

۵۔ نیز اگر محض توسل اور تبرک مقصود ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا جاتا کہ محبوب کریم علیہ السلام کے طفیل یا سیّد احمد بن علوان کے طفیل اس گم شدہ چیز کو مجھ پر لوٹا ورنہ میں اس کو تیرے اولیاء اور مقبولین میں سے نہیں سمجھوں گا۔ جو خداوند رحیم و کریم سب سے قریب تر بھی ہے اور قادرِ مطلق بھی ہے اور سب کی سُنتا بھی ہے اور حاجات بر لانے والا بھی در حقیقت وہی ہے تو نسبت فعل کی بھی اس کی طرف کی جاتی اور اس کو نداء کی جاتی اور خطاب بھی اس سے ہوتا۔ خطاب اور نداء اول و آخر میں حضرت سیّد احمد بن علوان کو ہو اور حقیقی لوٹانے والا کون ہے

اس کا ذکر ہی نہ کیا جائے ۔ بجائے معلوم کے مجہول کا صیغہ بنا دیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بھی نسبت گوارا نہ کی جائے آخر اس مجہولیت کا باعث کیا ہے اور معلوم و معروف سے عدول کا محرک کیا ہے ؟

لہٰذا راجح اور مختار وہی ہے جو حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے اور اس سے اولیاء اللہ سے استغاثہ و استعانت اور وہ بھی دُور دراز سے اور وصال شریف کے بعد ثابت ہے اور اکابر فقہاء کرام کے ہاں اس کا مسلّم ہونا واضح ہوگیا لہٰذا اس کے عدم جواز کے لیے دُور دراز کی قید لگانا اور بعد از وفات کی قید لگانا اور فوق الاسباب کی قید لگانا لغو ہو کر رہ گئے اور علّامہ صاحب کی ساری سعی لا حاصل ثابت ہوئی ۔

۲ ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی شخصیت برصغیر پاک و ہند میں ہر صاحبِ علم کے نزدیک معروف اور مسلّم ہے اور بالخصوص ہم پر شرک کے فتوے لگانے والے اپنے ہر غلط فتویٰ اور قول کو انہیں کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں لہٰذا ہم ان کے الفاظ میں استعانت و استمداد کا جواز واضح کرتے ہیں اور اصنام و اوثان اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندی میں فرق اور امتیاز انہیں کے ارشادات سے ثابت کرتے ہیں ۔

۱ ۔ آپ بارگاہِ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں عقیدت و نیازمندی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے استعانت و استمداد

کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

تطلبت ھل من ناصراو مساعد
الوذ بہ من خوف سوء العواقب

میں نے بہت کوشش کر دیکھی کہ آیا کوئی مددگار اور ہاتھ بٹانے والا پاتا ہوں جس کی پناہ حاصل کروں بُرے انجام سے۔

اذا ما استتنی ازمۃ مدلھمۃ
تحیط بنفسی من جمیع جوانب

جب مجھے کوئی سخت تاریک مصیبت پیش آئے جو ہر طرف سے میرا احاطہ کرے۔

فلست اریٰ الا الحبیب محمّداً [1]
رسول الٰہ الخلق جمّ المناقب

تو میں نہیں دیکھتا سوائے حبیبِ کریم محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم کے جو خالق خلق کے کثیر المناقب رسُول ہیں۔

معتصم المکروب فی کل غمرۃ
ومن منتجع الغفران من کل تائب

مصیبت زدگان کی ہر مشکل میں پناہ گاہ ہیں اور ہر توبہ کرنیوالے کی بخشش میں مرکزِ امید ہیں۔

وصلّی علیک اللہ یاخیر خلقہ
ویاخیر مامول یاخیر واھب

صلی اللہ علیک یا حبیب اللہ

اور صلوٰۃ بھیجے اسے بہترین خلائق آپ پر اللہ تعالیٰ کیونکہ بہترین اُمیدگاہ اور بہترین داتا ہو۔

و یا خیر من یرجیٰ لکشف رزیۃ

ومن جودہ قد فاق جود السحائب

اے وُہ کریم کہ مصائب دُور کرنے میں بہترین امیدگاہ ہو اور جن کا جُود و نوال برستے بادلوں پر فائق ہے۔

فاشھد ان اللہ راحم خلقہ

وانک مفتاح لکنز المواھب

پس میں گواہی دیتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم کرنے والا ہے اور تم عطاؤں کے خزانوں کی کنجی ہو۔

وانت مجیری من ھجوم ملمۃ

اذا انشبت فی القلب شر المخالب

اور تم مجھے پناہ دینے والے ہو نازل ہونے والے مصائب کے ہجوم میں جب دل میں وُہ بدترین پنجے گاڑیں۔

فما انا اخشی ازمۃ مد لھمۃ

ولا انا من ریب الزمان براھب

تو میں نازل ہونے والی مصیبت سے خوف نہیں کھاتا، اور نہ حوادثِ زمانہ سے ڈرتا ہُوں۔

فانی منکم فی قلاع حصینۃ

وحد حدید من سیوف المحارب

کیونکہ میں تمہاری بدولت محفوظ قلعوں میں ہوں اور جنگجوؤں کی تلواروں سے آہنی دیوار کی اوٹ میں ہوں۔

رسول اللہ یا خیر البرایا

نوالک ابتغی یوم القضاء

اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اے بہترینِ خلائق میں روزِ قیامت آپ کے ہی جُود و نوال کا طالب ہوں۔

اذا ما حل خطب مدلھم

فانت الحصن من کل البلاء

جب کوئی تاریک مصیبت نازل ہو تو ہر بلا سے پناہ کا قلعہ آپ ہی ہیں۔

الیک توجھی وبک استنادی

وفیک مطامعی وبک ارتجائی

میری توجہ آپ کی طرف ہے اور آپ ہی میرا سہارا ہیں اور تم ہی سے طمع ہے اور تم ہی سے اُمید ہے۔

اس قصیدہ ، طیب النغم میں حضرت حکیم الامت نے رسولِ معظّم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے استعانت و استمداد فرمائی ہے اور آپ کو ہر مشکل کے حل اور ہر حاجت کے بر آنے میں سببِ کامل سید صلی اللہ علیک وسلم۔

اور ہر نعمت، و کرامت کے حصول میں مفتاح اور سبب وصول قرار دیا ہے
اور ندا، و پکار بھی سے ہے اور دُور و دراز سے بھی ہے اور فوق الاسباب
امور میں بھی ہے۔

اور یہی حکیم الامت حجۃ اللہ البالغہ میں تصریح فرماتے ہیں کہ بعض
نفوس انسانیہ ملاء اعلیٰ کا قرب حاصل کر لیتے ہیں اور ان میں شامل ہو
کر خلقِ خدا کی مدد کرتے ہیں جیسے کہ ص۱۴ ج ۱۔ ص۴۲ ج ۱۔ ص۲۵ ج ۱
ص۴۳ ج ۱۔ ص۱۱۱ ج ۱ پر یہ تصریح موجود ہے اور عبارات ذکر کی
جا چکی ہیں۔

۳۔ نیز آپ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں حل مشکلات اور قضائے
حاجات کے لیے یہ وظیفہ بتلاتے ہیں اور اکابرین ملت سے خود اس
کی اجازت حاصل فرمائی اور دوسرے حضرات کو اجازت دیتے رہے
اور اس کا معمول بھی رکھا۔ (بحوالہ سیف چشتیائی والکوکبۃ الشہابیہ)

نَادِ عَلِیّاً مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ
تَجِدْهُ عَوْنًا لَکَ فِی النَّوَائِبِ
کُلُّ هَمٍّ وَّغَمٍّ سَیَنْجَلِی
بِنُبُوَّتِکَ یَا مُحَمَّدُ[1] بِوَلَایَتِکَ یَا عَلِیُّ[2] یَا عَلِیُّ یَا عَلِیُّ[3]

یعنی پکار علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جن کی ذات پاک سے وہ خوارق
اور فیوض ظاہر ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں جب تو
انہیں ندا کرے گا تو انہیں مصائب و آفات میں اپنا مددگار پائے گا،

[1] صلی اللہ علیک یا حبیب اللہ [2] کرم اللہ وجہہ۔ [3] یہ کلمات طیبہ دعائے سیفی کا حصہ ہیں
(حاشیہ آگے ملاحظہ ہو)

ہر رنج و الم بھی دُور ہوتا ہے تیری ولایت کے سبب یا علی یا علی یا علی ۔

اس میں حضرت شاہ صاحب اور ان کے اساتذہ اور مشائخ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکارنے کا حکم دینا بھی ثابت اور انکا معاون و مددگار ہونا بھی ثابت اور انکی ولایت کے طفیل ہر رنج و الم کا دُور ہونا بھی ثابت اور آپ کی ندا، و پکار بھی ثابت ہے۔ نیز حضرت حکیم الامت محدث دہلوی رحمہ اللہ نے الانتباہ کے باب اشتغال میں فرمایا کہ :

یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ

ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھے ۔

اس میں ندا، بھی ہے اور آپ سے خُداوند تعالیٰ کے نامِ اقدس کے طفیل مطلوب عطا کرنے کا سوال بھی ہے اور قریب و بعید اور حالتِ حیات اور ممات کا فرق بھی نہیں بلکہ آپ کے وصال شریف کے صدیوں بعد یہ انداز طلب اور طریقِ استعانت بتلا رہے ہیں۔ لہٰذا ان سب حضرات کو بھی ہماری طرح شرک کے فتووں سے نوازیئے یا پھر ہمیں بھی معاف رکھیے آخر یہ کونسا اسلام ہے جس میں اپنی پسندیدہ شخصیات کے لیے شرک بھی اسلام بن جائے اور ناپسندیدہ اشخاص کا اسلام بھی شرک بن جائے۔

۴۔ حضرت حکیم الامت کے فرزند ارجمند اور خاتم المفسرین والمحدثین حضرت شاہ عبد العزیز قدس سرہ العزیز حضرت شیخ سید زروق رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ :

(بقیہ) جس کی اجازت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت شیخ محمد سعید علیہ الرحمہ سے حاصل کی فرماتے ہیں۔ ایں فقیر در سفر حج چوں بہ لاہور رسید دولت بوس شیخ محمد سعید لاہوری یافت ایشاں اجازت دعائے سیفی دادند۔

بالجملہ مرد جلیل القدریست کہ مرتبۂ کمال او فوق الذکر است و او آخرِ محقّقان صوفیہ است کہ بین الحقیقت والشریعت جامع بودہ اند و بشاگردیِ او اجلّۂ علماء مفتخر و مباہی بودہ اند مثل شہاب الدین قسطلانی وشمس الدین تعانی و خطاب الکبیر وطاہر بن زبان روادی و او را قصیدہ ایست بر طور قصیدۂ جیلانیہ کہ بعض ابیات او این است :

انا لمریدی جامع لشتاتہ

اذا ما سطا جور الزمان بنکبۃ

وان کنت فی ضیق وکرب ووحشۃ

فناد بیا زروق اٰت بسرعۃ

خلاصۂ کلام یہ ہے، یہ شخصیت بہت جلیل القدر ہے کہ انکا مرتبۂ کمال بیان سے باہر اور بالاتر ہے اور ان محقّقین صوفیا میں سے آخری ہیں جو کہ حقیقت اور شریعت کے مجمع البحرین ہیں اور ان کی شاگردی پر جلیل القدر علماءِ کرام فخر و مباہات کا اظہار کرتے ہیں مانند شہاب الدین قسطلانی شمس الدین تعانی، خطابِ کبیر اور طاہر بن زبان روادی کے اور ان کا ایک قصیدہ ہے حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قصیدہ کے انداز پر کہ اس کے دو بیت یہ ہیں :

میں اپنے مرید کی پراگندگیوں اور پریشانیوں کو جمعیت و سکون میں بدلنے والا ہوں۔ جبکہ زمانہ کا جور و ستم بدبختی و ادبار کے ساتھ اس پر حملہ آور ہو اگر تو کسی تنگی اور کربت و سختی اور وحشت و گھبراہٹ میں

(بقیہ) بل اجازت جمیع اعمال جواہر خمسہ و سند خود بیان کردند و ایشاں دریں زمانہ یکے از اعیان مشائخ طریقۂ احسنیہ و شطاریہ بودہ اند و چوں کسے را اجازت مے دادند او را بادعوت رجعت نمی شد۔ انتباہ و مترجم ص ۱۳۸۔

مبتلا ہو تو یا زروق کہہ کر پکار میں فوری طور پر تیرے پاس امداد و اعانت کے لیے آموجود ہوں گا۔

حضرت خاتم المحدثین جس ہستی کی مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ مدح وثنا اور تعریف و توصیف فرما دیں اور اکابر علماء اعلام جنکی شاگردی پر نازاں ہوں اور وہ شریعت و حقیقت کے مجمع البحرین بھی ہوں تو ان کا فرمان ضروری ہے کہ صحیح اور درست ہو اور اس پر عمل کرنے والا کفر و شرک سے بری اور منزہ ہو۔ حالانکہ اس قصیدہ میں پکارنے کا حکم بھی ہے اور حاضر ہونے اور امداد و اعانت کرنے اور کرب و الم اور اضطراب و وحشت کے دور کرنے کی بشارت بھی موجود ہے اگر یہ نظریہ کفر و شرک ہوتا تو اس کے قائل کو حضرت شاہ صاحب ان اوصافِ کمال سے یاد نہ کرتے اور اس شرکیہ قصیدہ کو ذکر کر کے خود اس میں حصہ دار نہ بنتے لہٰذا واضح ہو گیا کہ ہم اہلسنت کا نظریہ دراصل جامع الشریعت والحقیقت بزرگانِ دین اور مقتدایانِ ملت کا عقیدہ و نظریہ ہے۔

نیز آپ کے فرمان کے مطابق قصیدہ غوثیہ کی نسبت حضرت شاہِ جیلاں غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف برحق ثابت ہو گئی اور اس میں بھی استمداد و استعانت کرنے اور آپ کی طرف سے امداد و اعانت فرمانے کی ضمانت ہے اور تمام بلاد و عباد پر حکومت اور تصرف و تسلط کا اعلان ہے۔

۵۔ حضرت علامہ خیر الدین رملی اپنے فتاوی میں

یَا شیخ عَبدالقَادِر جِیلانی شیئاً لِلّٰہ۔

کے متعلق فرماتے ہیں:

فھو نداء ولذا اضیف الیہ شیٔ للّٰہ فھو طلب الشئ اکراماً للّٰہ فما الموجب للحرمۃ۔

(ص ۱۸۲ ج ۲)

کہ یہ حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کو پکارنا اور ندا کرنا ہے اور جب اس کے ساتھ شیئاً للّٰہ کا اضافہ کر دیا جائے تو وہ اللّٰہ تعالٰے کے نام کی عزت و تکریم کے وسیلہ سے شے کا طلب کرنا ہے لہٰذا اس کے حرام ہونے کی کوئی علتِ موجبہ نہیں ہے۔[1]

۶۔ علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں "شیئاً للّٰہ" پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:

قیل یکفر لعل وجھہ انہ طلب شیئاً للّٰہ تعالیٰ واللّٰہ تعالیٰ غنی عن کل شی والکل مفتقر ومحتاج الیہ وینبغی ان یرجح عدم التکفیر فانہ یمکن ان یقول اردت ان اطلب شیئاً اکراما للّٰہ شرح الوھبانیۃ قلت فینبغی او یجب التباعد عن ھٰذہ العبارۃ وقدمر ان ما فیہ خلاف یوم بالتوبۃ والاستغفار وتجدید النکاح لکن

[1] وکذا جوزالامام السیوطی یا سیدی عبدالقادر الخ کتاب الرحمۃ فی الطب والحکمۃ ص ۲۷۔

هذا ان كان لايدرى مايقول اما ان قصد المعنى الصحيح فالظاهر انه لا باس به

(ص ۳۳۹ ج ۳)

کہاگیا ہے کہ شیئاً للہ کفر ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شے طلب کرنا ہے حالانکہ وہ ہر شے سے بے نیاز ہے اور سبھی اس کے فقیر اور محتاج ہیں اور مناسب یہی ہے کہ اس کلمہ کے کفر نہ ہونے کو راجح اور مختار قرار دیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ بولنے والا کہے میں نے ارادہ یہ کیا ہے کہ میں یہ چیز (اپنے لیے) طلب کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی تکریم و تعظیم کے توسل سے شرح الوہبانیہ میں کہتا ہوں پس مناسب اور موزوں یا واجب و لازم امر یہ ہے کہ ایسی عبارتوں سے دور رہا جائے اور یہ تحقیق پہلے گزر چکی ہے کہ جس امر میں اختلاف ہو اس میں توبہ و استغفار اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب بولنے والا اپنے قول کا مطلب و مفہوم نہ جانے اور بغیر سوجھ بوجھ کے ایسے الفاظ زبان پر لائے لیکن اگر صحیح معنی کا قصد کرے تو یقینی امر یہی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور یہ حقیقت واضح ہے اور بیان و استدلال سے مستغنی ہے کہ کوئی عام انسان چہ جائیکہ مسلمان اللہ کو ضرورت مند نہیں سمجھ سکتا اور نہ ہی اس کے لیے کوئی شے طلب کرنے کا وہم و گمان ہی

کر سکتا ہے بلکہ ہر سائل اور محتاج و فقیر اللہ تعالیٰ کے نام اقدس کو ...
صرف وسیلہ ہی بناتا ہے اور اس کے اکرام و اعزاز اور توقیر و احترام ...
کو اپنے مدعا کے پورے ہونے اور اکمل و اتم طریق پر اور جلد از جلد ...
پورے ہونے کا وسیلہ بناتا ہے اور انہیں معنیٰ کے تحت خود اللہ تعالیٰ
نے لوگوں کا معمول بتلایا اور فرمایا :

وَالذی تسألون بہ والارحام ۔

وُہ ذات ذاتِ والا ہے کہ اس کے طفیل اور ارحام کے توسل سے
تم سوال کرتے اور مدّعا طلب کرتے ہو۔

لہٰذا جب یہی احتمال متعین ہے اور ہر شخص اس معنیٰ و مفہوم پر
مطلع ہوتا ہے اور اسی کو مدِ نظر رکھ کر ہی سوال کرتا ہے تو اس کے
مباح اور جائز ہونے میں شک و شبہ کی کوئی وجہ نہیں رہتی، علامہ
خیر الدین رملی فرماتے ہیں :

وھذا لا یختلج فی خاطر احد فان ذکرہ تعالیٰ
للتعظیم کما فی قولہ تعالیٰ فان للہ خمسہ و
مثلہ کثیر ۔ (ص ۱۸۲ ج ۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کی محتاجی والا معنیٰ کسی کے دل میں نہیں کھٹکتا کیونکہ
اللہ تعالیٰ کا ذکر فقط تعظیم کے لیے ہے جیسے کہ قولِ باری فان
للہ خمسہ میں یعنی مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے
ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت جگہ واقع ہے تو اس بے بنیاد

بعد موہوم اور غیر ناشی عن دلیل شبہ کی بنا پر مسلمانوں کو کافر قرار دینا قطعاً
باطل ہے۔

اذ لا وجه لذٰلك وكيف مع قولهم لا يخرج
المؤمن من الايمان الا جحود ما ادخله وقولهم
الكفر شيء عظيم فلا يكفر المسلم اذا اختلف
فيه ولو برواية ضعيفة ومعاذ الله ان يوجد
الكفر بذٰلك۔ (ص ۱۸۲)

کیونکہ کفر کی کوئی وجہ نہیں اور کیونکر ہو سکتی ہے جبکہ فقہاء کرام
فرماتے ہیں کہ مومن کو ایمان سے اسی چیز کا انکار نکال سکتا ہے جس چیز کے اقرار
نے اس کو اہلِ ایمان میں داخل کیا اور فرماتے ہیں کہ تکفیر بہت بڑا اہم معاملہ
ہے لہٰذا کسی مسلمان کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے جب اس قول کے کفر ہونے
میں اختلاف ہو اگرچہ ضعیف روایت کے مطابق بھی اور معاذ اللہ کہ
اس کلمہ سے کفر متحقق ہو۔

فائدہ: نیز علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کی ان دونوں عبارتوں کو
پیش نظر رکھنے سے یعنی شیئاً للہ کی تحقیق اور گم شدہ کی واپسی کیلئے

یا سیدی احمد یا ابن علوان ان لم ترد علیّ ضالتی۔

پکارنے کی تجویز و تصحیح سے یہ امر بھی واضح ہو جائے گا کہ گم شدہ چیز کے
واپس کرنے اور لوٹانے کی نسبت حضرت سیّد احمد بن علوان کی طرف بالکل
درست ہے اور اس کو مجہول بنانے اور حضرت ابن علوان کو رد اور واپسی

کا فاعل نہ ماننے کی کوئی وجہ وجیہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب اللہ تعالے کے نام کا واسطہ دے کر کسی ولی اور محبوبِ خداوندی سے کوئی شے طلب کرنا جائز ہے تو گم شدہ کی واپسی کا آپ سے مطالبہ کیوں کر جائز نہیں ہوگا ؟

گلدستۂ توحید

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی لکھتے ہیں :

چنانچہ بعضے وظیفہ یا بہاؤالدین مشکل کشا درنشست وبرخاست اشتغال داشتہ خود را از محبّانِ حضرت بہاؤالدین علیہ الرحمہ شمردہ اند و بعضے برائے کشائشِ رزق ، یا نظام الدین اولیاء زری زربخش ورد نمودہ اند و گروہے اختراع کردہ اند کہ از برائے ہر مہم ورد

یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ

کفایت می کند۔ خبردار باید شد کہ ایں ہمہ افتراء و بہتان است شل این معنیٰ اصلا از اہلِ طریقت مستقیمہ روایت نمی کنند و از مردم ثقہ مروی نشدہ۔ (البلاغ المبین صـ۹۳) دریں کلام خدا تعالیٰ را شفیع گردانیدہ اند و حضرت شیخ را دہندہ و حقیقت بالعکس می نماید۔

(البلاغ المبین صـ۱۲۸)

نیز حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں :

واعلم ان طلب الحوائج من الموتیٰ عالما بانہ سبب

لا نجاحها کفر یجب الاحتراز عنه بحرمه
هٰذه الکلمة والناس الیوم فیها منهمکون -

(الخیر الکثیر ص۱۰۱)

جاننا چاہیے کہ مُردوں سے یہ جانتے ہوئے حاجتیں طلب کرنا کہ وُہ حاجات پُورا ہونے کا سبب محض ہیں خالص کفر ہے اس سے احتراز کرنا واجب ہے اور اس کو یہ کلمہ (شہادت) حرام قرار دیتا ہے مگر لوگ اس میں (بکثرت) اس زمانہ میں مبتلا ہیں۔

غور کیجیے کہ حضرت شاہ صاحب مُردوں سے حاجات طلب کرنے کو اور وُہ بھی محض ان کو سبب سمجھ کر کُفر قرار دیتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اگر کوئی غائبانہ مُردوں سے حاجت طلب کرے گا تو وُہ ان کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب مانے گا اور پہلے باحوالہ گزر چکا ہے کہ :

من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر

لہٰذا اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ بزرگوں کی حاضری ان کے حاجات کے پورا ہونے کا سبب ہے تو اس میں وہی حاضر و ناظر ہونے وغیرہ کا مسئلہ شامل ہو جاتا ہے۔ (ص۱۵۳، ۱۵۴)

گلشنِ توحید و رسالت

۱۔ علاّمہ صاحب نے شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ کا نام مُبارک استعمال کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وُہ اس طرح کے

وظائف کو ناجائز قرار دیتے ہیں حالانکہ جس کتاب کا حوالہ دیا ہے یہ ان کی کتاب ہی نہیں ہے اور محض افتراء اور بہتان کے طور پر ان کی طرف اس کو منسوب کر دیا گیا ہے۔ شاید علامہ صاحب کے نزدیک شاہ ولی اللہ کی طرف منسوب کتاب خواہ بطور افتراء ہی کیوں نہ ہو حجت و برہان ہو گی صرف احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نسبت و اسناد معلوم کرنا ضروری ہو اور وہ بھی مخالفین کی پیش کردہ روایات میں لیکن اپنے حق میں موضوع روایات ہوں یا جعلی کتابیں ہوں سبھی حجت اور دلیل ہوں گی اور بیّن برہان اور انہیں بلا جھجک مخالفین کے خلاف مقام استدلال میں پیش کرنا بالکل جائز اور روا ہو گا۔

اور اس معاملہ میں ہم ان کو معذور سمجھتے ہیں کیونکہ یہ عادت اور معمول ان میں بطور وراثت آ گیا ہے اور گویا ان کی گھٹی میں شامل ہے۔ ان کے اکابر خلیل احمد صاحب انبیٹھوی اور رشید احمد صاحب گنگوہی علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انکار میں بھی ایسے ہی گل کھلایا کرتے تھے اور گلدستے پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ

براہین قاطعہ میں لکھا ہے:

شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھکو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ہے۔ (ص ۵۱)۔

حالانکہ شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

گفتہ اند کہ صواب آنست کہ چنانکہ قلب شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

را احاطہ و وسعتے در درک و علم معقولات داوند حواس لطیف اورا نیز احاطہ و درک محسوسات بخشید ند و جہات ستہ را در حکم جہت گردانید ند واللہ اعلم وانیجا اشکال می آرند کہ در بعضے روایات آمدہ است کہ گفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ من بندہ ام نمیدانم آنچہ در پس ایں دیوار است جوابش آنست کہ ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ است ۔ (مدارج النبوت صک ۱۶)

علماءِ اعلام نے فرمایا ہے کہ صحیح اور صواب یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل مبارک کو معقولات کے ادراک اور علم میں اللہ تعالیٰ نے احاطہ اور وسعت بخشی ہے آپ کے حواسِ لطیفہ کو بھی محسوسات کے ادراک میں احاطہ بخشا ہے اور چھ جہتوں کو آپ کے لیے ایک جہت کے حکم میں کر دیا ہے اور اس جگہ یہ اشکال اور سوال پیش کرتے ہیں کہ بعض روایات میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بندہ ہوں اور میں نہیں جانتا جو اس دیوار کے پیچھے ہے ۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اس قول کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے اور اس کے متعلق روایت صحیح نہیں ہے ۔

اور علامہ علی قاری علیہ الرحمہ موضوعاتِ کبیر میں فرماتے ہیں :

قال العسقلانی لا اصل لہ ۔ (صـــ)

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے لیکن بایں ہمہ علماءِ دیوبند نے حضرت شیخ محقق کے حوالے سے

ہی اس کو درج کر کے ان کے علمِ مصطفوی کے متعلق عقیدہ و نظریہ کا بھی مذاق اڑایا اور اس حدیث کی موضوعیت کے متعلق ان کے قولِ فیصل کا بھی اور خم ٹھونک کر اس کو علمِ مصطفوی کی نفی میں بطورِ دلیل و برہان پیش کر دیا۔

لہٰذا علامہ سرفراز صاحب اگر اپنے اسلاف کی اقتدار میں اسی چابکدستی کا مظاہرہ کریں تو محلِ تعجب نہیں بلکہ الولد سر لابیہ کی منہ بولتی دلیلِ صدق اور برہان عدل ہے۔

لیکن علماءِ کرام کی تنقید اور طعن و تشنیع سے مجبور ہو کر بطورِ حاشیہ اتنا قدر تسلیم کر لیا کہ بعض حضرات نے جن میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی بھی شامل ہیں البلاغ المبین کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تالیف تسلیم نہیں کیا۔ ہمارا کوئی مسئلہ اس پر موقوف نہیں ہے۔

ع عمرت دراز باد ایں ہم غنیمت است

مقام تعجب ہے کہ جب کتاب کے متعلق آپ کے اکابر بھی تسلیم کر چکے کہ حضرت شاہ صاحب کی نہیں اور اس سے قطعِ نظر اس میں اختلاف ہی تسلیم کر لیں تو کتاب بذات خود مختلف فیہ ہے اور اس کی نسبت کے متعلق علماءِ اعلام کو کلام ہے تو اس قدر اہم نزاعی مسئلہ میں اس سے استدلال کا کوئی عالم و فاضل کیونکر سوچ سکتا ہے اور ایسی جسارت کیونکر کر سکتا ہے لیکن علامہ صاحب اور ان کے اسلاف کے نزدیک یہ معمول کی بات ہے۔

نیز یہ دعویٰ کہ "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" اور اس مضمون کے دوسرے اوراد و وظائف افتراء اور بہتان ہیں اور اہلِ طریقت مستقیمہ اور ثقہ لوگ ان کو روایت نہیں کرتے خلاف تحقیق ہے اور فقہاءِ کرام کے قبل ازیں ذکر کردہ اقوال کے سراسر خلاف ہے اور خود شاہ صاحب کے اقوال کے بھی خلاف ہے۔

فتاویٰ خیریہ میں سوال کی عبارت اور جواب میں اس کی تصویب اور تجویز سے اس کا روایت کا ثقہ ہونا اور اہلِ طریقت مستقیمہ سے مروی ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سوال کی عبارت ملاحظہ ہو۔

سئل من دمشق من الشیخ ابراهیم العمادی فیما اعتاده السادة الصوفیة من حلق الذکر والجهر به فی المساجد من جماعة ورثوا ذٰلك عن أباءهم واجدادهم وینشدون القصائد الصوفیة الصادرة عن ذوی المعارف الالٰهیه كالقادریه والسعدیة والمطاوعیة وغیرهم ممن سلمت لهم فقهاء الملة المحمدیة و یقولون یا شیخ عبد القادر، یا شیخ احمد یا رفاعی شیئ لله عبد القادر ونحو ذٰلك۔ (صنہ ۱۸)

دمشق سے شیخ ابراہیم عمادی کی طرف سے سوال کیا گیا سادات صوفیہ کے اس معمول اور رسم و عادت کے متعلق جو انہوں نے اپنا رکھی ہے

یعنی مساجد میں باجماعت ذکر کی حلقہ بندی اور جہر کے ساتھ ذکر جو کہ ان میں آباء و اجداد سے متوارث اور متواتر طور پر چلا آتا ہے اور وہ ان صوفیانہ قصائد کو بھی پڑھتے ہیں جو معارف الٰہیہ کے واقف اور محرم حضرات سے صادر ہوئے مانند قادریہ، سعدیہ اور عطاوعیہ وغیرہ کے جن کی شانِ والا اور مقامِ بالا کو ملتِ محمدیہ کے فقہاء نے تسلیم کیا ہے، اور وہ کہتے ہیں

یا شیخ عبدالقادر، یا شیخ احمد یا رفاعی، شیئاً للہ عبدالقادر اور اس کی مانند۔

حالانکہ علامہ خیرالدین رملی ۱۰۱۳ھ میں مصر کے جامع ازہر سے فارغ ہو کر وطن مالوف لوٹے اور ۱۰۸۳ھ میں ان کا وصال ہوا اور ان کی خدمت میں جو سوال پیش کیا جا رہا ہے اس میں اس طریقہ کا سادات صوفیہ میں آباء و اجداد سے معمول اور مرسوم و معہود ہونا مذکور ہے تو حضرت شاہ صاحب جیسی علمی شخصیت ایسے معمولات کو اور اتنے عرصے سے سادات صوفیہ میں رائج امر اور معمول کو افتراء اور بہتان سے کیونکر تعبیر کر سکتی ہے اور آپ اس روایت کی صحت و ثقاہت کا انکار کیونکر کر سکتے ہیں؟ نیز علامہ خیرالدین اس نداء اور سوال کو جائز بھی قرار دے رہے ہیں۔

لہٰذا اس انکار اور رد و قدح کی نسبت آپ کی طرف کرنا بہت بڑا افتراء اور بہتان ہے اور ان کی علمیت اور ثقاہت کو شدید نقصان

پہنچانے کی مذموم سعی ہے اور اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ آزمانے کی بدترین کوشش اور بھونڈی حرکت ہے جو عام اہلِ اسلام کو بھی زیبا نہیں۔

۲۔ دُوسری عبارت میں حضرت شاہ صاحب قدس سرّہٗ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ یا شیخ عبدالقادر شیئاً للّٰہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللّٰہ عنہ کو عطا کرنے والے قرار دیا گیا ہے اور اللّٰہ تعالیٰ کو شفیع قرار دیا گیا حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ لیکن یہ بات بھی حضرت حکیم الاُمّت جیسی شخصیت سے بعید تر ہے کہ اس عبارت سے اللّٰہ تعالیٰ کی ذات کو حضرت شیخ کی بارگاہ میں شفیع سمجھیں کیونکہ یہاں اللّٰہ تعالیٰ کے نام کو وسیلہ بنایا گیا ہے اور اس نامِ اقدس کا واسطہ اور وسیلہ بنانا محلِ اعتراض نہیں ہو سکتا اور اس لیے فقہاءِ کرام اور علماءِ اعلام نے اس کو جائز رکھا ہے بلکہ اللّٰہ تعالیٰ نے آپ اس کا اہلِ ایمان میں مروج اور معمول ہونا بیان فرمایا چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط (سورہ نسآء۔ آیت ۱)

اللّٰہ تعالیٰ وُہ ذات ہے کہ تم اس کے وسیلہ سے سوال کرتے ہو اور مطالبات کرتے ہو اور ارحام کے وسیلہ سے۔

جب اللّٰہ تعالیٰ اس طرح کے سوال کو معمول و مروّج قرار دے اور اس پر اعتراض نہ فرمائے تو کسی دُوسرے شخص کو اعتراض کا کیا حق ہے؟ اور بالخصوص ایسے اکابرین محدثین و مفسرین اس پر اعتراض کیسے کر سکتے ہیں؟

علاوہ ازیں کوئی مسلمان بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ حضرت شیخ قدس سرہٗ اپنی طرف سے دیتے ہیں یا دینے پر قادر ہیں ہر مسلمان یہی سمجھتا ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ خزائن سے اور اس کے اذن سے ہی دیتے ہیں اور دے سکتے ہیں اور وُہ جب خود تسلیم کرتے ہیں کہ مومنین کاملین وصال کے بعد ملاء اعلیٰ کے ساتھ شامل ہوکر مدبرات امر اور کارکنانِ قضاوقدر سے بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے خزائن سے عطا کرنے کا اذن انکے حق میں تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ کیوں اور اس پر اس قدر سطحی ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعتراض کرنا آپ جیسی شخصیت سے بعید ترین ہے

۳۔ تیسری عبارت میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وُہ خود سرفراز صاحب کے بھی خلاف ہے کیونکہ شاہ صاحب نے قریب اور بعید کا کوئی فرق نہیں کیا جبکہ علامہ سرفراز صاحب اسی فرق کا اعتبار ضروری سمجھتے ہیں۔ نیز اس عبارت سے فوت شدگان کے سبب ہونے کی بھی نفی ہوگئی اور یہ عقیدہ کلمۂ شہادت کے خلاف ہوگیا حالانکہ علامہ شامی کی عبارت یا سیدی احمد یا ابن علوان کی بحث میں علامہ صاحب تسلیم کر چکے کہ گم شدہ چیز کو لوٹائے گا تو اللہ تعالیٰ مگر سیدّ احمد بن علوان کے وسیلہ طفیل اور ان کی برکت سے اور جن کے وسیلہ طفیل اور برکت سے کوئی شے عطا ہو کیا وہ اس میں سبب نہیں ہوں گے علاوہ ازیں کیا ہم علامہ صاحب سے دریافت کر سکتے ہیں کہ صرف طلب حاجت حرام ہے یا ان کو سبب سمجھنا حرام ہے۔ اگر سبب سمجھنا حرام ہے تو علامہ صاحب کے اسلاف اور اکابر تسلیم کر چکے کہ سیدّ احمد

بریلوی کو نبیِ کرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سوتے میں تین چھوہارے کھلاکر کمالاتِ نبوّت کی تکمیل کرادی اور حضرت خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ نے چشتی سلسلہ کی ولایت عطا فرمائی اور حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے قادریہ سلسلہ کی اور حضور سیّدنا خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرّہٗ نے نقشبندیہ سلسلہ کی ولایت عطا کی اور ایک پہر تک پُر زور تاثیر فرماکر دونوں حضرات نے یہ فیض عطا فرمایا۔ تو کیا واقعی ملّت دیوبندیہ یہ تسلیم کرے گی کہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی صاحب نے یہ امور ذکر کرکے سیّد احمد بریلوی صاحب نے ان کو بتلا کر اور انہیں سبب فیض اور وسیلہ اکتساب مان کر اور دُوسروں کو اس نظریہ وعقیدہ پر کاربند بنا کر حرام در حرام امر کا ارتکاب کیا ہے؟

اور اگر ان کو سبب فیض و عطا سمجھنا حرام نہیں تو پھر ان کو سبب محض سمجھتے ہوئے طلبِ حاجت کیونکر حرام ہے اور سیّد احمد بریلوی صاحب حضرتِ خواجہ قطب الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مُبارک پر اس طلب کے لیے ہی تو حاضر ہوتے تھے تو کیا انہوں نے حرام امر کا ارتکاب کیا یا نہیں؟

نیز سیّد احمد بریلوی کے نبیرہ نے حضرت سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے مزارِ مُبارک پر حاضری دے کر جو عرض کیا کہ اے نانی جان ہم بھُوکے ہیں اور تمہارے مہمان ہیں لہٰذا ہماری مہمانی کرو اس میں وُہ حرام امر کے مرتکب ہُوئے یا نہیں ہوتے؟

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اپنے بزرگوں کے لیے ان کمالات کا اظہار کرنا ہو تو پھر اولیاء کرام اور محبوبانِ خداوند تعالیٰ کو سبب ماننا بھی جائز اور ان سے طلبِ حاجت بھی جائز اور اس وقت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے ارشادات بھول جائیں بلکہ خود گھر والوں کو کیونکہ شاہ اسمٰعیل دہلوی صاحب اسی خاندان سے نسبی تعلق رکھتے تھے اور صرف دوسروں کے لیے فتویٰ بازی مقصود ہو تو مصنوعی اور بہتان و افتراء پر مبنی کتب کے حوالے پیش کر دیتے جائیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز کے فتاویٰ کی عبارات گزر چکی ہیں جن میں انہوں نے اولیاء کرام سے بعد از وصال استعانت کو بالکل جائز اور درست تسلیم کیا اور برہمن کا رد فرمایا جس نے بتوں کو اور اہلِ قبور کو ایک جیسا قرار دیا تھا تو کیا انہیں اپنے والدِ گرامی کے ارشادات کا علم نہیں تھا؟ اور سلسلہ اویسیہ کے استفاضہ اور استفادہ کا طریقہ بھی یہی بیان فرمایا کہ وہ کمالاتِ باطنی انہیں اہلِ قبور سے حاصل کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ارباب حاجات ان سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں اور مشکلات کا حل چاہتے ہیں، اور اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں جیسے کہ فالدبرات امراکی بحث میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ نیز آپ تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

حضرت امیر و ذریت طاہرہ او را تمام امت بر مثال مریداں و مرشداں می پرستند و امور تکوینیہ را وابستہ بایشاں می دانند و فاتحہ درود و صدقات و نذر بنام ایشاں رائج و معمول گردیدہ چنانچہ با جمیع

...یاء اللہ ہمیں معاملہ است۔

اگر امورِ تکوینیہ کو بطور سبب بھی کسی ولی سے متعلق ماننا حرام ہے تو ...م اُمت کو حضرت شاہ عبدالعزیز نے اس میں متفق کیوں مانا اور ایسے ...ں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت ہی کیوں تسلیم کیا۔ کیا ...پ بیٹے میں نظریاتی تخالف اور تضاد تھا؟

خود حضرتِ شاہ صاحب قدس سرّہٗ کی الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ...ں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھنے کی تلقین ...جود ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نداء کرنے اور انہیں معاونؑ مددگار ...ھنے کی تلقین موجود ہے لہٰذا علامہ صاحب نے سراسر افتراء اور کذب ...مبنی کتب سے یہ عبارات پیش کی ہیں جن سے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ...ی شخصیت مبرا و منزہ ہے۔

حضرت العلامہ قبلہ پیر محمد کرم شاہ صاحب قدس سرّہٗ العزیز نے ...قصیدہ اطیب النغم مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرّہٗ العزیز کی شرح ...کے مقدمہ میں البلاغ المبین کے علاوہ بھی کئی کتب کے نام بصراحت ذکر فرماتے ہیں اور بعض کی طرف اشارہ فرما دیا ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

آپ کی تاریخ ساز شخصیت اور حیات آفرین کارناموں کی بدولت آپ کی شہرت ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گئی تھی۔ ہر شخص آپ کو ادب اور احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔ آپ کی خداداد مقبولیت سے

ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے بعض بد مذہبوں نے خود کتابیں تصنیف کیں جن میں اپنے عقائدِ باطلہ کو بیان کیا اور اہل السنّت کے عقائد حقہ پر طعن و تشنیع کی حد کر دی۔ پھر ان کتابوں کو حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا تاکہ ان کے نام کی وجہ سے ان کھوٹے سکوں کو بھی لوگ آنکھیں بند کر کے قبول کر لیں۔ ان کتب میں جو تصنیف کر کے آپ کی طرف منسوب کی گئیں درج ذیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

البلاغ المبین ، تحفۃ الموحدین ، قرۃ العینین فی ابطال شہادۃ الحسین رضی اللہ عنہ ۔ الجنۃ العالیۃ فی مناقب المعاویہ رضی اللہ عنہ ۔

علماءِ محققین نے پوری تحقیق کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ ان کی نسبت حضرت شاہ صاحب کی طرف محض جھوٹ ہے۔ (ص ۱۴، ص ۱۵)

گلدستۂ توحید

بیہقیِ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ الحنفی المتوفی سنہ ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں

طلبِ مُراد من غیر اللّٰہ ___ مسئلہ اگر کوئی کہے کہ خدا و رسول اس بات پر گواہ ہیں وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اولیاء معدوم کو موجود کرنے یا موجود کو نابود کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ پس پیدا کرنے ، نابود کرنے رزق پہنچانے ، اولاد دینے ، بلا دُور کرنے ، مرض سے شفاء بخشنے وغیرہ کی نسبت ان سے مدد طلب کرنا کفر ہے۔

نیز وُہ لکھتے ہیں جو بعض جاہل لوگ کہتے ہیں ، یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ
یا یاؤں کہتے ہیں خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للہ یہ جائز نہیں بلکہ کفر اور شرک ہے۔

(ارشاد الطالبین صفحہ ۲۰-۲۱)

گلشنِ توحید و رسالت

قبل ازیں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب کا نظریہ وعقیدہ تفسیر مظہری کے حوالے سے زیر آیت ،

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ

گزر چکا کہ وُہ شہداء کرام کو زندہ تسلیم کرتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں :

ان اللہ یعطی لارواحھم قوۃ الاجساد فیذھبون من الارض والسماء والجنۃ حیث یشاءون و ینصرون اولیاءھم ویدمرون اعداءھم ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

کہ اللہ تعالیٰ شہداء کی رُوحوں کو اجسام والی قوت عطا فرماتا ہے پس وُہ زمین آسمان اور جنت میں جہاں چاہیں جا سکتے ہیں اور اپنے دوستوں کی امداد کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو تباہ کرتے ہیں اللہ تعالےٰ کے اذن سے اور فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام میں شہداء سے بھی اکمل حیات موجود ہوتی ہے اور اس کے آثار خارج میں نسبتہً زیادہ ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی لیے ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ

کے وصال شریف کے بعد بھی نکاح جائز نہیں بخلاف شہید کے نیز حضرات
صدیقین بھی شہداء سے درجات میں اعلیٰ ہیں اور صالحون یعنی اولیاء
شہداء کے ساتھ ملحق ہیں جیسے کہ آیت کریمہ

من النّبیّین والصدیقین والشھداء والصّٰلحین

کی ترتیب اس پر دال ہے۔

ولذلك قالت الصوفیة العلیة اروحنا اجسادنا و
اجسادنا ارواحنا وقد تواتر عن کثیر من الاولیاء
انھم ینصرون اولیاءھم و یدمرون اعداءھم
و یھدون الی اللّٰہ من یشآء اللّٰہ تعالیٰ وقد ذکر
المجدد رضی اللّٰہ عنہ ، ان ارباب کمالات النّبوۃ
بالوراثۃ یعطی لھم من اللّٰہ وجوداً موھوبًا۔

(ص۱۵۲ ، ص۱۵۳ ع۱)

اور اسی لیے عالی قدر صوفیاء کرام نے فرمایا کہ ہماری رُوحیں ہمارے
اجسام کی مانند ہیں اور ہمارے اجسام ارواح کی مانند ہیں اور بے شمار
اولیاء کرام سے بطورِ تواتر ثابت ہے کہ وُہ اپنے دوستوں کی امداد کرتے
ہیں اور ان کے دشمنوں کو نیست و نابود کرتے ہیں اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ
چاہے انہیں ہدایت بھی فرماتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی حضرت
شیخ احمد سرہندی نے فرمایا کہ بطورِ وراثت کمالاتِ نبوّت حاصل کرلینے
والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص وہبی وجود (جسم) عطا کیا جاتا ہے

...ندہ حیات و بقا عطا کی جاتی ہے اور بقول قاضی صاحب وُہ صدیقین
...ور مقربین ہی ہیں۔

الغرض جب قاضی صاحب اور ان کے سلسلہ کے مورثِ اعلیٰ حضرت
...ہند قدس سرہٗ کے نزدیک اولیاء کرام اور کامل وارثینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
...ندہ ہیں اور ان کو مخصوص اجسام اور حیات و بقا عطا کی جاتی ہے اور
زمین و آسمان اور جنّت میں آنے جانے اور تصرّف کرنے کی اجازت
حاصل ہوتی ہے اور اپنے دوستوں کی امداد و اعانت بھی فرماتے ہیں اور
ان کے اعداء کو تباہ و برباد بھی کرتے ہیں اور باذن اللّٰہ ہدایت و رہنمائی
بھی فرماتے ہیں تو پھر ان سے مدد مانگنا اور ان کو حصولِ فتح میں اور
دشمنوں کی تباہی میں سبب سمجھنا کیونکر ناجائز ہو سکتا ہے اور ایسا نظریہ
رکھنے والوں پر کفر کے فتوے کیونکر لگ سکتے ہیں؟

نیز قبل ازیں علّامہ رشید احمد گنگوہی کے حوالے سے علّامہ حسین احمد
مدنی کا یہ قول گزر چکا کہ مُرید اپنے شیخ کے جسم سے دُور ہو سکتا ہے مگر
اس کی رُوحانیت سے دُور نہیں ہوتا کیونکہ جسم مکان میں مقید ہوتا ہے،
رُوح مقید نہیں ہوتی لہٰذا جہاں کہیں بھی ہو اپنے شیخ سے التجا اور
درخواست کر سکتا ہے اور روحِ شیخ باذن اللّٰہ اس کے سوال کا جواب
اور اس کے اشکال کا حل اس کو القاء کر دے گی۔ لہٰذا علّامہ صاحب
کو پہلے اپنے گھر کی خبر لینی چاہیے کہ قاضی صاحب کا فتویٰ درست ہے
تو پھر علماءِ دیوبند کے ان اکابر کا کیا بنے گا؟ نیز حالتِ حیات میں جبکہ

لہ نیز قاضی صاحب [illegible] سبب الہدایت [illegible] آپ کو
ان [illegible] سمجھاتے ہیں۔ اسی لیے [illegible] ان پر [illegible] صاحب [illegible]

رُوح کا بدن سے حلولی تعلق ہوتا ہے تو بھی رُوح شیخ جسم کی طرح مکان کی پابند نہیں ہوتی تو بعد از وفات تو اس کا تعلق حلولی نہیں بلکہ مقابلہ والا ہوتا ہے تو کیونکر مریدین و متعلقین اور متوسلین کے ساتھ نہیں ہوگی اور امداد و اعانت کیوں نہ کرے گی؟

لہٰذا قاضی صاحب کی طرف منسوب اس عبارت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اولیاء کرام اور شہداء و صدیقین کسی طرح کی مدد نہیں کر سکتے بلکہ بالاستقلال موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود کرنے اور فرزند عطا کرنے وغیرہ کی نسبت ان کی طرف کرنے سے روکنا مقصود ہے اور باذن اللہ مدد کرنے یا دُعا و التجا کر کے اللہ تعالیٰ سے کوئی فرزند لیکر دینے یا بلاؤں کے دُور کرانے کی ہرگز ہرگز نفی اور انکار مقصود نہیں ورنہ ان کا کلام باہم متعارض ہو جائے گا اور اگر اس طرح کی تاویل و توجیہ نہ کی جائے تو پھر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمہ اللہ تعالےٰ بھی اس فتوٰی کی زد میں آجائیں گے جو قربِ نوافل کے مرتبے پر فائز شخص کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

اس کے صفات بشری زائل ہو جاتے ہیں اور صفاتِ حق تعالیٰ کا اس پر ظہور ہوتا ہے اور وُہ اس وقت زندہ کو مار سکتا ہے، اور مرے ہوئے کو زندہ کر سکتا ہے الیٰ آخرہٖ اور اسی طرح مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی صاحب اور اس کے پیر و مُرشد بھی اس فتوٰی کی زد میں آجائیں گے جو مقامِ محبوبیت پر فائز حضرات کے حق میں تسلیم کرتے ہیں:

نیز فرماتے ہیں علم ... [illegible] ... اور ... جھکا دیتے جو پہلے نہیں جانتے تھے۔ جب ... [illegible]

اس مقام کے لوازم سے ہے عجیب عجیب خوارق کا ظاہر ہونا اور ایسی تاثیروں کا صادر ہونا اور دُعاؤں کا مستجاب اور مقبول ہونا اور آفتوں اور بلاؤں کا دُور کر دینا اور اس معنیٰ کی تصریح اس حدیثِ قدسی میں موجود ہے :

لئن سألنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ۔

اگر وُہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور دُوں گا اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو ضرور پناہ دُوں گا۔ (صراطِ مستقیم ص۲۱)

اور قبل ازیں امام غزالی رحمہ اللّٰہ کا فرمان حضرت شیخ محقق اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی زبانی نقل ہو چکا کہ جس ولی اور محبوبِ خداوند تعالیٰ سے ظاہری زندگی میں مدد طلب کی جا سکتی ہے اس سے وصال اور وفات کے بعد بھی مدد طلب کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا قاضی ثناء اللّٰہ صاحب کی عبارت کا قطعاً وُہ مقصد نہیں جو سمجھا گیا ہے ورنہ اتنے اکابر علماءِ اعلام اور مقتدایانِ انام بھی اس فتوے کی زد میں آ جائیں گے۔

نیز یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للّٰہ کے متعلق اور یا سیدی احمد بن علوان کے متعلق علماءِ احناف اور مسلم اکابر اور مفتیوں کے فتوے پیش کیے جا چکے ہیں اور ان کلمات کا سادات صوفیہ میں صدیوں سے متوارث و متواتر ہونا اور ان علماءِ اعلام کا ان کو مباح اور جائز رکھنا ثابت ہو چکا لہٰذا البلاغ المبین کی طرح یہ پوری کتاب جھوٹی اور من گھڑت نہیں تو ایسے کلمات اور ایسی عبارات ضرور الحاقی ہیں اور

بہتان وافتراء پر مبنی ہیں اور قاضی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی شہرت اور مقبولیت سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی مذموم سعی کی گئی ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ اور رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گواہ بنانا کفر ہے؟

ا۔ علامہ صاحب نے قاضی ثناء اللہ صاحب کے حوالے سے یہ بھی ذکر کر دیا کہ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس بات پر گواہ ہیں تو وہ کافر ہو جاتا ہے حالانکہ علماءِ محققین کے نزدیک یہ قول غلط ہے۔

جامع الفصولین ص۲۲۱ ج ۲ پر تصریح فرمائی ہے:

خدا و رسُول را در نکاح خویش گواہ کردم کفر نیست۔

اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور رسُولِ کریم علیہ السلام کو اپنے نکاح میں گواہ بنایا تو یہ قول کفر نہیں ہے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

قال فی التتارخانیة فی الحجه ذکر فی الملتقط انه لا یکفر لان الاشیاء تعرض علی روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان الرسل یعرفون بعض الغیب۔

قال اللہ تعالیٰ:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًاۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (سورۃ الجن آیت ۲۶-۲۷)

قلت بل ذکروا فی کتب العقائد ان من جملۃ کرامات الاولیاء الاطلاع علی بعض المغیبات و ردوا علی المعتزلۃ المستدلین بھذہ الایۃ علی نفیھا۔ (صنـ۳۰۰ـ ج ۲)

تاتارخانیہ میں کہا کہ حجت میں یوں مذکور ہے کہ ملتقط میں فرمایا کہ (رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ گواہ بنانے والا) کافر نہیں ہوتا کیونکہ اشیاء نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ اقدس پر پیش کی جاتی ہیں اور رسلِ کرام بعض غیب جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللہ تمام غیوب کا جاننے والا ہے پس وہ اپنے غیب پر غلبہ نہیں دیتا کسی کو مگر جنہیں پسند فرمائے یعنی رسولوں کو۔

میں کہتا ہوں کہ علماءِ کلام نے کتب عقائد میں ذکر کیا ہے کہ اولیاء کرام کے کرامات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بعض غیوب پر مطلع ہوتے ہیں اور علماءِ اہل السنّت نے معتزلہ پر رد کیا ہے جنہوں نے اس آیتِ کریمہ سے اولیاء کرام کے علمِ غیب والی کرامت کی نفی پر استدلال کیا (بلکہ اولیاء کرام کے لیے بطور کرامت علمِ غیب کا عطا کیا جانا تسلیم کیا ہے)۔

لہٰذا جب جامع الفصولین، تتار خانیہ، حجت، ملتقط اور ردالمحتار میں یہ تصریح موجود ہے کہ اس طرح کہنے والا کافر نہیں ہوتا اور اس پر آیتِ کریمہ سے استدلال بھی فرمایا گیا اور کتبِ عقائد میں اہل السنت کا مذکور مذہب اولیاء کرام کے علمِ غیب کے بارے میں بھی واضح کر دیا گیا اور ان کے اس امتیازی کمال کا منکر کون ہے اس کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے مگر بایں ہمہ علامہ سرفراز صاحب ایسے اقوال کو مقامِ استدلال میں ذکر فرما رہے ہیں تو دو میں سے ایک صورت لازمی طور پر متحقق ہو گی یا تو یہ عبارات ان کے علم میں نہیں تو جہالت لازم آگئی، اور علم میں ہیں لیکن ان کو چھپایا گیا ہے تو بددیانتی لازم آگئی۔ پہلی صورت ان کے دعوائے علم اور بلند بانگ شیخ الحدیث والتفسیر اور فقیہِ اعظم ہونے کی نفی کرتی ہے اور دوسری صورت ایمان کے منافی ہے

ولا ایمان لمن لا امانۃ لہ۔

لہٰذا دونوں میں سے کوئی صورت بھی علامہ صاحب کے لیے برداشت کرنا مشکل ہے۔

۲۔ نیز علامہ شامی قدس سرہٗ السامی کا رسلِ کرام علیہم السلام کے علمی کمال کے ساتھ ہی اولیاء کرام کی اس کرامت کا ذکر کرنا گویا اس امر کی تصریح ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور رسلِ عظام کے متعلق یوں کہنا تو بہت دور کی بات ہے اگر کوئی کسی ولی کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ گواہ بنا دے تو اس کو بھی کافر نہیں کہہ سکتے کیونکہ اہل السنت

کے نزدیک وُہ بطورِ کرامت غیبی امور پر مطلع ہوتے ہیں اور حدیث قدسی

کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر
به الحدیث۔

اور فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ۔

اور ان کے تحت اکابر علماءِ کرام اور مقتدایانِ ملّت کی تصریحات ذکر کی جا چکی ہیں جو اس حقیقت کی شاہدِ صادق ہیں لہٰذا کفر کا دعویٰ سراسر غلط اور بے بُنیاد ہے اور اہل السنّت کے مذہب کے خلاف ہے۔

تنبیہ: اولیاء کرام کے اس امتیازی وصف کا انکار کرکے علّامہ صاحب معتزلہ کے ساتھ ان کے اس عقیدہ میں شریک ہو گئے اور انبیاء کرام سے بالعموم اور سیّد الانبیاء علیہ وعلیہم السّلام سے اس کمال کی نفی کرکے معتزلہ سے بھی آگے نکل گئے۔ اب یہ فیصلہ کرنا ان کے ہم مشرب اور متبع لوگوں کا کام ہے کہ ان کا مذہب کونسا ہے؟ جبکہ سُنّی کہلانا تو انہیں بالکل زیبا نہیں ہے۔

۳۔ نیز محض کتب حنفیہ میں مذکور کفر کا قول کافی نہیں ہوتا بلکہ آئمہ مجتہدین سے اس کا ثابت کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ دیگر علماء کی تکفیر کا سرے سے اعتبار ہی نہیں ہوتا۔

علّامہ شامی محیط کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

یقع فی کلام اهل المذهب تکفیر کثیر ولکن لیس

من کلام الفقہاء الذین ھم المجتھدون بل من غیرھم ولا عبرۃ بغیر الفقہاء۔[1] (ص۳۲۱ ج ۲)

اہلِ مذہب کے کلام میں بہت تکفیر واقع ہوتی ہے لیکن وُہ ان فقہاء کرام کے کلام سے نہیں ہوتی جو کہ مجتہد ہیں بلکہ دُوسروں کی طرف سے ہوتی ہے اور فقہاء کے ماسوا کا تکفیر کے معاملہ میں سرے سے اعتبار ہی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ذمّہ داری بھی علاّمہ صاحب کی ہے کہ وُہ فقہاء مجتہدین کے حوالے سے اس تکفیر کو ثابت کریں ورنہ ان کی یہ سعی بالکل لاحاصل اور بے سُود ہے کیونکہ مجتہدین کے علاوہ دُوسرے علماء کرام کی تکفیر کا تو اعتبار ہی نہیں ہے۔

۴۔ علاوہ ازیں علماءِ دیوبند کے نزدیک ملک الموت تو حاضر و ناظر ہے ہی تو کیا اللہ تعالیٰ اور اس کی شہادت سے نکاح منعقد ہو جائیگا اسی طرح کراماً کاتبین علیہما السّلام ہر بندے کے ساتھ رہتے ہیں اور بالکل معصُوم اور نُوری مخلوق ہیں تو کیا ان کی شہادت سے نکاح منعقد ہو جائے گا؟ اور اس طرح نکاح کرنے کا مدعی کسی فتوے کی زد میں نہیں آئے گا؟ اور جس عورت کے متعلق چاہے ان مقدس گواہوں کے ذریعے اس کے نکاح کا دعویٰ کر دے علاّمہ صاحب اور انکی قوم اسے تسلیم کر لے گی؟

۵۔ بلکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اگر ائمہ کرام اور مجتہدینِ عظام سے تکفیر کا قول ثابت ہو تو اس کی علت وُہ نہیں جو علاّمہ صاحب نے ذکر کی

[1] کذا فی فتح القدیر ص۳۴۴ ج ۵۔

ہے اور جس کو علامہ شامی نے اکابرین کے حوالے سے رد کر دیا ہے بلکہ علت یہ ہوگی کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اسارت و بے ادبی کا ارتکاب کیا ہے اور شریعتِ مطہرہ کے اس حکم کا مذاق اڑایا ہے کہ :

لا نکاح الا بشھود۔

کیونکہ زنا میں اور نکاح میں فرق اور امتیاز تو گواہوں سے ہی ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بنا لیا تو امتیاز کیسے ہوگا ؟ اور جائز و ناجائز میں حدِ فاصل کیا رہے گی؟ بلکہ تمام زنا کار مرد اور عورتیں کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالےٰ اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کراماً کاتبین کو گواہ بنا لیا تھا؟ پھر ان کا زنا کار ہونا بھی ثابت نہیں ہو سکے گا اور اس برائی کے لیے یہ مقدس نام آڑ بنا لیے جائیں گے۔

۴- علاوہ ازیں گواہوں کے تقرر کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ عندالضرورت ان کو اس دعوی کے ثابت کرنے کے لیے عدالت میں پیش کر کے اپنا دعوائے نکاح ثابت کر سکے اور اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنائے گا تو انہیں کس عدالت میں پیش کرے گا اور علیٰ ہذا القیاس ملک الموت اور کراماً کاتبین کو کیسے پیش کرے گا ؟ لہٰذا یہ طریقہ چونکہ شریعتِ مطہرہ کے اس اہم ترین حکم کے ساتھ استہزا ہے اور خدائے بزرگ و برتر اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسارت اور بے ادبی پر مشتمل

ہے لہٰذا ایسا شخص سخت ترین فتویٰ کا مستحق ہے اور تغلیظ و تشدید کا۔

الغرض علامہ صاحب کا مردود اقوال سے استدلال کرنا کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں ہے اور جب بڑے فتاویٰ میں مذکور اس قول کو اکابرین نے رد کر دیا ہے اور اسے آیت کریمہ کے خلاف اور مذہب اہلسنت کے خلاف قرار دیا ہے تو ارشاد الطالبین کس شمار میں ہے اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ اس میں البلاغ المبین والی چابکدستی نہ دکھلائی گئی ہو جبکہ وہ قاضی صاحب کی معروف تفسیر قرآن میں مندرج ان کے عقائد و نظریات کے بھی خلاف ہے کما سبق ذکرھا۔

فائدہ: احناف کی کتب فقہ میں مندرج ہر قول اس لیے حجت بھی نہیں کہ صاحب کشاف جیسے معتزلی عقائد والے بھی فروع میں حنفی ہیں اور وہ احکام کے علل اور دلائل بیان کرتے وقت اپنے مذہب اعتزال کے تحت تعلیل و استدلال سے کام لیتے ہیں جیسے سماع اموات وغیرہ والے مسائل میں انہوں نے اپنے مذہب کو دخل دے دیا اور حلف میں حانث ہونے اور تلقینِ میت وغیرہ میں عدم سماع کو بنیاد بنا دیا حالانکہ وہ سُنی حنفیوں کا مذہب نہیں تھا اور صحیح احادیث کے بھی خلاف تھا۔

نیز اسی سے اس قول کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی:

من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر

یعنی جو یہ کہے کہ ارواحِ مشائخ حاضر ہیں اور جانتے ہیں کافر ہو جائے گا۔

کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی کیونکہ مشائخ کرام اور اولیاء عظام کے علمِ غیب اور مشاہدۂ ملکوت والی کرامت اور امتیازی شان کے منکر اور مخالف صرف معتزلہ ہی ہیں لہٰذا ایسے لوگوں کی طرف سے ہی یہ اقوال کتبِ فقہ میں داخل ہوئے اور علامہ شامی نے کتبِ عقائد کے حوالے سے اہل السنت کا مذہب بیان فرما کر اس کو رد فرما دیا۔ لہٰذا علامہ صاحب کو سُنّی ہونے کا دعویٰ ترک کر دینا چاہیے یا پھر اعتزالی نظریات کا پرچار بند کرنا چاہیے یہ دوہری چال مخلص اور خالص اور ظاہراً باطناً سُنّی کی ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ یہ منافقانہ انداز ہے اور منافقین کو ہی زیبا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک۔

ضروری تنبیہ: علامہ شامی قدس سرہ السامی نے رسل کرام اور اولیاء کرام کے لیے بعض علمِ غیب ثابت کیا ہے تو وہ علامہ سرفراز صاحب اور ان کے اسلاف کے لحاظ سے نہیں کہ ان کے بعض احوال معلوم ہوں، اور بعض معلوم نہ ہوں بلکہ اللّٰہ تعالیٰ کے ازلی و ابدی محیط اور غیر متناہی بالفعل علم کے لحاظ سے ہے اور بعض معترضین کرام نے بھی بعض کا لفظ ذکر کیا ہے تو اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے کیونکہ ان محبوبانِ خداوند تعالیٰ کا اللّٰہ تعالیٰ کے لحاظ سے جزوی اور بعض علمِ غیب دیگر مخلوق کے لحاظ سے اتنا کلی ہے۔ کہ انکا مجموعی علم بھی ان میں سے ایک ایک ہستی کے اس بعض کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہو سکتا۔

فتامل حق التامل وقد حققنا ذلك فی کتابنا المستطاب کوثر الخیرات۔

ندا، و پکار اور استغاثہ و استمداد اور بزرگانِ دین

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس سے ان لوگوں کی راہ پر چلنے کی توفیق طلب کریں جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔

قال تعالیٰ:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۝

اور وہ سعادت مند اور مبارک لوگ انبیاء علیہم السلام ہیں، اور صدّیقین نیز شہداء اور صالحین۔

کما قال تعالیٰ:

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ج

(سورۃ النساء آیت ۶۹)

لہٰذا قرآن مجید نے ہمیں راہِ راست پر گامزن ہونے اور منزلِ مراد تک واصل ہونے کا جو پُر امن اور بے خوف و خطر اور مستقیم و مستوی راستہ بتلایا ہے وہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے ساتھ صدیقین

اور شہدار و صالحین کا راستہ ہے لہٰذا راہِ حق پر گامزن ہونے کیلئے اور منزلِ مقصود تک رسائی کے لیے پہلی مقدس جماعت کی طرح باقی تین سعادتمند جماعتوں کی ہمرہی اور متابعت و مطاوعت ضروری ہے تو آیئے اب یہ دیکھیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔ اگر محبوبانِ خداوند تعالےٰ اور شہیدانِ راہ محبت اور صادق القول والفعل حضرات اور مسلم اولیارِ کاملین بھی اس ندار و خطاب اور استغاثہ و استعانت کو روا رکھیں تو پھر اس راہ و روش اور طرز و طریق پر اور نظریہ و عقیدہ پر کفر و شرک کے فتوے لگانا سراسر زیادتی اور سینہ زوری ہوگی کیونکہ وہ حضرات شریعت و طریقت کے مجمع البحرین ہوتے ہیں اور حقائق شناس اور رموزِ شریعت اور اسرارِ طریقت سے آگاہ ہوتے ہیں اور ان کے مقابل علمارِ ظاہر کے علم کی کوئی اہمیت اور وقعت نہیں ہوتی۔

کما قال الفاضل اللاہوری فی حاشیتہ علی البیضاوی صلا :

فان ما عرفه علماء الظواهر منها بافكارهم
قليل بالنسبة الى ما عرفه الاولياء وما عرفوه
قليل بالنسبة الى ما عرفه نبينا صلى الله عليه وسلم

آیات کلام مجید سے علمار ظاہر اپنے افکار کے ساتھ جو کچھ جانتے ہیں وہ بہت کم ہے بنسبت اس کے جو اولیار کرام جانتے ہیں اور جو کچھ اولیار کرام کو معلوم ہوتا ہے وہ بہت قلیل ہے اس کی نسبت جو نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہے۔

استمداد اور ندار و پکار کے لیے جاننا اور سُننا بھی ضروری ہوتا ہے اور قُدرت وطاقت اور تدبیر و تصرّف کا حاصل ہونا بھی ضروری ہوتا ہے اور قولِ باری تعالیٰ فالمدبرات امرًا کی تحقیق اور حدیث قدسی:

کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ الحدیث

کی تحقیق کے دوران اس پر مفصّل گفتگو ہو چکی ہے چند حوالہ جات مزید سماعت فرمالیں تاکہ مدار و بُنیاد کا حتمی علم ہو جانے کے بعد متفرع اور مترتب امر کا بھی جزم اور اعتقاد حاصل ہو جائے۔

ارشاداتِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ

۱۔ سلسلۂ قادریہ کے مورثِ اعلیٰ اور غوثِ اعظم محبوب سُبحانی حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانی قدّس سرّہٗ العزیز فرماتے ہیں:

اگر نبی بود لگام شریعت بر زبان من ہر آئینہ خبر میکردم شمارا باآنچہ میخورید و می نہید در خانہائے خود۔ من می دانم آنچہ ظاہر و باطن شماست و شما در رنگ شیشہا ید در نظر من۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۱۵)

اگر میری زبان پر شریعت کی لگام نہ ہوتی تو لامحالہ میں تمہیں بتلا دیتا ہر وہ چیز جو تم کھاتے ہو اور جو کچھ گھروں میں رکھتے ہو اور میں جانتا ہوں تمہارے ظاہر کو اور تمہارے باطن کو بھی اور تم میری نظر میں شیشوں کی مانند ہو۔

۲۔ اور آپ کا ہی ارشادِ گرامی ہے۔

نظرت الی بلاد اللہ جمعا

کخردلۃ علی حکم اتصال

میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام بلاد اور آبادیوں کو دیکھا ہے مانند رائی کے دانہ کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

۲۔ آپ فرماتے ہیں:

من دستگیری می کنم ہر کرا از مریدان من مرکب بلغزد و از پائے درآید تا روز قیامت۔ (اخبار الاخیار ص ۱۹)

میرے مریدوں میں جس کسی کی سواری لغزش کھائے گی اور گرے گی تو میں قیامت تک ان کی دستگیری کرتا رہوں گا۔

۳۔ بعزت پروردگار کہ دست حمایت من بر مریدان من مثل آسمان است بر زمین۔ اگر مرید من جید نیست من خود جیدم بعزت پروردگار وجلال او کہ از پیش او عزوجل نروم تا مرا با صحاب من بہ بہشت نبرد۔ اگر مرید من در مشرق بود و پردۂ عفت او بر افتد و من در مغرب ہر آئینہ بو پشم پردہ او

(صفحہ نمبر ۱۹)

مجھے اپنے پروردگار کی عزت کی قسم کہ میری حمایت اور حفاظت کا ہاتھ میرے مریدوں پر ایسے محیط ہے جیسے کہ آسمان زمین پر احاطہ کیے ہوتے ہے۔ اگر میرا مرید عمدہ نہیں ہے تو میں عمدہ اور کامل ہوں مجھے پروردگار جل وعلیٰ کی عزت وجلالت کی قسم کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہرگز باہر نہیں نکلوں گا جب تک مجھے مع تمام مریدوں کے بہشت بریں

میں نہ لے جائے گا اور اگر میرا مرید مشرق میں ہو اور اس کا سترکھل جائے اور پردۂ عفت گر جائے اور میں مغرب میں ہوں تو ہر حال میں اس کا ستر ڈھانپ دوں گا اور اس کی پردہ داری کروں گا۔

ارشادات خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ

سلسلہ چشتیہ کے مورثِ اعلیٰ خواجۂ خواجگان نائب الرسول فی الہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں:

۱۔ عارفاں را مرتبہ ایست کہ چوں باں مرتبہ رسند جملگی عالم و آنچہ درعالم است میان دو انگشت خود بہ بینند۔ (اخبار الاخیار ص۲۳)

عرفاء کے لیے ایک مرتبہ ہوتا ہے جب اس تک رسائی حاصل کرلیں تو تمام جہان کو اور جو کچھ اس میں ہے اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہیں۔

۲۔ آپ فرماتے ہیں:

کمترین درجہ درپایۂ عارف در محبت آنست کہ صفات حق در وے بود۔ کمال درجۂ عارف در محبت آنست کہ اگر کسے برو بدعوی آید آنرا بقوت کرامت ملزم گرداند۔ (اخبار الاخیار ص۲۳)

عارف کا محبت میں کمترین پایہ اور درجہ یہ ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہو اور محبت میں درجۂ کمال عارف کے لیے یہ ہے کہ اگر کوئی اس کے سامنے مدعی بن کر آئے اور مقابلہ کرنا چاہے تو کرامت کی قوت و طاقت سے اس کو لاجواب کردے اور مغلوب و مقہور کردے۔

ارشادِ خواجہ محمد عثمان نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ

علماء دیوبند میں مولوی حسین علی صاحب واں بھچراں معروف و مسلّم شخصیت ہیں اور علامہ سرفراز صاحب اور دیگر بہت سے علماء ان کے فیض یافتہ ہیں اور باہم دست و گریباں بھی۔ اہلِ قبور کے سُننے جاننے کا انکار اور نداء و پکار کے معاملہ میں شدید رد و انکار اور کفر و شرک کے فتوے مولوی اسمٰعیل دہلوی کے بعد اسی مُرشد اور مُریدین کی جماعت نے جاری کیے لیکن بظاہر وُہ حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب سکنہ موسیٰ زئی شریف کے مُرید بھی تھے اور ان کے ملفوظات و کرامات پر مشتمل کتاب فوائدِ عثمانیہ پر ان کی تقریظ اور تصدیق بھی ہے اور اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے مولوی صاحب موصوف کو ہی مخاطب ٹھہراتے ہوئے فرمایا:

اولیاء اللہ ہمہ می دانند ولیکن مامور بہ اظہار نیستند۔ (ص۱۳۴)

اولیاء اللہ تمام اشیاء کو جانتے ہیں لیکن ان کو اظہار کا اذن نہیں ہوتا الغرض جب ان کاملین کے لیے علوم و ادراکات اور شعور و احساسات ثابت ہیں اور عند اللہ مقامِ محبوبیت اور مقبولیت پر فائز ہیں تو ان سے توسل کرنا اور ان سے ان کے شایانِ شان مدد طلب کرنا بھی لامحالہ مباح اور روا ہوگا۔ اور وُہ خود بھی اور دیگر اکابر علماءِ اعلام بھی ان سے استمداد اور استعانت اور استغاثہ و فریاد رسی کے متعلق جو کچھ

فرماتے ہیں بطور مشتے از خروارے ہدیۂ ناظرین ہے۔

ارشادِ غوثِ اعظم متعلق بہ توسّل و استمداد،

سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہر گاہ از خداوند تعالیٰ چیزے خواہید بوسیلۂ من خواہید تا خواہش شما باجابت رسد، ہر کہ استعانت کند بمن در کربتے کشف کردہ شود آں کربت از و۔ ہر کہ منادی کند بنام من در شدتے کشادہ شود آں شدت از و۔ ہر کہ توسل کند بمن سوئے خدا در حاجتے قضا کردہ شود آں حاجت مراد را۔ و فرمود کسے کہ دو رکعت نماز بگزارد و بخواند در ہر رکعت بعد از فاتحہ سورہ اخلاص یازدہ بار بعد ازاں درود بفرستد بہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بعد از سلام و بخواند آں سرور را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ بعد ازاں یازدہ گام بجانب عراق برود و نام مرا گیرد و حاجت خود را از درگاہِ خداوندی بخواہد حق سبحانہ تعالیٰ آں حاجت او قضا گرداند بمنہ و کرمہ۔ (اخبار الاخیار ص۱۹-۲۰)

جس وقت اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز طلب کرو تو میرے وسیلہ سے طلب کرو تاکہ تمہاری خواہش پوری ہو اور حاجت بر آئے۔ جو کوئی میرے ساتھ کسی بھی کربت اور شدت و سختی میں استعانت کرے گا، تو اس کی وہ کربت و شدت و سختی اس سے دور کر دی جائے گی اور جو کوئی میرا نام لے کر پکارے گا کسی بھی شدت اور مشکل امر میں تو

وُہ شدّت اور مشکل اس سے دُور کر دی جائے گی۔ اور جو شخص میرے ساتھ خُداوند تعالیٰ کے حضور توسل کرے گا کسی حاجت میں تو اس کی وُہ حاجت پوری ہو جائے گی۔ اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص میرے ساتھ خُداوند تعالیٰ کے حضور توسّل کرے گا کسی حاجت میں تو اس کی وُہ حاجت پوری ہو جائے گی۔ اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز نفل ادا کرے اور ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سُورۂ اخلاص تلاوت کرے اور سلام کے بعد نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذاتِ اقدس پر دُرُود بھیجے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو پکارے اور اس کے بعد گیارہ قدم عراق کی جانب چلے اور میرا نام لے اور اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے طلب کرے تو حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی وُہ حاجت بر لائے گا اور مُراد پوری فرمائے گا۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ نزہتہ الخاطر میں آپ کے ان ارشادات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ (صلا)

من استغاث بی فی کربۃ کشفت عنہ ومن نادانی فی شدۃ فرجت عنہ ومن توسل بی الی اللہ فی حاجۃ قضیت۔

یعنی جو کوئی رنج و غم میں مجھ سے مدد طلب کرے گا، تو اس کا رنج و غم دُور ہو گا اور جو کوئی سختی اور مشکل پیش آنے پر میرا نام لے کر مجھے پکارے گا تو وُہ شدّت اور مشکل دُور ہو جائے گی۔

اور جو شخص کسی حاجت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرا وسیلہ پکڑے گا تو وہ حاجت بر آئے گی۔

بعد ازاں علی قاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا :

کہ پھر میری بیان کردہ صلوٰۃِ غوثیہ پڑھے (جس کا تذکرہ بزبانِ شیخِ محقق ہو چکا) بعد ازاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود شریف بھیجے اور آپ کو پکارے اور گیارہ قدم عراق کی جانب چلے، اور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نام لے کر اپنی حاجت عرض کرے، اور بعد ازاں یہ دو شعر پڑھے : ؎

ایدرکنی ضیم وانت ذخیرتی
واظلم فی الدنیا وانت نصیری
وعار علیٰ حامی الحمیٰ وھو منجدی
اذا ضاع فی البیداء عقال بعیری

کیا مجھے ظلم و تعدی احاطہ کرے گی جبکہ تم میرا ساز و سامان ہو اور مجھ پر دُنیا میں ظلم کیا جائے گا جبکہ تم میرے مددگار ہو اور ننگ و عار ہے چراگاہ کے محافظ و نگران پر جبکہ وُہ میرا معاون اور دست و بازو ہو کہ ویرانے میں میرے اُونٹ کا رسہ بھی ضائع ہو جائے۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وقد جرب ذٰلک مراراً فصح۔

کہ اس صلوٰۃ غوثیہ کے ذریعے حاجت روائی اور مشکل کشائی اور

حصولِ مراد کا بار ہا تجربہ کیا گیا اور یہ تجربہ کامیاب رہا اور مفید مطلب اور حصولِ مدعا میں کار آمد ثابت ہوا۔

سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ استعانت و استغاثہ اور ندا و خطاب کا حکم دیں اور احناف کے اکابرین اس کو نقل کریں اور تجربہ شدہ قرار دیکر لوگوں کو اس کی ترغیب دیں تو کیا یہ مقدس لوگ شرک پھیلاتے رہے اور ان کو قرآن و حدیث کا اتنا علم نہیں تھا جتنا علامہ سرفراز اور اس کی جماعت کو حاصل ہوا اور انہیں رموزِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے اتنا قدر آگہی نہیں تھی جتنا قدر کہ ان مولوی حضرات کو حاصل ہو گئی ہے لہٰذا ایسی استعانت اور استغاثہ پر کفر و شرک کے فتوے لگانا سراسر غلط اور لغو و باطل ہے۔

نوٹ: علامہ سرفراز صاحب حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اور حضرت شیخ محقق اور علامہ علی قاری رحمہما اللہ کے حوالے پیش کرتے ہیں اور ان کو حجت و سند مانتے ہیں۔ امید ہے کہ ان حوالہ جات کو بھی قبول کر لیں گے اور انہیں مغلوب الحال اور مجذوب صوفی کہہ کر نظر انداز کرنے کی ناکام سعی نہیں فرمائیں گے۔

حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے ارشادات

حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ استغاثہ و توسل اور استمداد و استعانت کے متعلق چشتیہ سلسلہ کے عظیم بزرگ اور حضرت

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے معاصر اور ان کے والدِ گرامی کے بڑے بھائی حضرت مولانا شاہ اَبُو الرضا السندی کے تلمیذ رشید حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی قدس سرہٗ العزیز کے ارشاداتِ مُبارکہ بھی سماعت فرماتے چلیں۔

آپ نے شیخ بایزید کے حوالے سے صلوٰۃ الاسرار پڑھنے کی نیت اور طریقہ بیان کیا کہ پنجشنبہ کے دن غسل کرے اور خوشبو لگائے اور مغرب کے بعد دو رکعت صلوٰۃ الاسرار اس نیت کے ساتھ ادا کرے

نویت ان اصلّی للہ تعالیٰ رکعتین صلوٰۃ الاسرار توصلا الی اللہ وانقطاعًا عما سویٰ اللہ۔

میں نے نیت کی اللہ تعالیٰ کے لیے دو رکعت صلوٰۃ الاسرار ادا کرنے کی اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل کرنے کے لیے اور ماسوا اللہ سے قطع تعلق کے لیے اور ہر رکعت میں گیارہ بار سُورہ اخلاص پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد گیارہ قدم عراق کی جانب چلے حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے روضہ مُبارکہ کی طرف متوجہ ہونے کی نیت سے اور ہر قدم پر آپ کی خدمت میں اس طرح ہدیہ تسلیمات پیش کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سُلْطَانَ الاوتاد۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سُلْطَان الابدال۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سُلْطَان الاقطاب۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا غوث الاعظم۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَازِى الاشهب۔
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا فقير۔
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مسكين۔
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا غريب۔
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ولىُّ۔
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شيخ۔
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدنا ومولانا
ابا محمد محى الدين عبد القادر الجيلىؒ

پھر اس طریقہ سے واپس آتے اور بیٹھ جاتے اور خوشبو سلگاتے اور جس انداز سے چاہے بیٹھے اور درود شریف پڑھے اور دس دس مرتبہ سورۃ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھے بعد ازاں درود شریف پڑھے پھر یہ رباعی ایک ہزار ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھے۔

أيدركنى ضيم وانت ذخيرتى
أاظلم فى الدنيا وانت نصيرى
فعار على حامى الحمٰى وهو قادر
اذا ضاع فى البيداء عقال بعيرى

کیا ظلم و ستم مجھے محیط ہو سکتا ہے جب کہ تم میرے ذخیرہ حفظ و امان ہو اور میں مظلوم ہو سکتا ہوں دنیا میں جبکہ تم میرے مدد گار ہو۔ چراگاہ کے محافظ کے لیے ننگ و عار ہے جبکہ وہ صاحبِ قدرت

ہے کہ میرے اُونٹ کا رستہ ویرانہ میں گم ہو جاتے ۔

در ہر حاجتے کہ خواند قضا شود۔ بلکہ گاہ باشد کہ روح مطہر مقدس حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ ظاہر شود و جواب کار گوید ۔

جس حاجت میں بھی پڑھے گا وُہ پوری ہوگی بلکہ کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی رُوح مقدس و مطہر ظاہر ہو کر مقصد کے متعلق جواب سے نوازتی ہے۔

(مرقع کلیمی مستہ جم ص۳۲)

۲۔ حضرت شیخ کلیم اللہ ہی استخارہ کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ آدھی رات کو بیدار ہو کر کامل وضو کرے اور تحیۃ الوضو پڑھے بعد ازاں گیارہ بار سُورہ فاتحہ، گیارہ بار سُورہ اخلاص پڑھے پھر درود پاک اور کلمہ تمجید پڑھے پھر گیارہ مرتبہ کہے :

یا عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ ۔ (ص۱۱)

۳۔ طریق ختم غوث الثقلین بیان کرتے ہوئے فرمایا :

پہلے تین روز بدھ سے جمعہ تک روزہ رکھے۔ جمعہ کے دن دو رکعت نماز نفل ادا کرے ہر رکعت میں آیۃ الکرسی ایک بار، سُورہ اخلاص گیارہ بار پڑھے اور سلام کے بعد قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور ختم شروع کرے۔ پہلے درُود شریف پڑھے ایک سو گیارہ مرتبہ پھر کلمہ تمجید ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھے بعد ازاں ایک سو گیارہ مرتبہ یہ پڑھے :

شیئاً للہ یا عبدالقادر الجیلانی ۔ (ص۱۱)

۴۔ در ہر کربت و بلیت یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ پانصد بار اوّل و آخر درود بخواند از کرب بر آید ۔ (ص۳۹)

ہر کربت اور مصیبت میں اوّل و آخر درود شریف پڑھ کر پانچ سو مرتبہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ پڑھے تو اس مصیبت سے خلاصی پائے

۵۔ رقعہ برائے استعانت ۔

اعینونی یا عباد اللہ المسلمین ۔

از بعضے شنیدم کہ چوں کارے خواہد کہ کند اوّلا رو بقبلہ استادہ شود و بخواند یکبار و استمداد کند بدل از عبادے کہ دراں سمت اند بعد ازاں جانب یمین بعد ازاں جانب یسار بعد ازاں جانب خلف و اصغا کند آنچہ بر زبان کسے بگزرد براں عمل نماید وایں از علم فال است و در شرع آمدہ ۔ (ص۴۱)

میں نے بعض اکابر سے سُنا کہ آدمی جب کوئی کام کرنا چاہے تو پہلے پہل قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو جائے اور ایک بار کہے :

اعینونی یا عباد اللہ المسلمین ۔

اے اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندو میری امداد کرو اور دل میں ان سے مدد طلب کرے جو عباد مسلمین اس سمت میں ہیں اسکے بعد دائیں جانب پھر بائیں جانب پھر پیٹھ والی سمت منہ پھیر کر پڑھے پھر کان لگائے کہ کسی کی زبان پر کونسا کلمہ جاری ہوتا ہے لہٰذا اس کے مطابق عمل کرے اور یہ فال سے تعلق رکھنے والا علم ہے اور شریعت مطہرہ میں بھی

معتبر ہے۔ (ص۱۴۱)

ان کے علاوہ بھی بہت سی جگہوں پر آپ نے استمداد و استعانت اور سفارش و شفاعت کے لیے مقبولانِ بارگاہ کے لیے ندا، و پکار اور خطاب کے کلمات پر مشتمل و ظائف ذکر فرمائے ہیں اور کاملین اولیاء اللہ کا مدبرات امور میں سے ہونا اور ملاء اعلیٰ میں شامل ہو کر تدبیرِ کائنات فرمانا قبل ازیں بیان ہو چکا اور جنگلات و ویرانوں میں رجالِ غیب کا مخلوقِ خدا کی امداد و اعانت کے لیے مامور و متعین ہونا فرمانِ رسول[1] سے ثابت ہو چکا اور شہروں اور آبادیوں میں اللہ تعالیٰ کے لشکروں کا موجود ہونا اور حاجتمندوں کی حاجات بر لانا اور ان کے پیغامات پہنچانا خود علامہ سرفراز نے بھی یا ساریۃ الجبل کی تاویل میں تسلیم کر لیا ہے اور اکابرینِ ملت اور مشائخ عظام اور مسلم اولیاء کرام کی زبانی جب ایسی ندا، و پکار اور خطاب و التفات ثابت ہے تو اس پر شرک کے فتوے لگانا اور اس کو جدید شرک سے تعبیر کر کے صرف عامۃ المسلمین کو نہیں بلکہ اکابر اولیاء کو بھی مشرک بنا ڈالنا سراسر ظلم و عدوان اور تحکم و سینہ زوری ہے اور سُنّی ہونے کے دعوے کے برعکس سراسر خارجیت کی ترویج و اشاعت ہے اور انہیں کے فاسد و باطل نظریہ و عقیدہ کی اتباع و اقتدا ہے۔

اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک۔

[1] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

گلدستۂ توحید

رافضیوں نے ایک شعر بنایا تھا اور اس کو بعض سُنی حضرات بڑے شوق سے پڑھتے ہیں بلکہ مسجدوں اور گھروں کے دروازوں پر بھی لکھا ہوتا ہے: ؎

لی خمسۃ اطفی بہا حرالوباء الحاطمۃ
المصطفیٰ والمرتضیٰ وابناھما والفاطمۃ

میرے لیے پانچ ہیں میں ان کی مدد سے توڑ دینے والی وبا کی گرمی بجھاتا ہوں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی المرتضیٰ ان کے دو بیٹے حضرت حسن اور حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم (یعنی بقول شیعہ پنجتن پاک) اگر اس شعر میں کہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا تو ہم اس کی تاویل کر دیتے کہ ان پانچ حضرات کو بطور توسل پیش کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا ذکر نہیں اور ظاہری الفاظ آپ سمجھتے ہی ہیں کہ کیسے ہیں؟ لہٰذا موحد کو بھی حق ہے کہ کہے: ؎

لی واحد اطفی بہ حرالوباء الحاطمہ
اَللّٰہ ربّ المصطفیٰ واصحابہ والفاطمۃ

یعنی میرے لیے صرف ایک ذات ہے جس کی مدد سے میں سخت وبا کی گرمی بجھاتا ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کا رب ہے۔

گلشنِ توحید و رسالت

علامہ سرفراز صاحب کی عداوتِ اہلبیت رضی اللہ عنہم

اس حقیقت سے کوئی صاحبِ علم بیخبر نہیں ہو سکتا کہ نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جان ایمان اور رُوح دین ہے اور اس کے بغیر نہ کوئی شخص مومن ہو سکتا ہے اور نہ ہی جنّت میں داخل ہو سکتا ہے اور آپ کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے اہلِ بیتِ کرام علیہم الرضوان کیساتھ بھی مودت ومحبت اور عقیدت و اُلفت ہو۔ اسی لیے نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے حب حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو محبوب بنانے کی التجا کرتے تو اپنے محبُوب ہونے کے حوالے سے ان کی محبوبیت کی دُعا فرماتے، اَللّٰھُمَّ انی احبھا فاحبھما

اے اللہ میں ان دونو کو محبُوب رکھتا ہُوں لہٰذا تُو بھی ان کو محبُوب بنا (کیونکہ محبُوب کا محبُوب بھی محبُوب ہوتا ہے)

اور اُمّت کو بھی اسی انداز سے ان کی محبت کا لازم اور ضروری ہونا یاد کرایا۔ چنانچہ ارشادِ مصطفوی ہے۔

۱۔ احبوا اللہ لما یغذوکم من نعمہ واحبونی لحب اللہ واحبوا اھل بیتی لحبی۔ (رواہ الترمذی)۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ تمہیں اپنی نعمتوں سے پروان چڑھاتا اور پالتا ہے۔ اور مجھے محبُوب رکھو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اور

میرے اہلِ بیت کو محبوب رکھو میری محبت کی وجہ سے لہٰذا ان کی محبت بھی اہم فریضہ ہے اور اس کے بغیر نہ کوئی شخص مومن ہو سکتا ہے اور نہ ہی جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔

۲۔ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے:

من احبنی واحب ھٰذین واباھما وامھما کان معی فی درجتی یوم القیامۃ اخرجہ احمد والترمذی وقال کان معی فی الجنۃ وقال حدیث غریب۔

جس نے مجھے محبوب رکھا اور ان دونوں کو اور ان کے باپ اور امّی جان کو تو وہ میرے ساتھ ہوگا قیامت کے دن میرے درجہ میں رواہ احمد و ترمذی اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

لہٰذا ان پانچ مقدس ہستیوں کی محبت اعلیٰ درجہ کی جنت کی ضامن ٹھہری اور آتشِ دوزخ سے حفظ و امان کی بھی کفیل ٹھہری۔

۳۔ نیز سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جبکہ آپ قصوا اونٹنی پر سوار ہو کر میدانِ عرفات میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے:

یاأیھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی رواہ الترمذی۔

اے لوگو میں نے تمہارے اندر وہ چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر ان کو

تھامے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اللّٰہ کی کتاب اور میری عترت اہلِ بیت۔

اور اسی مضمون کی روایت حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں رسُولِ کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم نے اہلِ بیت کرام کو قرآن مجید کے ساتھ ملا کر ہمارے لیے سرچشمۂ ہدایت قرار دیا اور گمرہی و بے دینی سے تحفّظ کا وسیلہ اور ذریعہ ٹھہرایا اور ظاہر ہے کہ گمرہی و بے دینی دوزخ کی آگ میں جلنے کی موجب ہے اور ایمان و ایقان اور ہدایت و تقویٰ جنّت میں داخل ہونے کے سبب و موجب ہیں اور ضلالت سے تحفّظ اور ہدایت کے حصُول کا ضامن قرآن مجید ہے اور اہلِ بیت لٰہذا ان کا دوزخ کی حرارت سے بچانے میں دخل اور سببیّت واضح ہو گئی اور کسی بھی سُنّی مُسلمان کو اس سے انکار کی مجال نہیں ہو سکتی۔

۴۔ نبیِ مکرّم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

الا ان مثل اھل بیتی فیکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا و من تخلف عنھا ھلك، رواہ احمد۔

غور سے سُنو میرے اہلِ بیت کی حالت اور کیفیت تم میں نوح علیہ السلام کی کشتی کی مانند ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے الگ رہا تو ہلاک ہو گیا یعنی جو شخص بھی تم میں سے اہلِ بیت کی محبت و عقیدت والی کشتی میں سوار ہوا تو وُہ آتشِ دوزخ سے نجات پا جائے گا اور جو اس محبت سے محروم رہا وُہ نوح علیہ السّلام کے مخالفین کی طرح

ہلاکت سے دوچار ہوگا اور آتشِ دوزخ کا ایندھن بنے گا۔

الغرض رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیتِ کرام بالعموم اور یہ چار حضرات بالخصوص محبت ومودت کے لحاظ سے بھی اور اتباع واقتدار اور اطاعت وفرمانبرداری کے لحاظ سے بھی آتشِ دوزخ سے تحفظ کے سبب کامل اور جنت میں بلند تر مقام تک وصول اور رسائی کے کفیل ہیں اور عربی لغت اور محاورات میں بار کا لفظ توسّل وسببیت کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔

کما قال تعالیٰ:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط

(سورۃ البقرۃ آیت ۴۵)

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ج

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۲)

وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ط

(سورہ قٓ آیت ۱۱)

وغیر ذٰلك من الاٰیات۔

اور ان پانچ حضرات کا وسیلہ اور سبب ہونا ناقابلِ انکار حقیقت ہے لہذا اس پر چیں بجبیں ہونے کی ضرورت نہیں تھی لیکن علامہ صاحب میں خارجیت والی رگیں پھڑک اٹھیں اور اسے صرف شیعہ کا نظریہ قرار دے کر مخالفت اور رد وقدح پر کمر باندھ لی حالانکہ ان حضرات

کی سچی اور خالص محبت و عقیدت ہے تو صرف اہل السنت میں ہے دُوسرے لوگ تو محض محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور حقیقت میں دشمنوں کو بھی دشمنی میں پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔

کما حققنا ذٰلك فی کتابنا ، التحفة الحسينيه

اسی لیے امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ؎

ان کان رفضا حب ال محمد ؐ

فلیشھد الثقلان انی رافض

اگر آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت رفض اور تشیع ہے تو جن اور انسان سبھی گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی اور شیعہ ہوں جبکہ حقیقتِ حال اس کے برعکس ہے۔

اگر اہل السنت کو اختلاف ہے تو صرف پانچ حضرات کو پاک اور طاہر و مطہر ماننے میں ہے اور دُوسرے اہلِ بیتِ کرام کو طاہر و مطہر اور منزّہ اور مبرّا نہ ماننے میں ہے نہ کہ ان پانچ حضرات کے پاک ہونے میں بلکہ ان کے نزدیک ازواجِ مطہرات ، بناتِ رسول ، ابناءِ رسول اور دیگر بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب بھی قولِ باری تعالیٰ :

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس

اھل البیت و یطھرکم تطھیرا

کا مصداق ہیں جنہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل ہوا گو طہارت اور پاکیزگی کے درجات و مراتب میں فرق کا

ؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

انکار نہیں کیا جا سکتا لہٰذا ان پانچ حضرات کو طہارت و نزاہت میں دوسرے حضرات پر فوقیت کی وجہ سے آتشِ دوزخ کے بجھاتے جانے میں واسطہ و وسیلہ قرار دیا گیا ہے اگرچہ باقی حضرات بھی طاہر مطہر ہیں اور نورِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت نورانی ہیں۔

کما قال الامام احمد رضا قدس سرہٗ : ے

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

تنبیہ : علامہ صاحب نے سنیوں کو بھی اس شعر کا قائل تسلیم کیا اور ظاہر ہے کہ وہ سنی ہم ہی ہیں کیونکہ علامہ صاحب اور انکی روحانی برادری تو اس شعر کی منکر اور مخالف ہے تو گویا جناب نے ہمیں مشرک ثابت کرتے کرتے آخر میں سنی تسلیم کر لیا تو کیا علامہ صاحب کے نزدیک سنی ہونا اور ابوجہل جیسا مشرک ہونا ایک ہی شئے ہے؟ اور اگر واقعی ایسا ہے تو علامہ صاحب کا مذہب کیا ہے؟ اور تہتر فرقوں میں سے کس فرقہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں؟ ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

عجیبہ : علامہ صاحب نے جواب آں غزل کے طور پر شعر کو تبدیل کر کے اپنے موحد ہونے کا حق ادا کیا اور کہا کہ اللہ تعالےٰ کی مدد سے دوبار کی حرارت کو میں بجھاتا ہوں حالانکہ بجھانے کی نسبت اپنی طرف کرنا اور اللہ تعالیٰ کو اس میں صرف معاون و مددگار قرار دینا

بھی شریک ہونا چاہیے تھا۔ لیکن علامہ صاحب اس کو ٹھنڈے پیٹ برداشت کر گئے اور بقول خویش شیعہ کے ساتھ اس جسارت میں شریک ہو گئے۔ لیکن اگر اس کی یہ تاویل اور توجیہ ہو سکتی تھی کہ حقیقۃً بجھانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے بندہ ایمان اور عقیدہ کی درستی اور ارشادات خداوند تعالیٰ کی تعمیل و اطاعت کے لحاظ سے سبب بن گیا اس حرارت اور تپش کے بجھنے کا لہٰذا مجازاً نسبت اس کی طرف جائز اور صحیح ہو گئی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر اس مجاز کے پیش نظر غیر اللہ کو آتشِ دوزخ کے بجھانے کا فاعل قرار دینا صحیح ہے تو رسولِ کریم علیہ السلام اور عترت طیبہ اور اہل بیتِ کرام کو صرف سبب اور وسیلہ و ذریعہ قرار دینا کیونکر صحیح نہیں جبکہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت پر ایمان اور آپ کی محبت اور اہلِ بیت کی محبت کے بغیر جنت میں داخل ہونا اور آتشِ دوزخ سے بچاؤ حاصل کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

امامِ اہل السنت نے فرمایا: ؎

وُہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا\
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

علامہ صاحب کو چاہیے کہ شیعہ کی دشمنی میں اتنا آگے نہ بڑھیں کہ اپنے دین و ایمان کو بھی قربان کر بیٹھیں۔ آخر شیعہ بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے والے اور محمد رسول اللہ کہنے والے ہیں تو پھر اس کا بھی انکار کر کے شیعہ دشمنی کا حق ادا کرنا پڑے گا اور یہ کوئی اچھی سوچ اور صائب فکر نہیں ہو سکتی ویسے جو ان کی مرضی ہو۔

تتمۂ مبحث و جواب آنغزل

علاّمہ سرفراز نے اہل السنّت کے خلاف دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے اور انہیں قدیم مشرکین جیسا مشرک ثابت کرنے کے لیے چند صوفیانہ اشعار نقل کیے ہیں اور کہا بلکہ معاذ اللہ خدا اور رسول کو، رسول اور پیر کو حتّی کہ خدا اور پیر کو گڈمڈ کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ ہم اس جماعت کے ایک سرکردہ بزرگ خواجہ محمّد یار (المتوفی ۱۳۶۷ھ) کے دیوانِ محمّدی الموسوم بہ انوارِ فرید کے چند اشعار پیش کرتے ہیں۔ (گلدستۂ توحید ص۷)

چونکہ علاّمہ موصوف نے صرف یکطرفہ کارروائی پر اکتفا کیا ہے اسلئے ہم جوابی کارروائی پر مجبور ہیں اگر وُہ اپنے اکابر کے بھی چند اقوال اور اشعار اس ضمن میں نقل کرکے ایک جیسا فتوٰی لگا دیتے تو ہم ان کے عدل و انصاف اور مساوات کی داد دیتے مگر افسوس ہے کہ علاّمہ صاحب نے کہیں بھی عدل و انصاف کے دامن کو نہیں چھوا۔ علماءِ دیوبند حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے مُرید ہیں اور وُہ بھی وحدت الوجود کے قائل تھے اور ان میں مولوی شاہ اسمٰعیل صاحب پہلے موحد ہیں جنکو متحدہ ہند و پاک میں ہر جگہ شرک نظر آیا اور انہوں نے بزعم خویش توحید کا پرچم بلند کیا لیکن وُہ بھی وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے فرمایا:

کہ مولوی اسمٰعیل شہید موحد تھے چونکہ محقق تھے چند مسائل میں اختلاف

کیا اور مسلکِ پیرانِ خود شاہ ولی اللہ وغیرہ پر انکار کیا۔ وحدۃ الوجود کے قائل تھے ان کے مرشد حضرت سید صاحب مسلک وحدۃ الشہود کا رکھتے تھے باہم گفتگو ہوئی تو سید صاحب کچھ کبیدہ خاطر ہوتے عرض کیا یہ اور بات ہے کہ دن کو رات اور رات کو دن کہیے۔ وحدۃ الوجود میں آپ (مولانا اسمٰعیل) نے مثنوی بھی تصنیف فرمائی ہے۔

(شمائم امدادیہ صـــ۹۲ـــ)

وحدۃ الوجود کا بیان

حضرت حاجی صاحب کی زبانی ہی اپنے مسلک کی وضاحت اور ایک سوال کا جواب مختصراً ملاحظہ فرمالیں تاکہ قدرے اس مسئلہ کی تفصیل سمجھ میں آجائے۔

سوال: ضیاء القلوب میں ورزش لاموجود الا اللہ و مراقبہ ہمہ اوست کی بہ تصریح تاکید ہے و نیز مراقبہ ہمہ اوست میں ملاحظہ معنی کو لازم کہا ہے پس یہ مراقبہ بلا لحاظ عینیت و اتحاد نہیں ہوسکتا اور دوسری جگہ ضیاء القلوب میں ہی ہے کہ تا وقتیکہ ظاہر و مظہر میں فرق پیشِ نظرِ سالک ہے بوئے شرک باقی ہے اس مضمون سے معلوم ہوا کہ عابد و معبود میں فرق کرنا شرک ہے۔

جواب: کوئی شک نہیں ہے کہ فقیر نے یہ سب ضیاء القلوب میں لکھا ہے۔ اگر کہیں کہ جو کچھ کہا نہیں جاتا ہے وہ کیوں لکھا گیا تو جواب یہ ہے

کہ اکابرینِ دین اپنے مکشوفات کو تمثیلات محسوسات سے تعبیر کرتے ہیں تاکہ طالبِ صادق کو سمجھا دیں نہ یہ کہ کَانَّہٗ ھُوَ کہتے ہیں۔

اگر ایک نابینا خواب میں سانپ دیکھے تو اس کے بیان سے عاجز ہو کر یہی کہے گا کہ میری کلائی کی طرح تھا اور اگر اس کو اسی حالت میں رسّی دکھا کر پوچھا جائے کہ کیا ایسا تھا تو وہ کہہ دے گا ہاں اس کو تمثیلات کے ذریعے سمجھانا کہتے ہیں۔ (ما)

مختصر یہ کہ بیانِ صالحین سے معلوم ہوا کہ اصل میں تو یہ مسئلہ حق و بالیقین ہے لیکن صدق اس کا اس وقت معلوم ہوتا ہے جب بندۂ طالب محنت و مشقّت اور استغراق اور ترکِ خطرات ما سوا کے ذریعے سے اپنی خودی سے دُور ہو اور جب خیال خود سے گزرا گویا سب سے گزر گیا کوئی چیز اس کی نظر اور خیال میں باقی نہیں رہتی بلکہ ہستیٔ حق کا معائنہ کرتا ہے اور جس وقت نظرِ سالک تقییدات اور ہستی ما سوا سے اُٹھ گئی سوا خُدا کے اور کچھ نظر نہیں آتا بے خبر ہو جاتا ہے بلکہ اس معنیٰ کا شعور بھی جاتا رہتا ہے سب خُدا ہی خُدا نظر آتا ہے۔ ھو ھو کہنے کا کیا ذکر انا انا کہنے لگتا ہے اس کو مرتبۂ فنا در فنا کہتے ہیں (ما) سلطان الانبیا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی اس حالت کی خبر دی ہے:

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب و لا نبی مرسل۔

اور آپ کی خاص اُمّت میں سے بایزید بسطامی قدّس سرّہٗ نے کہا ہے

سُبحانی ما اعظم شانی -

اور منصور حلاج نے "انا الحق" یہ سب اسی باب میں ہے -

لیکن اس کے باوجود غیریت اعتباری جو کہ اصطلاحی ہے درمیان عبد اور رب کے مرتفع نہیں ہوتی ہر چند کہ حالتِ فنا میں شعور نظر سالک میں باقی نہ رہا ہو کیونکہ جب بے شعوری سے پھر طرف شعور کے آیا جانا کہ میں اپنے سے بے خبر ہو گیا تھا مثل اس لوہے کے ٹکڑے کے کہ آگ میں سُرخ ہو کر پکار اُٹھا کہ میں آگ ہوں اس کے قول کا انکار نہیں ہو سکتا، لیکن فی الواقع آگ نہیں ہوا بلکہ یہ ایک حالت ہے کہ اس لوہے کو عارض ہو گئی ہے ورنہ لوہا لوہا ہے اور آگ آگ یہ ایک شمہ حقیقت وحدۃ الوجود کا ہے اس جگہ تھوڑی کیفیت، عینیت و غیریت کی جاننا واجب ہے کیونکہ جب اس سے واقفیت نہیں ہو گی کیفیت وحدۃ الوجود کی سمجھ نہیں آئے گی۔ (تا)

لیکن فقیر مختصراً لکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عبد اور رب میں عینیت و غیریت دونوں متحقق ہیں وہ ایک وجہ سے اور یہ ایک وجہ سے -

نوٹ : مفصل تقریر شمائم امدادیہ میں ملاحظہ فرما دیں اور فارسی رسالہ وحدۃ الوجود میں) بندہ نے صرف اس مقام پر یہ بتلانا تھا کہ ہمہ اوست اور لا موجود الا اللّٰہ اور وحدۃ الوجود کا نظریہ صرف اہل السنّت بریلوی حضرات کا نہیں ہے بلکہ حاجی امداد اللّٰہ صاحب مہاجر مکی کا ہے اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کا بھی ہے اور بقول حاجی صاحب کے یہی عقیدہ ان کے

مُریدینِ باصفا مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ کا بھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

مسئلہ وحدۃ الوجود حق وصحیح ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے فقیر ومشائخِ فقیر اور جن لوگوں نے فقیر سے بیعت کی ہے سب کا اعتقاد یہی ہے۔ مولوی قاسم صاحب مرحوم، مولوی رشید احمد صاحب، مولوی محمد یعقوب صاحب، مولوی احمد حسن صاحب وغیرہم فقیر کے عزیز ہیں، فقیر سے تعلق رکھتے ہیں کبھی خلافِ اعتقادات فقیر و خلاف مشرب مشائخ طریقِ خود مسلک اختیار نہ کریں گے۔

(شمائم ص۳۲ حصہ اول)

اور اسی کو انہوں نے لوہے اور آگ کی تمثیل سے واضح کیا ہے اور حلول واتحاد کا رد کرنے کے ساتھ ساتھ "سُبحانی ما اعظم شانی" اور انا الحق کہنے والوں پر کوئی فتویٰ صادر کرنے کی بجائے ان کا مقام فنا درفنا میں ہونا تسلیم فرمایا ہے۔ ایک مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے قول، "ہٰذا رَبّی" کی تاویل میں فرماتے ہیں: (شمائم امدادیہ ص۹۱)

عارف کی نظر پہلے ظاہر پر پڑتی ہے پھر مظاہر پر اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے سُورج چاند کو دیکھ کر کہا "ہٰذا ربّی" جس چیز پر نظر کرو اسی کی صفات کے مظہر ہیں۔ (ص۹۱)

مبتدی کی نظر اوّل مظاہر پر پڑتی ہے اور منتہی کی نظرِ اوّل ظاہر (حق) پر پڑتی ہے۔ (ص۹۰)

فرماتے ہیں مجھے اس شعر میں خلجان تھا۔ ؎

علمِ حق در علمِ صوفی گم شود
این سخن کے باور مردم شود

حضرت مولانا رُوم علیہ الرحمہ کو عالم معاملہ میں دیکھا۔ فرمایا ملکی اعظم من ملک اللّٰہ قول بایزید کا ہے تم نے نہیں سُنا اس میں غور کرو، فوراً معنیٰ شعر کے سمجھ آگئے ملک بایزید کا خُدا تعالیٰ ہے۔ ملک خُدا تمام کائنات ہے اور خُدا اعظم ہے سب سے پس ملکی اعظم من ملک اللّٰہ کے معنیٰ حاصل ہوگئے۔ اور یہی معنیٰ شعر کے ہیں۔ علمِ صوفی خُدا تعالےٰ ہے اور علمِ حق علمِ خُدا تمام مخلوقات کہ مظہر اس کے علم کی ہے۔ پس حق کے معاملہ میں مخلوقات کیا چیز ہے۔ (صـ۹۰)

فرمایا انسان کا ظاہر عبد ہے اور باطن حق ہے۔ فرمایا نظرِ عارف اوّل ظاہر پر پڑتی ہے بعدہ مظاہر پر اس لیے اوّل کہتا ہے ہٰذا رَبِّی پھر کہتا ہے لا احب الافلین۔

فرمایا، من آں وقت کردم خُدا را سجود، کہ ذات وصفاتِ خدا ہم نبود کا معنیٰ یہ ہے کہ جس وقت ظہور یعنی ذات وصفات حق تعالیٰ کا نہ ہوا تھا محض مرتبہ اعیان کا تھا اس وقت بھی میں اس مرتبہ میں اسکی عبادت کرتا تھا۔ فرمایا عالم قدیم ہے مرتبہ اعیان میں کیونکہ یہ پرتو صفاتِ الٰہیہ کا ہے اور صفات باری تعالیٰ کی قدیم ہیں۔ (صـ۵۳)

فرمایا کلام اللّٰہ حقیقت میں کلام نفسی ہے پھر بھی الفاظ کو کلام اللّٰہ

کہتے ہیں یہی حال تمام صفات کا ہے۔ یہی معنی ہیں ہمہ اوست اور وحدۃ الوجود کے اور یہی ہے معنیٰ بی یسمع و بی یبصر و بی یبطش الحدیث کے۔ (ص۱۵)

مقام برزخ البرازخ بیان کرتے ہوئے ضیاء القلوب میں فرمایا:

و دریں مرتبہ کہ مرتبہ عبدیت است خلیفۂ حق بودہ بندگان حق را بحق میرساند ظاہر عبد باطن حق بود ایں مقام را برزخ البرازخ میگویند و وجوب و امکان دروے اعتدال اند و یکے بر دیگرے غالب نشود مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان وایں حظ مراتب مقام اہل تمکین در تمکین است دریں مرتبہ عارف متصرف عالم گردد۔ (ص۴۴)

اس مرتبہ میں خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس مقام کو برزخ البرازخ کہتے ہیں اور اس میں وجوب و امکان مساوی ہیں کسی کو کسی پر غلبہ نہیں جو دو دریا آپس میں ملتے ہیں ان کو ملا دیا ان کے بیچ میں ایک پردہ اور حد ہے جس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہو جاتا ہے۔ (انوار الغیب ترجمہ ضیاء القلوب)

الغرض حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے مسلک کو جو تمام علماء دیوبند کا مسلک ہے اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کا بھی ہے اور وحدۃ الوجود اور وحدۃ الموجود۔ ہمہ اوست اور علی اعظم من ملک اللہ سبحانی ما اعظم شانی، علم حق در علم صوفی گم شود نیز بظاہر بندہ اور باطن

میں خدا ہو جاتا ہے اور لوہے آگ والی تمثیل وغیرہ کو سامنے رکھنے کے بعد صرف خواجہ یار محمد صاحب اور ان کے دیوانِ محمدی المعروف انوار فریدیہ کو نشانہ بنانے کا کیا جواز تھا؟ اُدھر تاویل ہو سکتی ہے تو اِدھر بھی ہو سکتی ہے اور اگر مولانا یار محمد صاحب کے کلام میں تاویل جائز نہیں تو اپنے ان اکابر کے کلام میں بھی کسی تاویل کو روا نہ رکھیں، اور بلا امتیاز و تفریق ایک ہی فتویٰ صادر کریں۔

علاوہ ازیں دیگر علماءِ دیوبند کے اقوال بھی اس معنیٰ و مفہوم پر دلالت کرتے ہیں حالانکہ وہ علماءِ ظاہر ہیں اور شریعتِ مطہرہ کے محافظ و نگران لیکن وہاں بھی کوئی رد و قدح اور تنقید و جرح روا نہیں رکھی گئی۔ علامہ محمود الحسن صاحب جو کہ شیخ الہند اور شیخ الحدیث تھے دارالعلوم دیوبند کے علامہ رشید احمد گنگوہی کے مرثیہ میں کہتے ہیں۔

۱۔ تیری قبرِ انور کو دیکر طور سے تشبیہ
کہے ہوں بار بار اَرِنی میری دیکھی بھی نادانی

اگر گنگوہی صاحب کی قبر طور کی مانند ہے اور محمود الحسن صاحب اَرِنی پکارنے والے کلیم علیہ السلام کی مانند ہوئے تو کیا رشید احمد صاحب اللہ تعالیٰ کی مانند ہوتے یا نہیں؟ اور یہاں پر موسیٰ کلیم علیہ السلام جیسے عظیم المرتبت نبی کے ساتھ شیخ الہند کا گڈ مڈ ہونا اور اللہ تعالیٰ کیساتھ رشید احمد صاحب کا گڈ مڈ ہونا ثابت ہوا یا نہیں؟ اور اگر وہ واقعی نادان تھے تو ان کو شیخ الحدیث کیونکر بنا دیا گیا اور مرثیہ میں ایسے نادانی پر مشتمل اشعار کو شائع

کیوں کیا گیا۔ محمود الحسن صاحب کی نادانی ظاہر کرنے کے لیے یا ان کی شان کلیمی اور رشید احمد کی شان الوہیت ظاہر کرنے کے لیے؟ کیسے کیا موجب تھا؟

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلۂ حاجات رُوحانی و جسمانی
خُدا ان کا مربّی وہ مربّی تھے خلائق کے
مرے مُرشد مرے ہادی سے حقّانی سے حقانی

اگر اہل السُنّت مقبولانِ خُداوند تعالیٰ سے عرض کریں دُعا کرو اللہ تعالیٰ ہماری مشکلیں حل فرما دے اور حاجات بر لا دے تو وہ پھر بھی فتوے کی زد میں آجاتے ہیں۔ مگر یہاں پہ اللہ تعالیٰ سے دُوسرے حاجت روا بندے کا سوال ہو رہا ہے کیونکہ پہلا حاجت روا دُنیا سے کوچ کر چکا تھا یہاں پہ کوئی فتویٰ نہیں لگ سکا اور کسی کے گوشۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ رشید احمد صاحب کو قاضی الحاجات محلل الشکلات تسلیم کرکے اور مربّی خلائق مان کر کہیں اللہ تعالیٰ والا منصب الوہیت تو ان کو نہیں دے رہے اور اللہ ربّ العزت کو خلائق میں تدبیر و تصرّف اور حاجت روائی اور مشکل کشائی کے منصب سے معزول تو نہیں کر رہے اور اسے رشید احمد سے بھی نکو تو نہیں بنا رہے ہیں؟

خواجہ یار محمد نے کہا تھا:

بندگی سے آپکی ہم کو خداوندی ملی
ہے خُداوند جہاں بندہ رسول اللہ کا
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

اور یہ کفر و شرک تھا مگر مرتبِ خلائق ہونا عین اسلام رہا اس میں کسی طرح کا نہ غلو نظر آیا اور نہ ہی یہ خود ساختہ عشق معلوم ہوا۔ آخر یہ تو سوچو کہ مولوی صاحب موصوف کو غلامیِ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بغیر یہ مقام ملا تھا یا غلامی اور اطاعتِ رسُول[1] سے۔ اگر غلامی اور اطاعت سے ہی یہ مقام بلند ملا تھا تو مولانا یار محمدؐ صاحب کا مقصد بھی یہی تھا نہ بندگی سے عبادت مُراد تھی اور نہ خُدا وندِ جہاں سے اللہ تعالیٰ کا عین ہونا مُراد تھا۔ خُدا خُداوند اور خاوند مالک کو کہتے ہیں اور غلامیِ رسُول سے یہ مالکی حاصل ہو جاتی ہے۔

۴۔ مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو ذرا دیکھیں ابنِ مریم

کیا یہاں عیسٰی علیہ السلام کو نیچا نہیں دکھایا جا رہا اور رشید احمد میں ان کی نسبت دوہرا اور دو گنا کمال ثابت نہیں کیا جا رہا؟ فنا فی الرسُول اور بقا بالرسُول کے تحت گڈ مڈ تو کفر معلوم ہو گئی مگر پیغمبر کو اور وُہ بھی رُوح اللہ اور کلمۃ اللہ جیسے پیغمبر کو چیلنج دینا اور نیچا دکھانا تو کسی فتوے کی زد میں نہیں آسکتا تھا!

واۓ ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

قبولیت اس کو کہتے ہیں اور مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا ان کے لقب ہے یُوسف ثانی

[1] صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

اگر رشید احمد صاحب کے غلام اور وہ بھی کالے کلوٹے یوسف ثانی لقب رکھتے ہیں تو ان کے گورے چٹے غلاموں کی کیا شانِ والا ہوگی اور پھر انکے غلاموں کی بجائے گورے چٹے دوستوں کا کیا مقام رفعت نشان ہوگا، اور پھر خود ان کا مقام کتنا بلند و بالا ہوگا؟ تو حضرت یوسف علیہ السلام تو اپنے خداداد امتیازی حسن کے باوجود کہیں نیچے رہ گئے اور ممدوحِ گنگوہ ان پر کتنے گنا زیادہ سبقت لے گئے تو اگر کسی کو پیغمبر جیسا کہہ دینا فتویٰ کی زد میں آتا ہے تو پیغمبر کو اپنے پیر و مرشد کے مقابل کہیں پیچھے چھوڑ جانا کیا فتوے کی زد میں نہیں آتا؟ مگر کسی سرفراز صاحب جیسے فتویٰ باز نے فتویٰ صادر کیا؟ یا اس کو غلط ہی سمجھا؟ آخر اس دوہرے اسلام کو کہاں سے حاصل کیا گیا ہے؟

زباں پر اہلِ اہوا کے ہے کیوں اعل ہبل
شاید اٹھا دنیا سے کوئی بانی اسلام کا ثانی

بانیٔ اسلام حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ ہے اور بطورِ نیابت رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر شیخ الہند نے رشید احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ کا ثانی بالفرض نہیں بنایا تو رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی تو یقیناً بنا ڈالا ہے جنکی شانِ رفیع اور مقامِ منیع سے خلیل و کلیم علیہما السلام کی برابری نہیں ہو سکتی اور نہ سب انبیاء علیہم السلام مل کر ہی ان کے ہم پلہ اور مساوی ہو سکتے ہیں مولوی رشید احمد کو ان کا ثانی ٹھہرانا تو کوئی گستاخی اور بے ادبی نہیں ہے؟ اور ظاہر ہے کہ یہاں پر فنا فی الرسول اور بقا بالرسول بھی مراد نہیں ہے ورنہ پھر اول و ثانی اور اصل و نظیر وغیرہ کے تقابل کا کیا مطلب؟

۷۔ پھرتے تھے کعبہ میں بھی ڈھونڈتے گنگوہ کا رستہ
جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق و شوقِ عرفانی

یہاں پر کعبہ مقدسہ بھی گنگوہ کی گردِ راہ بن کر رہ گیا ہے اور عرفانی ذوق شوق رکھنے والے اس کو خاطر میں لانے کو تیار نظر نہیں آرہے ہیں تشبیہ و تنظیر میں مشبّہ مشبّہ بہ کے اور نظیر منظرلہ کے مساوی اور ہم پلہ نہیں ہوتے بلکہ مشبّہ بہ بوجہ تشبیہ میں اقوٰی ہوتا ہے اور ایسے ہی تنظیر میں لیکن یہاں نہ تشبیہ ہے نہ تنظیر بلکہ گنگوہ کو کعبہ پر اس درجہ کی برتری اور فوقیت دے دی گئی ہے کہ سرے سے باہم کوئی تناسب ہی محسوس نہیں ہوتا اور جب اللہ کے گھر کا حال یہ ٹھہرا تو اللہ تعالیٰ کا مقام خود سوچ لو۔

علامہ رشید احمد گنگوہی صاحب کا اپنا جوش

ایک دفعہ حضرت گنگوہی جوش میں تھے اور تصورِ شیخ کا مسئلہ درپیش تھا۔ فرمایا کہ کہہ دوں! عرض کیا گیا فرمایئے پھر فرمایا کہہ دوں! عرض کیا گیا فرمایئے تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔

پھر اور جوش آیا فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا حضرت ضرور فرمایئے فرمایا کہ اتنے سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات آپ سے پوچھے بغیر نہیں کی۔

یہ کہہ کر اور جوش پیدا ہوا فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے

مگر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا بس رہنے دو۔ اگلے دن بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ پھر احسان کا مرتبہ رہا۔

(ارواح ثلاثہ ص۳۲۱)

علامہ سرفراز صاحب کو تصورِ شیخ بھی بُت پرستی معلوم ہوتی ہے اور اس کو بھی شرک قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

بُتوں سے وُہ کام لیا گیا جو نا اہل لوگوں نے تصورِ شیخ سے یا غالی لوگوں نے فوٹو اور تصویر سے لیا۔ (گلدستہ ص۵۵)

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب تین سال پُورے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کا چہرہ علامہ رشید احمد صاحب کے قلب میں رہا تو ان تین سالوں میں وُہ بھی نا اہل بُت پرستوں کی طرح تھے یا ولی کامل اور مرشدِ برحق؟ نیز جب رشید احمد صاحب نے حضرت حاجی صاحب سے پُوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا تو کیا وُہ صُورت اور عکس جواب دیتا تھا یا اصلی وجود حاجی صاحب کا جواب دیتا تھا اگر اصلی وجود کے ساتھ رشید احمد صاحب کے اندر موجود ہو گئے تو مزید مفاسد اور خرابیاں لازم آئیں گی اور پیر و مُرید کے گڈ مڈ ہونے کی انتہا ہو جائے گی نیز عرصہ دراز تک رسُولِ معظم نُورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا اپنے قلب میں رہنے کا اقرار تصورِ شیخ سے بھی زیادہ نا اہلی کا موجب ہونا چاہیے کیونکہ ظاہر ہے شیخ کی نسبت رسُولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تعظیم و تکریم اور ان سے توسّل کا جذبہ بدرجۂ اتم ہوگا تو یہ شرک اکبر ہونا چاہیے اور پھر محض صُورت اور عکس خیالی

ارشاد و رہنمائی نہیں کر سکتا تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ خود ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے اندر آ گئی تو گنگوہی صاحب کو اس دوران منصبِ رسالت پر فائز ماننا پڑے گا اور اُمتی کا رسولِ گرامی علیہ السلام سے گڈمڈ ہونا ثابت ہو جائے گا۔ العیاذ باللہ۔ اسی پس منظر میں جب اللہ تعالےٰ کے متعلق سوچا جائے اور تیسری دفعہ کے جوش کا ثمرہ ملاحظہ کیا جائے تو رشید احمد صاحب کے اندر اللہ تعالیٰ کی ذات کو جلوہ گر ماننا پڑے گا اور ہر کام اس کے امر اور اذن کے مطابق سرزد ہونا تسلیم کرنا پڑے گا۔

اگر رشید احمد صاحب اپنے باطن کے لحاظ سے شیخ و مرشد کا عین — رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عین اور اللہ تعالیٰ کا عین ہو کر کسی فتویٰ کی زد میں نہیں آتے تو دوسرے لوگوں پر فتویٰ کیوں؟ اور اگر دوسروں پر فتوے برحق ہیں تو بسم اللہ ذرا یہاں بھی وہ فتوے صادر کر دیجیے، تاکہ علماءِ دیوبند کے عدل و انصاف کا پرچم ہر طرف ایک جیسا لہراتا دکھائی دے اور مساوی طور پر سایہ فگن نظر آئے مگر ہمیں یقین ہے کہ مرید اور پیر گڈمڈ ہو جائیں پیر اور رسولِ خدا گڈمڈ ہو جائیں، پیر اور اللہ تعالیٰ گڈمڈ ہو جائیں یہاں کوئی فتویٰ صادر نہیں ہوگا کیونکہ یہ اپنے گھر کا معاملہ ہے۔ فتوے صرف دوسروں کے لیے ہیں، یہاں پر دو اسلام رائج ہیں اپنے لیے اور ہے دوسروں کے لیے اور اسلام ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

الغرض علامہ سرفراز صاحب کو صرف دُوسروں کی آنکھ کے تنکے بھی نظر آتے ہیں مگر اپنی آنکھ کے شہتیر بھی نظر نہیں آتے اور اپنے اکابر کے سلیے معیارِ توحید الگ بنا رکھا ہے اور دُوسروں کے سلیے الگ۔ اگر دیانتداری کا مظاہرہ فرماتے ہُوئے یکساں فتوے لگائیں تو ہمیں ان سے کوئی گلہ نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کی حق گوئی اور انصاف پسندی کو سلام پیش کریں گے ہمیں مدتوں سے انتظار ہے اور انتظار کرتے رہیں گے کہ کب ان علماءِ دیوبند کی دیانت وامانت والی رگ پھڑکتی ہے اور وُہ دوہرے معیار کو ختم کرتے ہیں اور ایک جیسا اسلام اور دین سب لوگوں پر لاگو کرتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَسَيِّدِ الْخَلَائِقِ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَالْخَلْقِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

وانا العبد الفقیر الی اللہ الغنی ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

کان اللہ لہ ولوالدیہ ولسائر متعلقیہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجموعہ صلوٰت الرسول ﷺ

ایک ایسی کتاب جو بیک وقت عربی ادب کا شاہکار بھی ہے اور سیرت مصطفےٰ ﷺ کے مختلف
پہلوؤں کا گلشن پُر بہار بھی۔ 5 جلدوں اور 30 پاروں پر مشتمل اس کتاب میں حضرت مصنف نے
درود وسلام کے مختلف صیغوں کو اس انداز میں جمع فرمایا ہے کہ اسے سرکار کی ولادت پاک سے لیکر
وصال پاک تک کے احوال وواقعات اور معجزات وکمالات کا ایک حسین مرقع بنا دیا ہے۔ اس منفرد
کتاب کو جس شخصیت نے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے ان کی علمی برتری اور جلالت علمی کی تاریخ
نصف صدی پر محیط ہے اور جنہیں دنیا امام العلماء علامہ محمد اشرف سیالوی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

تصنیف لطیف

غوث زماں حضرت خواجہ حضرت محمد عبدالرحمٰن چھوہروی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

عمدۃ الاذکیاء اشرف العلماء علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہم

ملنے کا پتہ

اھل السنہ پبلی کیشنز شاندار بیکری والی گلی منگلا روڈ دینہ جہلم

فون نمبر: 0321:7641096 Mob 0333-5833360

مُتعہ اور اسلام

اشرف العلماء علامہ محمد اشرف سیالوی

ناشر

اہل السنۃ پبلی کیشنز دینہ پاکستان

نفس الرحمٰن
فیما الاحباب اللہ من علو الشان

اولیائے کرام
کی خداداد عظمت و جلالت

تصنیف:

السید اسمٰعیل بن مہدی بن حامد الغربانی الحسنی

ترجمہ:

ساجد الہاشمی

اہل السنۃ پبلی کیشنز دینہ پاکستان انگلینڈ

